وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ

اور ہم نے آپ کیلیے آپ کا ذکر بلند فرما دیا (الم نشرح-4)

اَلاخلاصُ عَنِ المُحَمَّد صلی اللہ علیہ وسلم

سورۃ الاخلاص میں نبی کریم ﷺ کی تعریف کے اثبات پر مدلّل بحث

مصنف: مدثر حُسین سُہرانی

مختصر مقدمۃ الکتاب

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی وہ کتاب ہے کہ جس کے اعجاز و عجائب و غرائب و غیوب کبھی ختم نہیں ہونگے اور نہ ہی قرآن کے علوم کو محدود کیا جاسکتا ہے، یہ نہیں ہو سکتا کہ قرآن سے متعلق کسی نئی بات کا بغیر کسی دلیل کے انکار کر دیا جائے، اگر اس کے عجائبات قیامت تک ختم نہیں ہونگے تو ظاہر ہے کہ قرآن مجید سے قیامت تک ہمیں نئی باتیں معلوم ہوتی رہیں گی اور قرآن کی خاصیت بھی یہی ہونی چاہیے کہ کلام اللہ پر مکمل طور پر دسترس ناممکنات میں سے ہے لیکن اس کے عجائبات مومن پر منکشف ہوتے رہیں گے۔ اسی طرح سورۃ الاخلاص بلاشک و شبہ سورۃ التوحید بھی ہے، اس سورۃ میں اللہ بزرگ و برتر نے اپنی وحدانیت کا بیان فرمایا ہے اور شرک کو رد کر دیا گیا ہے۔ اس سورۃ کی تفسیر کے بے شمار پہلو ہیں جو قرآن کے اعجاز پر دلالت کرتے ہیں اور مومن کے ایمان میں اضافے کا سبب بنتے ہیں، اسی بابت ایک پہلو یہ بھی ہے کہ سورۃ الاخلاص میں اس ہستی ﷺ کا ذکر ہو جس پر یہ سورۃ نازل فرمائی گئی، اس کی ایک مثال میرا یہی سابقہ جملہ ہے کہ سورۃ الاخلاص رسول اللہ ﷺ پر نازل فرمائی گئی تو ثابت ہوا کہ سورۃ الاخلاص سے رسول ﷺ کی شان و عظمت بھی واضح ہو رہی ہے، اس کتاب میں اسی پہلو اور اسی طریقہ تفسیر و استدلال و استنباط پر بحث پیش کی جاتی ہے۔

الاخلاص عن المحمد صلی اللہ علیہ وسلم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قُلۡ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ ﴿۱﴾ اَللّٰہُ الصَّمَدُ ﴿۲﴾ لَمۡ یَلِدۡ وَلَمۡ یُوۡلَدۡ ﴿۳﴾ وَلَمۡ یَکُنۡ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ ﴿۴﴾ (الاخلاص)

''(اے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم) تم فرماؤ وہ اللہ ہے وہ ایک ہے O اللہ بے نیاز ہے O نہ اس کی کوئی اولاد اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا O اور نہ اسکے جوڑ کا کوئی O''۔

سورۃ، آیت اور حرف کے معنی

سورۃ

قرآن کی اصطلاح میں سورۃ کلام الٰہی کا وہ حصہ ہے جس کی مثل لانے سے تمام جن وانس عاجز ہیں۔

وَ اِنۡ کُنۡتُمۡ فِیۡ رَیۡبٍ مِّمَّا نَزَّلۡنَا عَلٰی عَبۡدِنَا فَاۡتُوۡا بِسُوۡرَۃٍ مِّنۡ مِّثۡلِہٖ ﴿۲۳﴾ (البقرۃ)

''اور اگر تمھیں شک ہو اس میں جو ہم نے اپنے بندے (محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل کیا تو اس جیسی ایک سورت تو لے آؤ''۔

سورۃ بمعنی رتبہ سے مشتق ہے۔ سورت منازل و مراتب کی مانند ہے جن پر قاری کو بلندی وارتقا نصیب ہوتا ہے اور یہ بھی طوال، اوساط اور قصار ہوتی ہیں یا رفعت شان اور دین میں جلالت مقام کی وجہ سے ہے۔

(تفسیر الکبیر۔ امام رازی)

اصطلاح میں سورت قرآن کے اس حصے کو کہتے ہیں جو کم از کم تین آیات پر مشتمل ہو۔ سورۃ کو سورۃ شان کی بلندی کی وجہ سے کہا جاتا ہے اور دین میں اس کے مقام کے بڑے ہونے کی بناء پر کہا جاتا ہے۔

(تفسیر مدارک)

آیت

اس کے معنی علامت ہے یعنی یہ اس کلام کے انقطاع کی علامت ہوتی ہے۔ ابو عمرو کا بیان ہے آیت اپنے مابعد سے منقطع ہے اور وہ اپنے معنیٰ پر اکتفاء کرنے والی ہے اسی لیے یہ خود فاصلہ ہے اسی لیے اس کا نام آیۃ ہے۔

(تفسیر روح البیان۔ سورۃ الاخلاص)

آیت کے ایک معنی نشانی کے بھی ہیں۔ چونکہ غیر خدا قرآن کی ایک ایک آیت کی مثل لانے سے عاجز ہیں تو گویا قرآن کی ایک ایک آیت خدا کی نشانی ہے کہ خدا کی مثل کوئی نہیں۔

حرف

قرآن کی اصطلاح میں حرف وہ ہوتا ہے جو تنہا قائم ہوتا ہے اور معنی رکھتا ہے جیسے ق، ن وغیرہ۔ اردو میں حرف اکیلا معنی نہیں رکھتا لیکن اس کے برعکس قرآن میں ایک حرف کے بھی معنی ہیں اور حروف مقطعات اس پر دلیل ہیں۔ انسان پر اس کے معنی ظاہر نہ ہونا اس کا بے معنی ہونا ثابت نہیں کرتا۔

سورۃ الاخلاص کا نزول

نزولی اعتبار سے سورۃ الاخلاص کا نمبر ۲۲ ہے جبکہ توقیفی اعتبار سے اس کا نمبر ۱۱۲ ہے۔ سورۃ الاخلاص دو دفعہ نازل ہوئی۔ ایک دفعہ مکہ میں اور ایک دفعہ مدینہ میں۔

(الاتقان فی علوم القرآن۔ جلد ۱ صفحہ ۶۱)

سورۃ الاخلاص مکی ہے یا مدنی؟

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، حسن بصری، عطا، عکرمہ اور جابر نے کہا یہ سورت مکی ہے۔ حضرت ابن عباس کے ایک قول، قتادہ، ضحاک اور سدی نے کہا یہ سورت مدنی ہے اس کی چار آیات ہیں۔

(تفسیر قرطبی۔ جلد ۱۰۔ صفحہ ۵۴۶)

بعض مفسرین سورۃ الاخلاص کے دوبار نزول کے قائل ہیں ایک بار مکہ میں اور ایک بار مدینہ میں۔

(الاتقان فی علوم القرآن۔ جلد ۱۔ صفحہ ۶۱)

سورۃ الاخلاص مکیہ بقولے مدنیہ ہے (تفسیر خزائن العرفان)

اس میں ایک رکوع، چار یا پانچ آیتیں، پندرہ کلمے اور سنتالیس حروف ہیں۔

وجہ تسمیہ: امام قرطبی نے اپنی تفسیر میں سورۃ اخلاص کا وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے یہ حدیث پیش کی۔ حضرت ابودرداء سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کو تین حصوں میں تقسیم فرمایا ہے اور قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ کو قرآن کے اجزاء کا ایک جز بنا دیا ہے۔ یہ حدیث بیان کرنے کے بعد امام ابوعبداللہ محمد بن احمد بن ابوبکر قرطبی فرماتے ہیں: یہ نص ہے اسی وجہ سے اسے سورۃ اخلاص کہا گیا۔ واللہ اعلم

(تفسیر قرطبی۔ جلد ۱۰۔ تفسیر سورۃ الاخلاص)

اس سورۃ کا نام الاخلاص اس حدیث سے بھی ثابت ہے کہ:

حضرت ابن مسعود مسجد نبوی میں داخل ہوئے جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابن مسعود علیحدگی کا اعلان کر۔ تو ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے قل یایھا الکٰفرون پڑھی پھر دوسری رکعت میں فرمایا اخلص تو خالص کر تو ابن مسعود

رضی اللہ عنہ نے قل ھواللہ احد پڑھی۔ جب سلام پھیرا تو آپ ﷺ نے فرمایا ابن مسعود مانگو تمھاری دعا قبول کی جائیگی۔

(تفسیر مدارک۔ جلد۳۔ صفحہ ۱۱۶۹)

حضرت قاشانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اخلاص اس لیے کہ اس میں حقیقتاً احدیۃ کو شائبہ کثرت سے خالی کرنا ہے۔ حنفی نے فرمایا کہ اس کا نام اخلاص اس لیے ہے کہ یہ اپنے پڑھنے والے کو شدائد آخرت، سکرات الموت، ظلمات القبر اور اہوال القیامۃ سے خلاصی بخشتی ہے۔

(تفسیر روح البیان۔ صفحہ ۱۱۱۶)

اور اس سورۃ کو سورۃ اخلاص اس لیے کہتے ہیں کہ یہ حق کی معرفت اور اس کی ذات وصفات کی دریافت کیلیے مسلمانوں کے دلوں کو کھرا کرتی ہے۔

(تفسیر عزیزی۔ جلد۴۔ تفسیر سورۃ اخلاص)

سورۃ اخلاص کو سورۃ الاساس بھی کہا جاتا ہے کیونکہ اس میں توحید خداوندی کا ذکر ہے جو بیخ و بنیاد ہے۔

(الاتقان فی علوم القرآن۔ جلد۱۔ صفحہ ۱۵۲)

فضائل سورۃ الاخلاص

سورۃ اخلاص کی تفسیر میں حضرت ابوہریرۃ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بنی آدم نے مجھے جھٹلایا حالانکہ یہ اس کے لیے مناسب نہیں اور مجھے گالی دی جبکہ یہ بھی اس کے لیے مناسب نہیں ہے۔ اس کا جھٹلانا تو یہ ہے جو وہ کہتا ہے کہ جس طرح میں نے اسے پہلے پیدا کیا اسی طرح دوبارہ زندہ نہیں کروں گا اور اسکا گالی دینا یہ ہے جو وہ کہتا ہے کہ اللہ کا بیٹا بھی ہے، حالانکہ میں وہ بے نیاز ہوں جو کہ نہ کسی کو جنتا ہوں اور نہ جنا گیا ہوں اور میری برابری کرنے والا کوئی ایک بھی نہیں ہے۔

(صحیح بخاری۔ جلد۲۔ کتاب التفسیر۔ صفحہ ۱۰۲۲)

حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے دوسرے آدمی کو سورہ اخلاص بار بار پڑھتے ہوئے سنا۔ جب صبح ہوئی تو نبی پاک ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس آدمی کا ذکر کیا۔ وہ آدمی اس سورۃ کے عمل کو قلیل خیال کر رہا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: قسم اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے یہ سورۃ تہائی قرآن کے برابر ہے۔

(مؤطا امام مالک۔ کتاب القرآن۔ صفحہ ۱۹۶)

نکتہ:

اور اس کے تہائی قرآن ہونے پر یا تو یہ دلیل ہے کہ قرآن میں وارد وہ ۳۲۸ آیات کہ جن میں لفظ قل موجود ہے، ان میں خدا

کے ۳۸ صفاتی ناموں کا ذکر ہے جو کہ یہ ہیں:۔

۱)رب (۲) علیم (۳) عزیز (۴) حکیم (۵) بصیر (۶) قدیر (۷) غفور (۸) رحیم (۹) واسع (۱۰) شھید (۱۱) سریعالحساب (۱۲) سمیع (۱۳) الہ (۱۴) خیرالمُنز لین (۱۵) قادر (۱۶) خیرالفصلین (۱۷) مولیٰ (۱۸) عالمالغیب والشھادۃ (۱۹) سبحان (۲۰) خالق (۲۱) قہار (۲۲) رحمٰن (۲۳) ذیالعرش (۲۴) خبیر (۲۵) ولی (۲۶) مالک (۲۷) حق (۲۸) خیرالرّٰ احمین (۲۹) خیر (۳۰) نصیر (۳۱) فتّاح (۳۲) خیرالرّ ازقین (۳۳) قریب (۳۴) فاطر (۳۵) شکور (۳۶) احد (۳۷) تعالیٰ (۳۸) (کفیٰ)

اور ۳۸ کا عدد ۱۱۴ کا تہائی ہے اور قرآن کی ۱۱۴ سورتیں ہیں اور لفظ قل کی بنیاد وہی آیت سمجھی جائے گی جو اسلام کی بنیاد ہو اور اسلام کی بنیاد توحید ہے اور توحید قل ھواللہ احد ہے اور صفات بھی توحید خداوندی کو ظاہر کرتی ہیں ۳۸ کے عدد کو سورۃ اخلاص کے لفظ قل پر ہی دلیل بنایا جائے گا۔ تو ۳۸ اور ۱۱۴ کے اعداد کو سورۃ اخلاص کے تہائی قرآن ہونے پر بطور دلیل پیش کیا جاسکتا ہے کہ خدا کے ۳۸ صفاتی نام قرآن کی تہائی سورتوں کے عدد پر ہیں۔

بعض نے کہا یہ سورۃ اس ایک اسم الصمدؔ کی بدولت ایک تہائی قرآن ہے کیونکہ یہ اور کسی سورۃ میں موجود نہیں اور ایسے ہی اسم احد ہے۔ ایک قول کے مطابق قرآن حکیم تین اجزاء میں نازل ہوا: اس کے ایک تہائی احکام ہیں، ایک تہائی وعدہ وعید ہیں اور ایک تہائی اسماء وصفات ہیں۔ قل ھو اللہ احد اسماءصفات کا جامع ہے۔

(تفسیر قرطبی۔ جلد ۱۰۔ صفحہ ۵۴۹)

حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے نبی کریم ﷺ نے اپنے اصحاب سے فرمایا: کیا تم میں سے کوئی اس سے عاجز ہے کہ وہ ایک رات میں تہائی قرآن کی تلاوت کرے؟ تو یہ عمل صحابہ پر شاق گزرا۔ صحابہ نے عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ کوئی اس کی کیسے طاقت رکھ سکتا ہے؟ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ الواحد الصمد تہائی قرآن کے برابر ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جمع ہو جاؤ میں تم پر قرآن کا ایک تہائی تلاوت کرتا ہوں۔ تو لوگ جمع ہو گئے۔ پھر نبی کریم ﷺ باہر تشریف لائے اور قُلْ ھُوَ اللّٰـہُ اَحَدٌ کی تلاوت فرمائی پھر آپ ﷺ اندر تشریف لے گئے۔ ہم میں سے بعض نے بعض سے کہا: میرا خیال ہے کہ آسمان سے خبر آئی ہے اور اس نے آپ ﷺ کو اندر داخل کر دیا ہے۔ پھر آپ ﷺ باہر تشریف لائے اور فرمایا: میں نے تمھیں کہا تھا کہ میں تم پر ایک تہائی قرآن کی تلاوت کروں گا خبردار! یہ سورۃ ایک تہائی قرآن کے برابر ہے۔

(الجامع ترمذی۔ جلد ۲۔ ابواب فضائل القرآن۔ صفحہ ۳۲۸)

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کو ایک چھوٹے لشکر میں روانہ کیا وہ اپنے ساتھیوں کو نماز پڑھایا

کرتا تھا اور قرات کا اختتام سورۃ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پر کیا کرتا تھا۔ جب وہ صحابہ واپس آئے تو انہوں نبی کریم ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس سے پوچھو وہ کس وجہ سے یہ کام کیا کرتا تھا؟ صحابہ نے اس سے پوچھا تو اس نے بتایا: یہ سورۃ رحمٰن کی صفت ہے میں اسے پڑھنا پسند کرتا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اسے بتادو اللہ پاک اس سے محبت کرتا ہے۔

(تفسیر قرطبی۔ جلد ۱۰۔ صفحہ ۵۴۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ آیا تو آپ ﷺ نے ایک آدمی کو سنا جو قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ی تلاوت کرر ہا تھا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: واجب ہوگئی۔ میں نے پوچھا کیا واجب ہوگئی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جنت۔

(الجامع ترمذی۔ جلد ۲۔ ابواب فضائل القرآن۔ صفحہ ۳۲۷)

(موطا امام مالک۔ کتاب القرآن۔ صفحہ ۱۹۶)

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے ہر روز دوسو دفعہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ کی تلاوت کی تو اس سے پچاس سالوں کے گناہ بخش دیئے گئے مگر یہ کہ اس پر قرض ہو۔

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو آدمی بستر پر سونے کا ارادہ کرے تو وہ دائیں پہلو پر سوئے پھر سو دفعہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھے۔ جب قیامت کا روز ہوگا تو اللہ پاک فرمائے گا: اے میرے بندے اپنی دائیں جانب سے جنت میں داخل ہو جا۔

(الجامع ترمذی۔ جلد ۲۔ ابواب فضائل القرآن۔ صفحہ ۳۲۷)

حضرت سعید بن مسیّب سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ دس مرتبہ پڑھا اس کے لیے جنت میں محل بنا دیا جائے گا، جس نے بیس دفعہ اس کو پڑھا اس کے لیے دو محل بنا دیئے جائیں گے، جس نے تیس دفعہ اس کو پڑھا اس کے لیے تین محل بنا دیئے جائیں گے۔ حضرت عمر نے عرض کیا: پھر تو ہم اپنے محلات کو زیادہ کریں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس سے بہت ہی وسیع ہے۔

سبب نزول

حضرت ابی بن کعب سے روایت ہے کہ مشرکوں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: ہمارے سامنے اپنے رب کا نسب بیان کرو تو اللہ تعالیٰ نے سورۃ اخلاص نازل فرمائی: الصّمد وہ ہوتا ہے جو نہ کسی کو جنے اور نہ جنا گیا ہو کیونکہ جسے جنا جاتا ہے وہ مرجاتا ہے اور جو چیز مرتی ہے اس کا وارث بنا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو نہ موت آئے گی نہ اس کا کوئی وارث بنے گا۔ نہ اسکا کوئی مشابہ ہے نہ

مساوی اور اسکی مثل کوئی بھی نہیں۔

(الجامع ترمذی۔جلد۲۔ابواب التفسیر۔صفحہ۵۶۱)

حضرت ابی بن کعب سے روایت ہے کہ مشرکوں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: ہمارے سامنے اپنے رب کا نسب بیان کرو تو اللہ تعالیٰ نے سورۃ اخلاص نازل فرمائی۔

(تفسیر بغوی۔تفسیر سورۃ الاخلاص)

(تفسیر ابن کثیر۔تفسیر سورۃ الاخلاص)

(تفسیر مظہری۔تفسیر سورۃ الاخلاص)

حضرت ابوالعالیہ سے روایت ہے نبی کریم ﷺ نے ان کے معبودوں کا ذکر کیا تو انہوں نے کہا ہمارے سامنے اپنے رب کا نسب بیان کیجئے۔تو جبریل امین اس سورت کو آپ ﷺ کے پاس لیکر آئے قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ۔

(الجامع ترمذی۔جلد۲۔ابواب التفسیر۔صفحہ۵۶۱)

مشرکین نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ ہمارے سامنے اپنے رب کا نسب بیان کریں۔اور یہ قول بھی ہے کہ مشرکین نے کہا کہ ہمارے سامنے اپنے رب کی صفت بیان کیجئے کہ وہ سونے کا ہے؟ تانبے کا ہے یا پیتل کا؟ اللہ تعالیٰ نے ان کے رد میں یہ فرمایا: قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ۔

(تفسیر قرطبی۔جلد۱۰۔صفحہ۵۴۷)

(تفسیر بغوی۔تفسیر سورۃ الاخلاص)

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ قریش نے کہا اے محمد ﷺ اپنے اس رب کا وصف بیان کریں جس کی آپ ہمیں دعوت دیتے ہیں۔پس یہ سورت نازل ہوئی۔

(تفسیر مدارک۔تفسیر سورۃ الاخلاص)

ضحاک، قتادہ اور مقاتل فرماتے ہیں کہ یہود کے کچھ علماء نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور انہوں نے کہا اے محمد ﷺ ہمارے لیے اپنے رب کی صفت کو بیان کریں شاید ہم آپ ﷺ پر ایمان لے آئیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تورات میں اپنی صفت بیان کی ہے۔اس پر اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاخلاص نازل فرمائی۔

(تفسیر بغوی۔تفسیر سورۃ الاخلاص)

سورۃ اخلاص کا پچھلی سورۃ سے ربط

سورۃ اخلاص سے پچھلی سورۃ، سورۃ اللھب ہے اور اگر سورۃ اللھب کے متن کو دیکھا جائے تو پتا چلتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کو خدا

کا نام لینے سے روکا گیا یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی طرف بلایا تو پھر اللہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سامنا کرنے والوں کو دردناک عذاب کی بشارت دی۔

سورۃ لھب کا اسلوب وہی ہے جو اس زمانہ میں رائج تھا کہ اگر کوئی کسی کو کسی کام کے کرنے سے روکتا تو وہ کام کرنے والے کے حامی اس روکنے والے کو جواب دیتے تو پہلے اس کی سرزنش فرماتے اور پھر اس کام کرنے والے کو کہا جاتا کہ تم جو کر رہے ہو کرتے رہو ہم تمھارے ساتھ ہیں۔

سورۃ اللھب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کو جواب دیا گیا انہیں دردناک عذاب سے ڈرایا گیا اور پھر اسلوب زمانہ کے مطابق خدا کی طرف سے وہی کام کرنے کا حکم دیا جاتا جس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو منع کیا گیا لیکن سورۃ اللھب میں نہیں بلکہ چونکہ ترتیب قرآن خدا کی طرف سے ہے تو اللہ نے پچھلے مفہوم کو جاری رکھا اور سورۃ اخلاص میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وہی حکم فرمایا گیا جو پچھلی سورۃ کے مطابق کفار نے رد کیا، یوں سمجھ لیں کہ پچھلی سورۃ میں کفار نے توحید کا انکار کیا اور سورۃ اخلاص میں وہی حکم دہرایا گیا کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ خدا کی توحید کا پرچار کریں اور فرما دیں کہ وہ اللہ ہے، ایک ہے۔

قرآن کریم ایک علمِ باطن ہے۔

وَ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبيَانًا لِّكُلِّ شَیءٍ۔۔۔﴿۸۹﴾(النحل)

''اور ہم نے تم پر قرآن اتارا کہ ہر چیز کا روشن بیان ہے''۔

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا وہ علم ہے کہ جسے ایک بحر بیکراں سمندر سے بھی تشبیہ دینا ٹھیک نہ ہوگا۔خدا کا علم لامحدود ہے تو اسے ایک محدود چیز سے کیسے ملایا جائے۔جیسا کہ ارشاد ہے:

وَلَوْ اَنَّ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۷﴾(لقمٰن)

''اور اگر زمین میں جتنے درخت ہیں سب قلمیں ہو جائیں اور سمندر اسکی سیاہی ہو اس کے پیچھے سات سمندر اور، تو اللہ کی باتیں ختم نہ ہونگی، بے شک اللہ عزت وحکمت والا ہے''۔

دوسری آیت ہے:

قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّیْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّیْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا﴿۱۰۹﴾(الکھف)

''تم فرما دو اگر سمندر میرے رب کی باتوں کیلیے سیاہی ہو تو ضرور سمندر ختم ہو جائے گا اور میرے رب کی باتیں ختم نہ ہونگی

اگرچہ ہم ویسا ہی اور (سمندر) اس کی مدد کو لے آئیں''۔

یہ وہ لامحدود علم ہے کہ جس سے ہر مخلوق اپنے مقام و مرتبے کے مطابق مستفید ہوتی ہے۔ ہاں اس کو اس سے مثال دی جاسکتی ہے کہ سمندر سے دریا، نہریں، ندی اور نالے اپنی اپنی مقدار کے مطابق مستفید ہوتے ہیں اسی طرح قرآن مجید سے انسان اور جن اپنی قابلیت کے مطابق جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔

دوسری آیت میں ہے کہ:

وَ تَفۡصِیۡلَ الۡکِتٰبِ لَا رَیۡبَ فِیۡہِ مِنۡ رَّبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۳۷﴾ (یونس)

''اور لوح میں جو کچھ لکھا ہے سب کی تفصیل ہے اس (قرآن) میں کچھ شک نہیں ہے تمام جہانوں کے رب کی طرف سے ہے''۔

اور آیت میں ہے:

۔۔۔مَا فَرَّطۡنَا فِی الۡکِتٰبِ مِنۡ شَیۡءٍ۔۔۔﴿۳۸﴾ (الانعام)

''ہم نے اس کتاب میں کچھ نہ اٹھا رکھا''۔

ورلوح محفوظ کے بارے آیت میں ہے:

کُلٌّ فِیۡ کِتٰبٍ مُّبِیۡنٍ ﴿۶﴾ (ھود)

''سب کچھ ایک صاف بیان کرنے والی کتاب میں ہے''۔

لوح محفوظ میں سب کچھ لکھا ہے اور لوح محفوظ کی تفصیل قرآن مجید میں ہے۔

کیا قرآن پاک کے ظاہری معنی سے آیات میں چھپے راز کھولے جاسکتے ہیں؟۔

قرآنی علوم کے حصول میں انسانی استعدار کار شامل ہے یعنی جو جتنا خدا کو پہچاننے میں کوشش کرے گا اس پر اتنا ہی قرآن کے عجائبات کا کشف ہوگا۔

ہوسکتا ہے انہیں علوم کے متعلق حضرت ابو ہریرہ نے یہ فرمایا ہو:

سعید مقبری سے روایت ہے کہ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دو تھیلے علم حاصل کیا ہے۔ ایک کو میں نے لوگوں میں پھیلا دیا ہے جبکہ دوسرے کو اگر میں ظاہر کروں تو یہ گلا کاٹ دیا جائے۔

(صحیح بخاری۔ کتاب العلم۔ جلد۔۱۔ حدیث نمبر۔۱۲۰۔ صفحہ نمبر۔۱۵۶)

دوسری آیت میں ہے:

وَ یُعَلِّمُکَ مِنۡ تَاۡوِیۡلِ الۡاَحَادِیۡثِ ﴿۶﴾ (یوسف)

''اور تمھیں باتوں کی حقیقت کو سمجھنے کا علم عطا فرمائے گا''۔

قرآن مجید کو سمجھنے والوں کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَالَتۡ اَوۡدِيَة بِقَدَرِهَا۔﴿١٧﴾(الرعد)

''اس (اللہ تعالیٰ) نے آسمان سے پانی اتارا تو نالے اپنے اپنے لائق بہہ نکلے''۔

یعنی مکمل طور پر قرآن کے علوم کا ادراک نہیں کیا جا سکتا۔

حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قرآن سے اہل علم کبھی سیر نہ ہونگے۔اس کے عجائبات کبھی ختم نہ ہونگے۔

(التفسیر الکبیر۔امام رازی)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

فی کل کتاب سر و سره فی القرآن آن اوائل السور۔

''ہر کتاب کے کچھ راز ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے راز قرآن میں اوائل سور ہیں''۔

(التفسیر الکبیر۔امام رازی)

حضرت امام شعبی سے حروف مقطعات کے بارے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا:

سر الله فلا تطلبوه۔

''یہ اللہ تعالیٰ کے راز ہیں انہیں مت پوچھو''۔

(التفسیر الکبیر۔امام رازی)

قرآن چونکہ ایسی عظیم حکمتوں اور علوم کثیرۃ پر مشتمل ہے کہ ان تمام کا حصول اور ان پر اطلاع قوت بشری پر انتہائی دشوار ہے تو قرآن اگر چہ صورت کے اعتبار سے حاضر و سامنے ہے مگر اپنے اسرار و حقائق کی وجہ سے غائب ہے۔

(التفسیر الکبیر۔امام رازی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، نے فرمایا کہ بے شک قرآن ظاہروں اور باطنوں کا رکھنے والا ہے۔اس کے عجائب ختم ہونے میں نہ آئیں گے اور اس کی غایت تک پہنچ نہ ہوگی۔اس میں اخبار امثال، حلال وحرام، ناسخ ومنسوخ، محکم، متشابہ، ظاہر اور باطن سب کچھ ہے۔اس کا ظاہر اس کی تلاوت ہے اور اس کا باطن اس کی تاویل۔لہٰذا تم حصول قرآن اور اس کے معنی کی فہم پیدا کرنے کیلیے علماء کی صحبت اختیار کرو اور نادانوں کی صحبت سے اس کو بچائے رکھو۔

(الاتقان فی علوم القرآن۔جلد۲۔صفحہ ۴۱۷)

حضرت ابی الدرداء رضی اللہ عنہٗ نے فرمایا: آدمی کو اس وقت تک ہرگز دین کی سمجھ کلی حاصل نہیں ہوسکتی جب تک کہ وہ قرآن کے بہت سے وجوہ نہ قرار دے۔حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہٗ نے فرمایا کہ جو شخص اولین و آخرین کا علم حاصل کرنا چاہتا ہے اسے قرآن کی چھان بین کرنی چاہیے۔ابن سبع کہتا ہے اور یہ بات جس کو دونوں مذکورہ بالا صحابیوں نے کہا ہے تنہا ظاہر تفسیر ہی کے ساتھ حاصل نہیں کیا جاسکتا۔

قرآن کی ہر ایک آیت کیلیے ساٹھ ہزار فہم ہیں۔لہذا یہ قول صاف دلالت کرتا ہے کہ قرآن کے معنی سمجھنے کے بارے میں ایک بے حد وسیع میدان اور ایک کشادہ جولان گاہ موجود ہے۔اور یہ کہ ظاہر تفسیر سے منقول ہونے والا امر اس طرح کا ہوتا ہے کہ اس میں ادراک اس نقل اور سماع کی طرف منتہی نہیں ہوتا لیکن اس کیلیے پہلے ظاہر تفسیر کو حفظ کرنا لازم ہے۔

(الاتقان فی علوم القرآن۔جلد۲۔صفحہ ۴۱۷)

احمد نے ابن عباس رضی اللہ عنہٗ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ جس وقت قولہ تعالیٰ اذا جاء نصر الله الفتح کا نزول ہوا تھا اس وقت رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے وصال کی خبر آ گئی ہے۔

(الاتقان فی علوم القرآن۔جلد۲۔صفحہ ۴۶۰)

سورۃ النصر میں کسی جگہ بھی ظاہری طور پر نبی کریم علیہ وسلم کی ظاہری وفات کا ذکر نہیں۔لیکن اس کی تفسیر میں نبی کریم علیہ وسلم نے اس کو اپنی وفات کی خبر فرمایا ہے۔یہ قرآن کے ان عجائبات میں سے ہے جو عام انسان کے سمجھنے سے باہر ہے۔

معمر نے وہب بن عبداللہ سے اور وہب نے ابی الطفیل سے روایت کی ہے اس نے کہا کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہٗ کو خطبہ پڑھتے ہوئے دیکھا ہے وہ کہہ رہے تھے کہ تم لوگ مجھ سے سوال کرو۔کیونکہ واللہ تم جس بات کو دریافت کرو گے میں تم کو اس کی خبر دوں گا۔اور مجھ سے کتاب اللہ کی نسبت پوچھو اس لیے کہ واللہ کوئی آیت ایسی نہیں جس کی بابت مجھے یہ علم نہ ہو کہ آیا وہ رات میں اتری ہے یا دن میں اور ہموار میدان میں نازل ہوئی ہے یا پہاڑ میں۔

(الاتقان فی علوم القرآن۔جلد۲۔صفحہ ۴۲۱)

ابن مسعود رضی اللہ عنہٗ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ بے شک قرآن سات حرفوں پر نازل کیا گیا ہے پس ان میں سے کوئی حرف ایسا نہیں جس کا ایک ظاہر اور ایک باطن نہ ہو اور بلاشبہ حضرت علی رضی اللہ عنہٗ کے پاس اس کے ظاہر اور باطن دونوں ہیں۔

(الاتقان فی علوم القرآن۔جلد۲۔صفحہ ۴۲۲)

امام ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

معتزلہ کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر مکان میں ہے انہوں نے ان آیات سے استدلال کیا "ما یکون من نجویٰ ثلثه

الا ھو رابعھم، و نحن اقرب من حبل الورید اور و نحن اقرب الیه منکم ولکن لا تبصرون "۔ **قرآن مجید کواس وقت تک اس کے ظاہر پر محمول کرنا واجب ہے جب تک اس کے ظاہر پر محمول کرنے سے کوئی دوسری نص یا اجماع یا ضرورت حس مانع نہ ہو۔**

اوران تینوں آیات سے صرف اللہ تعالیٰ کی تدبیر واحاطہ مراد ہے۔

(الملل والنحل۔جلد۲۔صفحہ۳۶۰)

یعنی جب کوئی ظاہری حالتِ معنی کسی دوسری نص کے خلاف ہوتو اس آیت کواس کے ظاہر پر محمول کرنا واجب نہیں۔تو یہاں یہ سوال بھی اٹھتا ہے کہ آیا ایک آیت سے کیا گیا استدلال جو کہ دوسری آیت سے صراحتا وہی حکم واضح ہے تو کیا وہ استدلال، استدلال کہلائے گا یا مفہوم قرآن؟۔

اس کا جواب بھی امام ابن حزم نے اپنی کتاب الملل والنحل میں اسی صفحہ پر بیان کردیا ہے۔

قرآن مجید کا کوئی بھی معنی کہ جس کے متعلق قرآن کی کوئی دوسری نص آئی ہوتو ہم مان لیں گے کہ وہ دوسرے معنی کی طرف نقل کرلیا گیا ہے۔

(الملل والنحل۔جلد۲۔صفحہ۳۶۰)

اس روایت کو بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ قرآن مجید میں ایسی آیات بھی ہیں کہ اگران کے ظاہر پر ہی اکتفاء کیا جائے تو قرآن کی دوسری نص کے خلاف حکم صادر ہو۔جیسا کہ معتزلہ نے مندرجہ بالا آیات سے استدلال کیا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ مکان میں ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ زمان ومکان سے پاک ہے۔

یہ بتانا اس لیےضروری تھا کہ سورۃ الاخلاص میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کے اثبات میں دوسری آیات سورۃ الاخلاص کی حمایت کرتی ہیں تو کوئی ناسمجھ یہ نہ سمجھے کہ چونکہ سورۃ الاخلاص سے واضح طور پر یہ چیز ثابت نہیں تو قابل قبول نہیں۔اس کی ایک مثال قرآن سے دیکھیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

قل ھو اللہ احد "(فرما دیجیئے اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم وہ اللہ اکیلا ہے)"۔

اس آیت کا ظاہری معنی ہم پر واضح نہیں کرتا کہ اللہ تعالیٰ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا سب سے بڑا عارف فرمارہے ہیں۔لیکن قرآن کی دوسری آیت سے یہ ضرور واضح ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی خدا کے سب سے بڑے جاننے والے ہیں۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ان تقولوا علی اللہ مالا تعلمون "(اللہ تعالیٰ منع کرتا ہے) کہ اللہ تعالیٰ پر وہ بات کہو جسے تم نہیں جانتے"۔

اللہ تعالیٰ کے بارے وہ بات کہنا منع ہے جو معلوم نہیں لیکن اگر نبی کریم ﷺ اللہ تعالیٰ بارے کوئی بات فرماتے ہیں تو ظاہر ہے کہ نبی کریم ﷺ اس بات کے جاننے والے ہیں جبھی تو اللہ تعالیٰ کے بارے بات فرمارہے ہیں لیکن اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ وہ بات جو اللہ تعالیٰ اپنے بارے نبی کریم ﷺ سے کہلوائے تو اس بات بارے نبی کریم ﷺ کتنا زیادہ جانتے ہونگے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے کہلوایا "قل ھو اللہ احد" (فرما دیجیئے اے محبوب ﷺ وہ اللہ اکیلا ہے)۔ کہ اللہ تعالیٰ نے خود کہلوایا کہ اے محبوب ﷺ آپ میرے اللہ ہونے اور احد ہونے کے بارے فرما دیں۔ تو دوسری آیت سورۃ الاخلاص کی پہلی آیت کی وضاحت کر رہی ہے اور اب واضح ہو رہا ہے کہ نبی کریم ﷺ اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ جاننے والے ہیں۔

اور امام ابن حزم کے مطابق قرآن کا وہ مفہوم جو دوسری آیت سے واضح ہو وہ مان لیا جائے گا۔

اس بحث کی مدد سے آپ کو سورۃ الاخلاص میں نبی کریم ﷺ کی مدحت کو واضح طور پر سمجھنے میں آسانی ہوگی۔

تفسیر میں استنباط

محمد بن ادریس الشافعی رحمہ اللہ اپنی کتاب الرسالہ میں فرماتے ہیں

جو بھی علم کی طلب اپنے اندر رکھتا ہے، اس پر یہ لازم ہے کہ وہ اپنے علم میں اضافے کیلیے اپنی ہر ممکن توانائی صرف کرے۔ اس راہ میں آنے والی ہر مشکل پر صبر کرے اور اللہ تعالیٰ کے دین کا علم حاصل کرنے کیلیے خلوص نیت سے جدو جہد کرے خواہ دین کا یہ علم کتاب اللہ سے حاصل ہو یا اس سے استدلال و استنباط سے حاصل ہو۔

(کتاب الرسالۃ۔ باب نمبر۱۔ صفحہ ۲۶)

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق:

استنباط کے معنی قرآنی آیات سے احکام نکالنے کے ہیں۔ یہ قرآن فہمی کا ایک اہم موضوع ہے جس کی بہت سی تفصیلات ہیں۔ اس میں آیت کا مفہوم، اس کے اشارات اور تقاضوں کو ملحوظ رکھنا پڑتا ہے۔ اس میں عقل اور رائے کا بھی بڑا دخل ہے۔ جس کے نتیجے میں اس حوالے سے بہت سے اختلافات پیدا ہوگئے ہیں۔

میرے نزدیک قرآنی آیات سے احکام نکالنے کے دس طریقے ہیں۔

(الفوز الکبیر۔ باب نمبر۱۰۔ صفحہ ۱۶۸)

تفسیر میں توجیہ

علم تفسیر میں توجیہ کا موضوع بھی بہت اہم ہے۔ توجیہ کے معنی کسی مشکل مسئلے کو حل کرنا ہیں۔ ہر مفسر کو توجیہ سے کام لینا پڑتا ہے اسی سے اس کی قابلیت ظاہر ہوتی ہے اور تفسیر کے میدان میں اس کا مقام متعین ہوتا ہے۔ صحابہ کرام نے قرآنی آیات کی کثرت سے توجیہ کی ہے۔ عام لوگوں کیلیے توجیہ کا جو معیار ہے، ذہین لوگوں کیلیے اس کا معیار بالکل الگ ہے۔ کبھی ایسا ہوتا

ہے کہ کبھی کوئی تحریر پڑھتے ہوئے ایک ذہین شخص کے دماغ میں کئی سوالات پیدا ہوتے ہیں جن کا وہ حل چاہتا ہے۔لیکن اس کے برعکس ایک عام ذہنی سطح کا انسان اسی تحریر پر سے یونہی سرسری طور پر گزر جاتا ہے۔اس کے ذہن میں نہ کوئی سوال پیدا ہوتا اور نہ کوئی الجھن پیدا ہوتی ہے۔اسی طرح عام آدمی کیلیے جن باتوں کا سمجھنا مشکل ہے،ایک ذہین انسان آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔

توجیہ کی کئی صورتیں ہوسکتی ہیں:

۱۔ کسی آیت کا مطلب سمجھنے میں الجھاؤ ہوتو اسے مثالوں کے ذریعے واضح کیا جائے۔

۲۔ جہاں کسی آیت کا مفہوم عقل کے خلاف نظر آتا ہو وہاں توجیہ کا انداز یہ ہونا چاہیے کہ عقل اور نقل میں مطابقت پیدا ہوجائے۔

۳۔ اگر کسی آیت سے دو مختلف قسم کے احکام نکلتے ہوں تو ان کی توجیہ کیلیے ان دونوں کے درمیان موافقت پیدا کی جائے۔

صحابہ کرام نے ان تمام صورتوں کو اختیار فرمایا ہے۔

(الفوز الکبیر۔باب نمبر۱۰۔صفحہ ۱۶۸)

شاہ ولی صاحب نے اور بھی صورتیں بیان فرمائی ہیں لیکن یہاں موضوع سے متعلقہ صورتوں کو ہی بیان کیا گیا ہے۔تفسیر قرآن کو سمجھنے کیلیے تاویل کو بھی اختیار کیا گیا ہے۔لیکن جن آیات کا تعلق متشابہ آیات سے ہے تو ان کے ظاہری معنی پر ہی اکتفاء کیا جائے اور اس کے باطن کو خدا پر چھوڑ دیا جائے۔واللہ اعلم

تفسیر میں فن اعتبار

شاہ ولی اللہ صاحب کے مطابق:

''رسول اللہ ﷺ نے فن اعتبار کو درست قرار دیا ہے بلکہ خود بھی اس پر عمل فرمایا ہے تاکہ یہ دوسروں کیلیے بھی نمونہ بن جائے اور الہامی تعلیمات کو سمجھنے میں مدد دے۔جیسے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ:فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی ﴿۵﴾(اللیل)

''پھر جس نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کیا اور تقویٰ اختیار کیا''

اس آیت کو تقدیر کے مسئلے میں دلیل کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے حالانکہ اس کا ظاہری مطلب یہ ہے کہ جو لوگ اس طرح کے اعمال کریں گے ان کو جنت اور اس کی نعمتیں ملیں گی اور جو اس کے خلاف کام کرتے ہیں ان کے لیے دوزخ کا عذاب ہے۔

لیکن فن اعتبار کے لحاظ سے اس آیت کا یہ مفہوم بھی لیا جاسکتا ہے کہ ہر شخص کو ایک خاص حالت کیلیے پیدا کیا گیا

ہے اور وہ اس حالت میں مبتلا ہو کر رہتا ہے خواہ وہ اسے جانتا ہو یا نہ جانتا ہو۔اس طرح اس کا تقدیر کے مسئلے سے ربط پیدا ہو گیا ہے۔

(الفوز الکبیر۔باب نمبر۱۰۔صفحہ۱۷۴)

حضرت امام جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں کہ ''مجھے یہ سعادت بھی حاصل ہے کہ میں نے قرآن پاک کی ایک ایک آیت سے ایک سو بیس انواع بلاغت نکالی ہیں''۔

(الخصائص الکبریٰ۔جلد۱۔صفحہ ۲۳۳)

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں:

چنانچہ قرآن کے پانچوں علوم جن کا ذکر اس کتاب کے شروع میں کیا گیا ہے (جن میں علم تذکیر بالاء اللہ بھی ہے کہ جس میں قرآن میں بیان کردہ خدا کی صفات کا بیان ہے) ان سب کا ظاہر تو وہ ہے جس کی طرف آیت کے الفاظ صاف صاف بیان کر دیتے ہیں اور جسے عام طور پر معنی یا مطلب کہا جاتا ہے۔لیکن ہر علم کا الگ الگ باطن بھی ہے۔

(الفوز الکبیر۔باب نمبر۱۱۔صفحہ۱۷۷)

قرآن سے استدلال کا ایک قاعدہ

قرآن سے اخذ کردہ وہ استدلال جو قرآن کی کسی ایک آیت یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت سے متصادم نہ ہو، درست ہے۔اگر چہ یہ عوام سے مخفی ہو،اور خواص پر اس کا خلاف تب ہے جبکہ قرآن وسنت سے اس کے خلاف دلیل ہو۔مثال کے طور پر سورۃ البقرۃ میں ہے:

و قلنا یٰادم السکن انت وزوجك الجنة ﴿۳۵﴾ (البقرۃ)

''اور ہم نے کہا اے آدم رہو تم اور تمھاری بیوی (حوا) جنت میں''۔

اگر کہا جائے کہ آیت کا معنی عوام وخواص پر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو جنت میں اپنی بیوی کے ساتھ رہنے کا حکم فرمایا؟ تو اس معنی میں قرآن پڑھنے والوں پر ابہام کی راہ ہموار کر دی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے معنوی طور پر ایسے نہیں فرمایا کہ اے آدم تم اپنی بیوی کے ساتھ رہو جنت میں۔ بلکہ فرمایا کہ تم اور تمھاری بیوی جنت میں رہو۔ یہ استدلال نہ ہے بلکہ ایک عام معنوی غلطی ہے جو عموماً لاپرواہی میں بول دی جاتی ہے۔

استدلال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کے ساتھ حضرت حوا پر بھی انعام فرمایا کہ ان کو جنت میں بھیج دیا۔حضرت آدم اللہ کے نبی تھے اللہ تعالیٰ نے جنت میں ٹھہرا کر انعام کیا لیکن حضرت حوا تو نبی نہ تھی اور غیر نبی بغیر کسب کے جنت میں رہی کیونکہ حضرت آدم کی بیوی تھی۔حضرت آدم کی تسکین کیلیے حضرت حوا کو جنت میں رکھا گیا تو گویا پہلا انسان جو جنت میں بغیر کسب

کے رہا وہ ایک نبی کے وسیلے سے رہا۔یعنی خدا کا انسان پر پہلا انعام نبی کے صدقے ہوا۔کیونکہ تمام اشیاء کے نام حضرت آدم کوسکھائے گئے،فرشتوں کو عاجز کرنے والے حضرت آدم،فرشتوں کے مسجود حضرت آدم اور جنت میں حضرت آدم کے ساتھ حضرت حوا بھی۔ جنت میں رہنا نبی کے لائق تھا تو غیر نبی جنت میں کیسے؟ تو سمجھنا پڑے گا کہ حضرت حوا کو حضرت آدم کے صدقے جنت میں رکھا گیا اسی لیے اللہ تعالیٰ نے حوا نہیں فرمایا بلکہ فرمایا کہ تم اور تمھاری بیوی جنت میں رہو۔

تو حاصل یہ ہے کہ جب انسان پر خدا کی رحمت سے انعام کیا جاتا ہے تو اس میں کہیں نہ کہیں نبی سے تعلق ضرور ہوتا ہے کیونکہ اس کی اصل نبی کا واسطہ ہے۔

اب اس پر کہا جائے کہ یہ استدلال غلط ہے تو لازم ہے کہ اس کے خلاف قرآن وسنت سے دلیل لائی جائے اگر دلیل نہ ہو تو استدلال مانا جائے۔

اسی بابت ایک اور استدلال:

اللہ تعالیٰ سورۃ البقرۃ میں فرماتے ہیں:

قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٣٨﴾ (البقرۃ)

''ہم نے کہا تم سب اس سے اتر جاؤ پھر اگر تمھارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت آئے تو جو میری ہدایت کی پیروی کرے گا اسے نہ کچھ اندیشہ نہ کچھ غم''۔

اب اس کے معنی کی وضاحت کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ استدلال سن لو۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جمیعا یعنی تم سب اتر جاؤ یعنی زمین پر۔اب جمیعا میں انسان بھی شامل ہیں اور جن بھی۔ کیونکہ شیطان جنوں میں سے ہے۔اب یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ مخصوص انسانوں کیلیے حکم تھا کیونکہ اس سے پہلے آیت نمبر ۳۶ میں قلنا اھبطوا سے مراد انسان بھی ہیں اور جن بھی۔اس کے بعد فرمایا کہ پھر اگر تمھارے پاس۔اس میں ضمیر کم سے مراد جمیعاً ہے۔یعنی تمام انسان اور تمام جن۔اب غور طلب بات یہ ہے کہ ہدایت سے کیا مراد ہے؟ اگر حضرت آدم کی نبوت کو اس کی مراد لی جائے تو نبوت تو اس سے پہلے حضرت آدم کو عطا کر دی گئی تھی۔سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر ۳۱ میں تمام اشیاء کے ناموں کا علم دینا یعنی غیب سکھانا اس پر دلیل ہے یعنی غیب کا علم نبی کو دیا جاتا ہے غیر نبی کو نہیں اگر نام سیکھتے وقت نبی تھے تو یہ تو حضرت آدم کا فرشتوں سے ملاقات کرنے سے بھی پہلے کی بات ہے اور زمین پر اتارے جانے اور ہدایت کے آنے کی خبر آیت نمبر ۳۸ میں ہے۔اور حضرت آدم تو کُم کے مخاطب ہیں تو نبوت تو ایک بار ملتی ہے۔تو یہاں ہدایت سے مراد نبوت آدم نہیں لیا جا سکتا۔اور نبی اپنی بعثت سے پہلے بھی ہدایت پر ہوتا ہے۔اور ہدایت کا لفظ انس وجن دونوں کیلیے ہے تو حضرت آدم تو صرف انسانوں کی

طرف نبی تھے تو جنوں کیلیے ہدایت کیسے ہوئی ؟ اگر ہدایت سے مراد وہ کلمات لیے جائیں جو حضرت آدم کی طرف اللہ نے القاء کیے تو پھر بھی اس ہدایت کے انعام یافتہ تو صرف انسان ٹھہرے کہ حضرت آدم انسانوں کی طرف نبی تھے۔ تو لازم ہے کہ ایسا واضح مفہوم سامنے آئے جو ہدایت کی مراد کی وضاحت کردے۔

تو اس کیلیے پہلے تو یہ دیکھنا ہوگا کہ ضمیر کُم میں حضرت آدم بھی شامل ہیں تو اگر کلمات ہدایت کی مراد نہیں تو لازم ہے کہ ایک ایسی شخصیت ہو جو حضرت آدم سے افضل ہو تب اسے ہدایت کے طور پر سمجھا جائے تو اس کیلیے ایسی شخصیت کی ضرورت ہے جو جن وانس دونوں کیلیے ہدایت ہو؟ تو اس کے لیے لازم ہے کہ وہ شخصیت نبی ہو کیونکہ غیر نبی نبی سے افضل نہیں ہوتا۔ اور کوئی ایسا نبی نہیں جو تمام جن وانس کی طرف بھیجا گیا ہو سوائے میرے آقا و مولا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے، کہ یہی ایک ذات با برکات ہے جو سب کی طرف اللہ کے نبی و رسول ﷺ ہیں۔ یہ وہ استدلال ہے کہ جس سے حضرت آدم کی نبوت بھی اپنی جگہ قائم ہے اور جن وانس دونوں کی طرف مبعوث ہونے کا مفہوم بھی مکمل ہوتا ہے۔ تو ہدایت سے مراد نبی کریم ﷺ کی ذات ٹھہری۔ اگر کہا جائے کہ خدا کے علم میں نبی کریم ﷺ تو آخری نبی تھے تو حضرت آدم سے نبی کریم ﷺ کے آنے بارے کہنے کا کیا مطلب؟ تو اس پر یہ واذ اخذ اللہ میثاق النبیین ۔۔۔ آیت پیش کی جائے گی کہ اللہ کے علم میں تھا کہ نبی کریم ﷺ آخری نبی ہیں تو پھر انبیاء سے کیوں فرمایا کہ اگر میرا نبی تمھاری طرف آئے ۔۔۔ تو ازالہ دور ہوا اور استدلال کامل ہوا۔

اب اس کے رد میں یا تو قرآن پیش کیا جائے یا سنت۔ اگر قرآن وسنت اس کے موافق ہوں تو استدلال درست ہوا۔ ایسے بہت سے استدلال قرآن میں پائے جاتے ہیں۔ اور سورۃ اخلاص سے محمد مصطفیٰ ﷺ کے وصف کو بیان کرتے ہوئے ایسے استدلال سے ضرور سامنا ہوگا۔ لیکن سمجھنے کیلیے آسان ہوگا بشرطیکہ کوئی سمجھنے کی کوشش کرے۔

قرآن مجید میں غور وفکر کرنے کی تعلیم

قرآن نے تو حدیث میں بھی فکر کرنے کو واضح فرمایا ہے تا کہ قرآن کے حقائق تک پہنچا جا سکے تو قرآن میں تو بدرجہ اولیٰ فکر کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ حدیث نبی کریم ﷺ سے ماخوذ ہے جبکہ قرآن کلام خدا ہے۔ حدیث میں غور وفکر کرنے پر یہ آیت دال ہے:

وَ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡکَ الذِّکۡرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیۡهِمۡ وَ لَعَلَّهُمۡ یَتَفَکَّرُوۡنَ ﴿۴۴﴾ (النحل)

''اور ہم نے آپ ﷺ پر ذکر (قرآن مجید) نازل فرمایا تا کہ آپ ﷺ اس چیز کو لوگوں کے سامنے واضح فرمادیں جو ان کی طرف نازل فرمائی گئی اور تا کہ وہ فکر کریں''۔

اس آیت میں نبی کریم ﷺ کو قرآن کو کھول کر واضح کر دینے کا حکم ہے اور اس کے بعد لوگوں کو فکر کرنے کا کہا گیا ہے یعنی پہلے اس وضاحت کو سمجھا جائے جو قرآن کے متعلق نبی کریم ﷺ کے فرمان کی شکل میں ہے پھر قرآن میں فکر کی جائے۔ کلام

مصطفیٰ ﷺ میں فکر کا حکم ہے تو لازم ہے کہ قرآن کے ظاہری معنی تک ہی محدود نہ رہا جائے بلکہ اس میں چھپی افکار کو سمجھنے کی کوشش کی جائے جس کیلیے فکر کی دعوت دی گئی ہے۔ تا کہ قرآن کے اصل مفہوم کو سمجھا جائے۔ جس کی ترغیب اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں دی ہے۔

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْآن۔۔۔﴿۸۲﴾ (النساء)

''تو کیا وہ غور نہیں کرتے قرآن میں''۔

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْآن اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُھَا۔۔۔﴿۲۴﴾ (محمد)

''''تو کیا وہ غور نہیں کرتے قرآن میں یا ان کے دلوں پر قفل لگے ہوئے ہیں''۔

وَ نَزَّلْنَا عَلَیْکَ الْکِتَابَ تِبیَانًا لِّکُلِّ شَیءٍ۔۔۔﴿۸۹﴾ (النحل)

''اور ہم نے تم پر قرآن اتارا کہ ہر چیز کا روشن بیان ہے''۔

ایک اور آیت میں ارشاد ہے کہ:

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِیْ ھٰذَا الْقُرْاٰنِ لِیَذَّکَّرُوْا۔۔۔﴿۴۱﴾ (بنی اسرائیل)

''اور بے شک ہم نے اس قرآن میں طرح طرح سے بیان فرمایا کہ وہ سمجھیں''۔

اور ہر چیز کا بیان ظاہری معنی سے واضح نہیں ہوتا بلکہ اس کے لیے غور کرنے کی ضرورت ہے اسی لیے حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے قرآن مجید کے وہ مقامات جن میں صفات الٰہیہ کا ذکر ہے قرآن کے مشکل مقامات قرار دیا ہے اور ان مشکل مقامات میں سورۃ الاخلاص بھی شامل ہے۔

(الفوز الکبیر۔ باب نمبر ۱۱۔ صفحہ ۱۷۵)

قرآن مجید نبی کریم ﷺ کا معجزہ اور فصیح و بلیغ کتاب ہے۔

سورۃ اخلاص میں ذکر مصطفیٰ ﷺ کے بیان سے پہلے اس کتاب قرآن مجید کا نبی کریم ﷺ کا معجزہ ہونا اس کے عجائبات اور فصاحت و بلاغت کا ذکر ہو جائے تا کہ سورۃ اخلاص کی وضاحت کو سمجھنے میں آسانی ہو۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ذٰلِکَ مِمَّا اَوْحٰی اِلَیْکَ رَبُّکَ مِنَ الْحِکْمَۃِ۔۔۔﴿۳۹﴾ (بنی اسرائیل)

''یہ ان وحیوں میں سے ہے جو تمھارے رب نے تمھاری طرف بھیجی حکمت میں سے''۔

یاد رہے کہ یہ خدا کی کہی ہوئی حکمت کی باتیں ہیں نہ کہ انسان کی۔ اسی لیے انسان اس کی مثل لانے سے عاجز ہے۔

قرآن نبی کریم ﷺ کا معجزہ ہے کہ کوئی بھی اس جیسا کلام لانے سے عاجز ہے۔ دوسری بات یہ کہ اس جیسا قرآن لانے کیلیے

لانے والا بھی نبی کریم ﷺ جیسا ہو۔ نبی کریم ﷺ جیسا ہونا محال ہے تو قرآن جیسا کلام لانا بھی محال ہے۔

یہ آیت ملاحظہ ہو:

وَاِنۡ كُنۡتُمۡ فِىۡ رَيۡبٍ مِّمَّا نَزَّلۡنَا عَلٰى عَبۡدِنَا فَاۡتُوۡا بِسُوۡرَةٍ مِّنۡ مِّثۡلِهٖ ﴿۲۳﴾ (البقرة)

''اور اگر تمھیں شک ہو اس میں جو ہم نے اپنے خاص بندے پر اتارا تو اس جیسی ایک سورت تو لے آؤ''۔

مِّثۡلِهٖ کی ضمیر اگر نبی کریم ﷺ کی طرف ہو تو معنی ہوگا کہ اگر تمھیں شک ہے اس قرآن میں تو لے آؤ کوئی ایسا جو تم پر اس جیسا کلام پیش کرے کیونکہ وحی کا نزول نبی سے مشروط ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا طریقہ کار ہے کہ وحی صرف انبیاء پر نازل کی جاتی ہے تو اسی لیے کہا گیا کہ قرآن کا مثل تو بعد میں ہے کہ جب نبی کریم ﷺ جیسا کوئی ہو۔ اگر نبی کریم ﷺ جیسا کوئی نہیں ہو سکتا تو قرآن کی مثل لانا بھی محال ہے۔ تو قرآن کا نبی کریم ﷺ کا معجزہ ہونا اس طرق سے ہے کہ قرآن نبی کریم ﷺ پر نازل ہوا کہ نبی کریم ﷺ جیسا کوئی نہیں اور نبی کریم ﷺ پر قرآن نازل کیا گیا کہ قرآن جیسا کوئی کلام نہیں۔ واللہ اعلم ورسولہ اعلم۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کوئی نبی ایسا نہیں مگر جتنے لوگ اس پر ایمان لائے ان کے مطابق ہی اسے معجزے دیئے گئے اور جو چیز (بطور معجزہ) مجھے دی گئی وہ وحی (قرآن) ہے جو اللہ تعالیٰ نے میری طرف فرمائی۔ پس مجھے امید ہے کہ قیامت کے روز میرے پیروکار سب سے زیادہ ہونگے۔

(صحیح بخاری۔ جلد۲۔ کتاب التفسیر۔ صفحہ۱۰۲۴)

سعید بن المسیب نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے جامع کلمات کے ساتھ مبعوث فرمایا گیا ہے۔

(صحیح بخاری۔ جلد۳۔ کتاب الاعتصام۔ صفحہ۸۴۸)

کیونکہ یہ کتاب سورۃ الاخلاص کی پہلی آیت میں صفات محمد یہ ﷺ کے بیان پر مشتمل ہے اسی لیے پہلے سورۃ الاخلاص کی پہلی آیت میں صفات محمد یہ ﷺ کے اثبات پر چند دلائل پیش کیے جاتے ہیں تا کہ اس کے بعد صفات محمد یہ ﷺ پر غور کیا جائے نہ کہ اس کا پڑھنے والا مختلف شکوک وشبہات میں مبتلا رہے اور اس کی افادیت سے محروم رہے:

قُلۡ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ (اے محبوب ﷺ آپ فرمادیں! وہ اللہ اکیلا ہے)

یہ آیت توحید کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے، اللہ تعالیٰ کی احدیت کا بیان ہے، اس کی ذات کا ظہور اور صفات کی معرفت ہے، اللہ تعالیٰ کی شان بلند ہونے اور اس کے لامحدود ہونے کا ذکر ہے، اسکے معبود ہونے، بادشاہ ہونے، خالق

ہونے، رحمٰن ہونے، رحیم ہونے،غفار ہونے،قہار ہونے،جبار ہونے،رزاق ہونے، حی و قیوم ہونے، قدوس ہونے،سلام ہونے،عزیز ہونے،متکبر ہونے،باری ہونے،مصور ہونے، وھاب ہونے، فتاح ہونے،علیم ہونے،رافع ہونے،سمیع ہونے،بصیر ہونے،حاکم ہونے،لطیف ہونے،خبیر ہونے،حلیم ہونے،عظیم ہونے،کبیر ہونے،اول ہونے، آخر ہونے،ظاہر ہونے،باطن ہونے اور مالک الملک ذوالجلال والاکرام ہونے کا بیان ہے۔

آیت میں توحید کا ذکر واضح ہے،رسالت کے ذکر کا انکار نہیں۔یعنی یہ کہنا کہ خدا کے ذکر کے ساتھ نبی کا ذکر ملایا جارہا ہے، یہ درست نہیں؟ تو کہا جائے گا کہ یہ کہنا کہ اس آیت میں خدا کے ذکر کے ساتھ رسول کا ذکر نہیں یہ درست نہیں۔سورۃ التوحید میں ذکر محمد ﷺ کرنے کا کیا مقصد؟ کہا جائے گا توحید کے بعد ہوتا ہی ذکر محمد ﷺ ہے۔لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ اسلام کی بنیادوں میں سے سب سے پہلی بنیاد ہے،توحید کے بعد ذکر محمد ﷺ ہے۔اعتراض یہ نہ ہو کہ ذکر خدا کے ساتھ ذکر محمد ﷺ کیوں ہے؟اعتراف یہ ہو کہ ذکر خدا کے ساتھ ذکر محمد ﷺ ہونا چاہیے۔اعتراض یہ ہونا چاہیے کہ توحید میں محمد ﷺ کیوں ہیں؟ جبکہ سورۃ الاخلاص کا مفہوم یہ نہیں کہتا کہ توحید میں نبی کریم ﷺ ہیں بلکہ یہ واضح کررہا ہے کہ توحید کے بعد ذکرِ رسالت ہے۔تو اعتراض یہ نہیں ہونا چاہیے کہ توحید کے بعد رسالت کیوں ہے؟ توحید میں محمد ﷺ ہیں، یہ شرک ہے۔یعنی اگر کہا جائے کہ محمد ﷺ خدا ہیں، یہ شرک ہے۔خدا کے بعد محمد ﷺ ہیں، یہ عین ایمان ہے۔ذکرِ احدیتِ خدا کے ساتھ ذکرِ محمدِ مصطفیٰ ﷺ کا صدور اللہ ورسولہ اعلم سے ماخوذ ہے۔

صحابہ کرام علیھم الرضوان باربار فرماتے تھے کہ اللہ ورسولہ اعلم۔وہ اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ نبی کریم ﷺ کا ذکر شامل کرتے جبکہ صفت کے طور پر ایک ہی لفظ اعلم استعمال کیا جاتا یعنی ایسے نہ فرماتے کہ اللہ اعلم ورسولہ اعلم۔اگر چہ یہ عربی قواعد کے مطابق تھا لیکن یہ صحابہ نے کیا تو ہے۔

اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اللہ ورسول کیلیے ایک ہی الفاظ سے صفت بیان کی جاسکتی ہے۔جیسا کہ جاننا یعنی اعلم اللہ تعالیٰ کے لیے حقیقی معانی میں ہے جبکہ مجازی طور پر (اللہ کے بتانے سے) نبی کریم ﷺ بھی جاننے والے ہیں۔جیسا کہ یہ آیت ہے کہ:انی اعلم غیب السمٰوات والارض یعنی بے شک میں آسمانوں اور زمین کے غیب کا جاننے والا ہوں۔تو ایک جیسے وہ الفاظ جو حقیقی طور پر خدا کیلیے اور مجازی طور پر غیر خدا کیلیے استعمال ہوتے ہوں، سے غیر خدا کیلیے صفت اخذ کرنا بالکل درست ہے۔

اللہ کے ذکر کے ساتھ نبی کریم ﷺ کا ذکر کیسے کیا جائے؟ اور سورۃ اخلاص میں ذکر محمد ﷺ کے اثبات کو کیسے دیکھا جائے یہ آپ اس حدیث سے سمجھ سکتے ہیں۔

حضرت عدی بن حاتم بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ کے سامنے خطبہ دیا اور کہا جس نے اللہ اور اس کے

رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی وہ ہدایت پا گیا اور جس نے ان دونوں کی نافرمانی کی وہ گمراہ ہوا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم برے خطیب ہو، یوں کہو جس نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی وہ گمراہ ہوا۔

(صحیح مسلم۔ جلد۱۔ کتاب الجمعۃ۔ صفحہ۶۱۲)

خطیب نے اپنے پہلے جملے میں اللہ کے بعد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا جو بالکل درست تھا کہ اللہ پہلے اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بعد مذکور رہوا۔ لیکن اس خطیب نے اپنے دوسرے جملے میں اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کیلیے تثنیہ مذکر غائب کی ضمیر ''ھما'' استعمال کی یعنی اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دونوں کہہ کر خطاب کیا اور ضمیر میں ابہام ہوتا ہے یعنی اگر ہم کسی دو کے بارے دونوں کہیں تو سننے والے کو سمجھ نہیں آتا کہ کون دو؟ لیکن اگر اس لفظ دونوں کی بجائے اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم آ گیا تو بات واضح ہوگئی۔ اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ان الفاظ پر اسے برے خطیب کے نام سے پکارا۔

یہی بات سورۃ اخلاص میں مدنظر رکھی جائے کہ توحید اپنی جگہ پر قائم رہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر بھی ہو۔ یعنی اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اسلوب پر ذکر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو واضح کیا جائے نہ کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کو ''ھما'' کے اسلوب سے پیش کیا جائے۔

اب بات واضح ہوگئی کہ سورۃ اخلاص میں ذکر خدا اور ذکر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کن اسالیب پر مبنی ہیں۔ اب یہ شبہ نہ رہے کہ سورۃ اخلاص کہ جو سورۃ توحید بھی کہلاتی ہے، میں ذکر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اثبات پر بحث کا کیا مقصد؟

یہاں یہ اعتراض نہ کرنا چاہیے کہ سورۃ الاخلاص پہلی آیت کے وہ الفاظ جو خدا کیلیے استعمال ہوئے ہیں انہیں بطور صفت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کیلیے کس طرح استعمال کیا جائے گا؟ تو جواب میں کہا جائے گا کہ ہمارا یہ دعویٰ ہی نہیں کہ سورۃ الاخلاص کی پہلی آیت کے وہ الفاظ جو توحید خدا کیلیے استعمال ہوئے ہیں وہ صفت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طور پر پیش کیے جائیں بلکہ ہمارا تو مقدمہ ہی بالکل مختلف ہے۔ یہ کہنا درست نہیں کہ ایک آیت میں جس معنی پر ایک لفظ خدا کیلیے استعمال ہوا ہے وہ ویسے ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیلیے استعمال کیا جائے۔ یہ اور بات ہے کہ وہ الفاظ جو صرف خدا کے لیے استعمال ہوتے ہوں وہ غیر خدا کیلیے استعمال نہیں کیے جا سکتے لیکن ایسے الفاظ کہ جو غیر خدا کیلیے بھی مستعمل ہوں تو انہیں استعمال کیا جا سکتا ہے جبکہ اس سے مجاز مراد ہو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ناموں سے کچھ نام عطا فرمائے لیکن اس میں خالق ومخلوق کا فرق ضرور رہے گا۔ جیسا کہ صحابہ کا اللہ ورسول کیلیے اعلم فرمانا کہ ایسا نہیں کہ جو خدا جانتا ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی جانتے ہیں بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ خدا جانتا ہے اور خدا کے بتانے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی جانتے ہیں۔ اسی طرح اور بھی مثالیں ہیں کہ جن سے ظاہر ہے کہ صحابہ کرام اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر بھی فرماتے تھے جیسا کہ حضرت ابوبکر کا یہ کہنا کہ گھر میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ آیا ہوں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابہ کو فرمانا کہ یوں نہ کہو کہ جو اللہ چاہے اور جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم چاہیں بلکہ یوں کہو کہ جو

اللہ چاہے اور پھر جو محمد ﷺ چاہیں (سنن دارمی جلد ۲۔صفحہ ۳۰۴)۔یعنی صحابہ کرام اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ نبی کریم ﷺ کا ذکر کرتے۔

یہاں یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ صحابہ کرام تو واضح طور پر اللہ کے ذکر کے ساتھ نبی کریم ﷺ کا ذکر کرتے تھے لیکن سورۃ الاخلاص کا معاملہ اس سے الگ ہے؟ تو کہا جائے گا کہ یہ ہمارا موضوع ہی نہیں ہے کہ سورۃ الاخلاص کی پہلی آیت میں نبی کریم ﷺ کے نام کے ساتھ ذکر آیا ہے بلکہ سوال یہ ہے کہ یہ ماننا کہ اللہ کے ذکر کے ساتھ نبی کریم ﷺ کا ذکر کیوں آیا؟ یہ درست نہیں چاہے وہ واضح طور پر ہو یا دوسری آیات یا سنت اس کو واضح کرتی ہو۔سورۃ الاخلاص کی پہلی آیت میں صفت خدا ہے، بالکل درست ہے یہ تو واضح ہے۔لیکن خدا کی صفت کے ساتھ صفت مصطفیٰ ﷺ ہے یہ بھی درست ہے اگرچہ یہ واضح طور پر نہیں لیکن اس کا انکار کسی طور پر بھی درست نہیں۔ کیونکہ خدا کے ذکر کے ساتھ نبی کریم ﷺ کا ذکر ورفعنا لک ذکرک سے ماخوذ ہے۔جیسا کہ امام شافعی کی کتاب الرسالۃ میں ہے:

سفیان بن عینیہ، ابن نجیح اور مجاہد کے حوالے سے مجھ تک یہ روایت پہنچی ہے۔مجاہد قرآن کی آیت ورفعنا لک ذکرک (ہم نے آپ کیلیے آپ کا ذکر بلند کر دیا) کی تشریح بیان کر رہے تھے، کہنے لگے اللہ تعالیٰ یہ فرما رہے ہیں کہ جہاں بھی میرا ذکر ہو گا وہاں (اے محمد ﷺ) تمھارا بھی ذکر ہو گا جیسے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔

(کتاب الرسالۃ صفحہ ۲۴)

اب اگر یہ سمجھ لیا جائے کہ سورۃ الاخلاص میں نبی کریم ﷺ کا ذکر نہیں تو مندرجہ بالا آیت سے کیا مراد ہے اور اس کی تشریح میں جلیل القدر تابعی جو حضرت ابن عباس کے شاگرد ہیں، کے قول کا کیا مطلب ہے؟

سورۃ الاخلاص کی پہلی آیت میں ذکر مصطفیٰ ﷺ کی تفصیل اس کے بعد پیش کی جائے گی۔مذکورہ بحث سورۃ الاخلاص کی پہلی آیت میں نبی کریم ﷺ کے ذکر کے اثبات پر ہے۔یعنی اس بات کو سمجھانے کی کوشش کی جا رہی ہے کہ ذکرِ خدا کے ساتھ نبی کریم ﷺ کا ذکر کس طور سے اور کن اسالیب سے پیش کیا جاتا ہے؟

اب اسکی ایک مثال آپ کے سامنے سمجھنے کیلیے پیش کی جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَ اِذَا ذَکَرۡتَ رَبَّکَ فِی الۡقُرۡاٰنِ وَحۡدَہٗ ۔۔۔﴿۴۶﴾ (بنی اسرائیل)

''اور جب آپ قرآن میں اپنے رب کی وحدانیت کو یاد کرتے ہو''۔

خدا کی وحدانیت کیا ہے؟

قُلۡ ہُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ (اے محبوب ﷺ آپ فرما دیں! وہ اللہ اکیلا ہے)

یہ خدا کی وحدانیت ہے۔اور اللہ تعالیٰ نبی کریم ﷺ کو اپنی وحدانیت کو بیان کرنے والے فرما رہے ہیں۔تو اتنا تو ثابت ہوا کہ سورۃ الاخلاص کی پہلی آیت میں جو وحدانیت خدا بیان ہوئی ہے اس کو خدا کے حکم سے بیان کرنے والے نبی کریم ﷺ ہیں۔**تو سورۃ الاخلاص کی پہلی آیت میں ذکر محمد مصطفیٰ ﷺ ہوا کہ نہیں؟** کہ خدا کی وحدانیت کو قرآن ہی میں بیان فرما رہے ہیں اگر کہا جائے کہ وہ تو وحی ہے اور وحی کا پہنچانا تو نبی کریم ﷺ پر فرض ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اسی لیے تو خدا نے فرمایا کہ اے محبوب ﷺ آپ فرما دیں کہ خدا احد ہے۔ھو اللہ احد بھی پہنچا دیا جاتا لیکن لفظ قل اس پر دلیل ہے کہ خدا کی وحدانیت کو بیان کرنے والے نبی کریم ﷺ ہیں۔یعنی ورفعنا لک ذکرک کا مفہوم واضح ہوا کہ خدا کے ذکر کے ساتھ نبی کریم ﷺ کا ذکر ہے۔

اسی بات کو ایک اور زاویے سے سمجھنے کی کوشش کریں:

سورۃ الاخلاص میں لفظ قل فعل امر حاضر کا صیغہ ہے جبکہ اس کے بعد آنے والا لفظ ھو اسم ضمیر ہے جو کہ غائب کیلیے ہے، کسی کے بھی کلام میں حاضر و غائب کے دو متصل الفاظ ایک ہی ذات کے بارے نہیں کہے جا سکتے، جیسے لفظ قل نبی کریم ﷺ کو خطاب ہے اور لفظ ھو خدا کے بارے اسم ضمیر ہے، یعنی ''ھما'' کے اسلوب کا تصور ہی ان دو الفاظ سے رفع ہو جاتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کا ذکر خدا کے ذکر سے الگ ہے جیسے لفظ قل اور ھو میں فرق ہے یعنی اللہ اور اس کا رسول ﷺ، نہ کہ وہ دونوں۔

یہ دو مثالیں تھیں جو سورۃ الاخلاص کی پہلی آیت میں نبی کریم ﷺ کے ذکر کے اثبات کے طور پر پیش کی گئیں تاکہ آئندہ بحث سمجھنے میں آسانی ہو اور مخاطب اس شبہ سے نکل آئے کہ کیا سورۃ الاخلاص کی پہلی آیت میں بھی نبی کریم ﷺ کا ذکر ہو سکتا ہے؟۔

باقی یہ ہے کہ کسی بھی آیت سے ماخوذ کسی استدلال میں اگر آپ کو کوئی ظاہری مطابقت نظر نہیں آتی تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ استدلال غلط ہے، بلکہ آپ کی تحقیق نامکمل ہے ہاں اگر وہ استدلال صریح طور پر کسی آیت یا سنّت کے خلاف ہو تو ایسا استدلال یقینی طور پر باطل ہے۔اگر آیت اور سنّت سے اس کا خلاف ثابت نہ ہو تو استدلال کا جواز باقی رہے گا جب تک کہ اس کا رد واقع نہ ہو۔

اس بات کو سمجھنے کیلیے اس حدیث پر غور کریں اگرچہ یہ غریب حدیث ہے لیکن زیر بحث بات کو سمجھنے کیلیے کافی ہے۔اور یہ یاد رکھیں کہ قرآن کی وہ تفسیر جو نبی کریم ﷺ نے بیان فرمائی اسے کسی طور سے بھی استدلال نہیں کہا جا سکتا اور نہ وہ قرآن کے خلاف ہو سکتی ہے بلکہ وہ قرآن کا بیان کہلائے گی۔سمجھنے کی بات یہ ہے کہ اگر ظاہری طور پر قرآن اور تفسیر میں مطابقت نظر نہ آئے تو اس کا رد ہرگز جائز نہیں۔

جامع ترمذی کتاب التفسیر میں سورۃ طور کی تفسیر میں ہے

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ادبار النجوم'' سے مراد فجر سے پہلے کی دو رکعتیں ہیں اور ''ادبار السجود'' سے مراد مغرب کے بعد کی دو رکعتیں ہیں۔

(جامع ترمذی۔ جلد۲۔ ابواب تفسیر القرآن۔ صفحہ ۵۱۷)

یہ تو قرآن کا وہ بیان ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمے تھا لیکن عام انسان کی عقل بھی سورۃ طور کے ان الفاظ سے وہ مراد نہیں لے سکتی جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لیا۔ ایسے ہی اہل علم قرآن سے جو استدلال کریں وہ عوام کی سمجھ میں نہ آنا اس کے رد کا سبب ہرگز نہیں بن سکتا۔ مقصد کلام یہ ہے کہ قرآن کے مشکل مقامات کو سمجھنے کیلیے ان حقائق سے واقف ہونا لازم ہے۔

تو اب آپ کو سمجھنا چاہیئے کہ سورۃ الاخلاص میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کو کن اسالیب سے پیش کیا جا رہا ہے تا کہ جان لیں کہ ذکر توحید اپنے مقام پر ہے اور ذکر محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے الگ ہے۔

المحمد صلی اللہ علیہ وسلم والاخلاص

پہلی فصل

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ (اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ فرما دیں! وہ اللہ اکیلا ہے)

اس سورت میں کل تیرہ حروف ہیں جو کہ یہ ہیں:

قُ لُ ہ ُو ا ح َدٌ ﴿۱﴾ ص َ م ﴿۲﴾ ی ﴿۳﴾ ک ُ ن ُ ف ُ ﴿۴﴾

یا یہ اشارہ ہے قیام مکہ کے ۱۳ سالوں کا۔ کیونکہ اس سورت میں توحید کا پرچار کیا گیا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مکی دور توحید کو لوگوں کے دلوں میں راسخ کرنے کا دور تھا۔ اس سورت کا مفہوم مکی دور کا ترجمان اور اس کے الفاظ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ۱۳ سالہ مکی دور کی خبر ہیں۔

قرآن میں لفظ قل کی تعداد

قرآن مجید میں تین سو اٹھائیس (۳۲۸) مرتبہ لفظ قل کا استعمال ہوا ہے۔

پاروں کے لحاظ سے لفظ قل کی تعداد

پارہ	تعداد	پارہ	تعداد	پارہ	تعداد
پہلا پارہ	10	دوسرا پارہ	8	تیسرا پارہ	12
چوتھا پارہ	10	پانچواں پارہ	4	چھٹا پارہ	9
ساتواں پارہ	32	آٹھواں پارہ	18	نواں پارہ	8
دسواں پارہ	10	گیارھواں پارہ	27	بارھواں پارہ	2

تیرہواں پارہ	13	چودھواں پارہ	2	پندرواں پارہ	24
سولہواں پارہ	8	سترہواں پارہ	8	اٹھارواں پارہ	17
انیسواں پارہ	4	بیسواں پارہ	11	اکیسواں پارہ	10
بائیسواں پارہ	19	تیئیسواں پارہ	11	چوبیسواں پارہ	12
پچیسواں پارہ	7	چھبیسواں پارہ	10	ستائیسواں پارہ	2
اٹھائیسواں پارہ	4	انتیسواں پارہ	11	تیسواں پارہ	5

سورتوں کے لحاظ سے لفظ قل کی تعداد

1	0	**2**	18	**3**	22	**4**	5	**5**	9
6	44	**7**	11	**8**	3	**9**	12	**10**	24
11	2	**12**	1	**13**	10	**14**	2	**15**	1
16	1	**17**	20	**18**	8	**19**	1	**20**	3
21	5	**22**	3	**23**	11	**24**	4	**25**	4
26	1	**27**	7	**28**	4	**29**	4	**30**	1
31	**1**	**32**	**2**	**33**	**5**	**34**	**15**	**35**	**1**
36	**1**	**37**	**1**	**38**	**3**	**39**	**14**	**40**	**1**
41	**5**	**42**	**2**	**43**	**2**	**44**	**0**	**45**	**2**
46	**4**	**47**	**0**	**48**	**3**	**49**	**3**	**50**	**0**
51	**0**	**52**	**1**	**53**	**0**	**54**	**0**	**55**	**0**
56	**1**	**57**	**0**	**58**	**0**	**59**	**0**	**60**	**0**
61	**0**	**62**	**3**	**63**	**0**	**64**	**1**	**65**	**0**
66	**0**	**67**	**6**	**68**	**0**	**69**	**0**	**70**	**0**
71	**0**	**72**	**5**	**73**	**0**	**74**	**0**	**75**	**0**
76	**0**	**77**	**0**	**78**	**0**	**79**	**1**	**80**	**0**
81	**0**	**82**	**0**	**83**	**0**	**84**	**0**	**85**	**0**

86	0	87	0	88	0	89	0	90	0
91	0	92	0	93	0	94	0	95	0
96	0	97	0	98	0	99	0	100	0
101	0	102	0	103	0	104	0	105	0
106	0	107	0	108	0	109	1	110	0
111	0	112	1	113	1	114	1		

لفظ قل والی آیات کی تعداد

وہ آیات جن میں لفظ قل موجود ہے کی تعداد 283 ہے جن میں لفظ قل کی تعداد 328 ہے۔

ان آیات کی تعداد جن میں لفظ قل موجود نہیں

6236 آیات کی رو سے 5953 ایسی آیات ہیں جن میں لفظ قل موجود نہیں۔

لفظ قل سے دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام کو خطاب

پورے قرآن میں صرف دو انبیاء کو ایک ایک بار لفظ قل سے مخاطب کیا گیا۔ایک حضرت نوح علیہ السلام اور دوسرے حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں۔لیکن یہ بطور جواب نہیں تھا یعنی ایسا نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی بھی نبی سے پوچھے جانے والے سوال کا جواب مرحمت فرمایا ہو جیسا کہ سورۃ الاخلاص کا شان نزول ہے۔

لفظ قل سے غیر انبیاء کو خطاب

مذکورہ بالا اسالیب ومفاہیم اور صیغہ کی رو سے کسی غیر نبی کو لفظِ قُل سے حکم نہیں فرمایا گیا۔

لفظ قل سے شروع ہونے والے پارے

قرآن مجید کا کوئی پارہ لفظ قل سے شروع نہیں ہوتا۔

لفظ قل سے شروع ہونے والی سورتیں

۱۔ سورۃ الجن ۲۔ سورۃ الکٰفرون ۳۔ سورۃ الاخلاص

۴۔ سورۃ الفلق ۵۔ سورۃ الناس

قرآن مجید کی صرف یہی پانچ سورتیں ہیں جن کے شروع میں لفظ قل آیا ہے اور یہی پانچ سورتیں ہیں جن کی ہر آیت لفظ قل کے حکم کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔یعنی ان پانچ سورتوں کے علاوہ جن سورتوں میں بھی لفظ قل آیا ہے وہ ایک تو سورتوں کے درمیان میں آیا ہے اور دوسرا لفظ قل ان سورتوں کی چند آیات کے احکام بیان کر رہا ہے نہ کہ پوری سورت کے۔لیکن یہ پانچ

سورتیں اپنی ہر ہر آیت کو لفظ قل سے کھول رہی ہیں۔

عام طور پر سننے کو ملتا ہے کہ لوگ کہتے ہیں چاروں قل۔یعنی ان سورتوں کے فضائل بتانے کیلیے مشہور طور پر چاروں قل کہا جاتا ہے لیکن اس میں سورۃ الجن کو شامل نہیں کیا جاتا۔سورۃ الجن بھی تو لفظ قل سے شروع ہو رہی ہے۔لیکن کیونکہ لوگوں کا رجحان ان سورتوں کی طرف اس وجہ سے ہے کہ اکثر ان سورتوں کے فضائل بتائے جاتے ہیں اور یہ چاروں سورتیں بھی مختصر ہیں اور تھوڑی دیر میں پڑھی جاسکتی ہیں اور سورۃ الجن ان چاروں سورتوں سے بڑی سورۃ ہے اور ان چاروں سورتوں کی بنسبت سورۃ الجن کے فضائل بہت کم بتائے جاتے ہیں تو لوگوں کی توجہ خاص اس سورۃ کو کم ملتی ہے۔

ان پانچ سورتوں کے علاوہ صرف ایک سورۃ ہے جس کی پہلی آیت میں لفظِ قُل لایا گیا، وہ سورۃ الانفال ہے۔

قرآن کی مندرجہ بالا پانچ سورتیں لفظ قل سے شروع ہوتی ہیں لیکن ان میں ایک حکمت ہے کہ یہی پانچ سورتیں لفظ قل سے کیوں شروع ہوئیں؟۔

مکی بن ابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: سورتوں میں آیات کی ترتیب اور سورتوں سے پہلے بسم اللہ لکھنا نبی کریم ﷺ کی طرف سے تھا۔

(تفسیر قرطبی۔جلد ۱۔صفحہ ۸۳)

جبرائیل علیہ السلام نبی کریم ﷺ کو آیات کی جگہ بارے آگاہ کرتے تھے۔

(تفسیر قرطبی۔جلد ۱۔صفحہ ۸۳)

یعنی موجودہ آیات کی ترتیب خدا کی طرف سے ہے۔تو انہیں پانچ سورتوں کا لفظ قل سے شروع ہونے والی آیات سے شروع ہونا بھی خدا کی طرف سے ہے۔

۱ ۔ جن کے نام سے منسوب سورۃ لفظ قل سے شروع ہوئی۔ سورۃ الجن

۲ ۔ کافروں کے نام سے منسوب سورۃ لفظ قل سے شروع ہوئی۔ سورۃ الکٰفرون

۳ ۔ الاخلاص یعنی خالص کرنے یعنی توحید کا بیان، کے نام سے شروع ہونے والی سورۃ لفظ قل سے شروع ہوئی۔سورۃ الاخلاص

۴ ۔ انسانوں کے نام سے منسوب سورۃ لفظ قل سے شروع ہوئی۔ سورۃ الناس

5 ۔ لفظ الفلق کے نام سے سورۃ لفظ قل سے شروع ہوئی اور الفلق کا ایک معنی ہے ''کل مخلوق''۔

(مصباح اللغات۔صفحہ ۶۱۷)

(تفسیر قرطبی۔جلد ۱۰۔صفحہ ۵۵۷)

تمام خلق بھی فلق ہے۔

(تفسیر روح البیان۔سورۃ الفلق)

وہ سورتیں جن میں لفظ قل موجود نہیں:

قرآن مجید کی ۱۱۴ سورتوں میں سے ستاون ۵۷ سورتوں میں لفظ قل آیا ہے اور ستاون ۵۷ میں نہیں آیا۔ سورتیں اوپر ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

لفظ قل سے شروع ہونے والی آیات کی تعداد:

قرآن مجید میں لفظِ قُل سے شروع ہونے والی آیات کی تعداد ۱۷۲ ہے۔

دوسری فصل

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ دین اسلام کے تنہا اور اکیلے ماخذ ہیں، قرآن نبی کریم ﷺ سے ملا، سنت نبی کریم ﷺ سے ملی اور یہی دو چیزیں اسلام ہیں جو قرآن اور سنت سے ہٹ کر اسلام میں داخل ہونا چاہے گا وہ اتنا ہی اسلام سے دور ہوگا۔ نبی کریم ﷺ کا تنہا ماخذ اسلام ہونا قرآن سے ثابت ہے اور اس پر لفظ قل دلیل ہے۔ اسکی وضاحت کو قرآن کی روشنی میں بیان کیا جاتا ہے اور اس وضاحت کو سمجھنے کے لیے اپنا ذہن نبی کریم ﷺ کے تنہا ماخذ اسلام ہونے کے متعلق تمام تر شکوک وشبہات سے خالی کرلیں تا کہ اس کی وضاحت کو سمجھ سکیں۔

لفظ قل بارے مسائل بتانے سے قبل یہ واضح کرنا بہت ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قل فرمانا نبی کریم ﷺ کے علم کی نفی نہیں کرتا یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے میرے محبوب ﷺ آپ فرمادیں کہ وہ اللہ اکیلا ہے۔ تو یہاں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس سے قبل نبی کریم ﷺ کو معلوم نہیں تھا کہ اللہ اکیلا ہے اور اللہ بے نیاز ہے۔ اس کی وضاحت نبی کریم ﷺ خود فرماتے ہیں: اَنَا اَعْلَمَکُمْ بِاللهِ (بخاری جلد ۱۔۱۱۳) میں تم سب سے زیادہ خدا کو جاننے والا ہوں:۔ تو اس میں رضاء خداوندی یہ تھی کہ اس موقع پر جب کہ اللہ اور رسول پر طعن کیا گیا، اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کی وضاحت ان الفاظ میں کی جائے۔ جس کے آغاز میں لفظ قل کا استعمال کیا گیا۔ یہ جاننا بہت ضروری ہے کہ لفظ قل کن حکمتوں پر دلالت کرتا ہے۔ اور اسکے لیے سب سے پہلے اس بات کو واضح کرنے کی ضرورت ہے کہ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ سے سورۃ الاخلاص کے سبب نزول کے پیش نظر قل فرما کر وضاحت فرمائی ہے تو اللہ تعالیٰ کا نبی کریم ﷺ کے واسطے سے کفار کو جواب دینے میں کیا حکمت تھی؟۔ اس میں کسی کو ابہام نہیں ہونا چاہیے کہ لفظ قل نبی کریم ﷺ کے واسطے اور ذریعے کو ظاہر کررہا ہے اور اس کے لیے مختلف دلائل پیش کیے جاتے ہیں۔ لیکن اس سے پہلے اجمالی طور پر ایک مسئلہ واضح ہوجائے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبیوں اور رسولوں علیھم السلام کے ساتھ خطاب میں انکی تعظیم وتکریم کرتا ہے اور اسی لیئے ہر اس شخص کو جو اللہ اور رسول بارے مسائل پر

بحث کرے تو اس کو بہت محتاط رہنا چاہیے ورنہ رسول اللہ ﷺ کی تعظیم میں کمی کے بدلے اس شخص کو اپنا ایمان برباد کرنا پڑے گا۔جیسا کہ سورۃ الحجرات میں ہے:

يَأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ﴿۲﴾ (الحجرات)

ترجمہ: اے ایمان والو! نہ بلند کیا کرو اپنی آوازوں کو نبی کریم ﷺ کی آواز سے اور نہ زور سے آپ ﷺ کے ساتھ بات کیا کرو جس طرح زور سے تم ایک دوسرے کے ساتھ بات کرتے ہو اس بے ادبی سے کہیں ضائع نہ ہو جائیں تمھارے اعمال اور تمھیں خبر تک نہ ہو۔۔

امام جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں: قرآن میں کہیں رسول اللہ ﷺ کو یا محمد ﷺ کہہ کر مخاطب نہیں کیا گیا۔ بلکہ ان کی تعظیم اور تشریف کیلیے آپ ﷺ کو یایھا النبی اور یا یھا الرسول سے مخاطب فرمایا گیا۔جس سے یہ مراد ہے کہ انبیاء کے مقابلے میں آپ ﷺ کو خصوصیت دی جائے اور مومنین کو یہ تعلیم ہو کہ وہ آپ ﷺ کو نام لیکر نہ پکاریں جیسا کہ ایک دوسرے کو پکارتے ہیں۔

(الاتقان فی علوم القرآن)

اللہ تعالیٰ اپنے کلام میں بھی نبی کریم ﷺ کی انفرادی خصوصیات کو بیان فرماتے ہیں اور سورۃ اخلاص میں اپنی تعریف سے پہلے اپنے نبی کریم ﷺ کا ذکر لفظ قل سے خطاب کی صورت کرنے میں کیا حکمتیں پنہاں ہونگی۔اللہ تعالیٰ کا نبی کریم ﷺ کو پکارنا اور حکم فرمانا بھی نبی کریم ﷺ کی شان اولیٰ کو ظاہر کرتا ہے۔اور انہیں خطاب میں سے ایک خطاب سورۃ اخلاص میں ہے جس کی ابتداء لفظ قل سے فرمائی گئی۔

مشرکین کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے اس سورت کو نازل کیا اور فرمایا: قل: یا رسول ﷺ آپ ان مشرکین سے خود فرمادیں۔ یہاں بہت سی باتیں قابل غور ہیں جنکا احاطہ ناممکن ہے۔قرآنی تحقیق کی روشنی میں لفظ قل کی وضاحت کرنا بھی لازمی ہے تاکہ کوئی بھی ایسا پہلو نہ رہے جسکی کمی محسوس کی جائے۔

تیسری فصل

سورۃ التوحید (سورۃ الاخلاص) میں ذکر مصطفیٰ ﷺ کا اثبات کیونکر ہوگا جبکہ سورت کا متن اور مفہوم خالص توحید پر مبنی ہے؟۔

اس سوال سے آپ مستشرقین کی مدد کر رہے ہیں تاکہ وہ کہہ سکیں کہ ورفعنا لک ذکرک کا مفہوم جو کہ آپ کے اسلاف نے بیان کیا ہے وہ کہاں ہے؟ کہ پوری سورۃ الاخلاص میں صرف خدا کا ذکر ہے اور نبی کریم ﷺ کا ذکر نہیں؟ تو اس پر بھی قائلین کو ہی آپ کے عتاب کا شکار ہونا پڑے گا۔ضروری ہے کہ پہلے حقائق کو جان لیں پھر اس پر دلائل کی صورت میں تنقید کرنا

آپ کا حق ہے۔

اس میں شک کی گنجائش ہی نہیں کہ سورۃ الاخلاص توحید کے خزانوں میں سے خزانہ ہے۔اس سورت کا پورا مفہوم خدا کی وحدانیت کو بیان کرر ہا ہے۔اس سورت میں توحید ہے بالکل درست ہے لیکن اس سورت میں توحید کے علاوہ کچھ نہیں درست نہیں ہے۔بے شک اس کا ظاہری مفہوم توحید کا بیان ہے لیکن مختلف انواع علوم کی رو سے یہ سورت علم کا منبع و مخزن ہے۔چونکہ موضوع کلام ذکرالنبی الحبیب ﷺ فی سورۃ التوحید ہے تو اس کے اثبات میں کہ سورۃ الاخلاص میں ذکر نبی ﷺ بھی ہے اس پر قرآن وحدیث سے بحث کی جاتی ہے:

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں تو فرشتوں نے کہا کہ اے اللہ تو ایسے کو خلیفہ کرے گا جو زمین میں فساد کرے گا اور خونریزی کرے گا، ہم تیری تعریف کے ساتھ تیری پاکی بولتے ہیں تو اللہ پاک نے فرمایا میں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو تمام چیزوں کے اسماء کے نام سکھائے اور حضرت آدم علیہ السلام سے فرمایا کہ ان ناموں کو فرشتوں پر پیش کرو پھر جب حضرت آدم علیہ السلام نے فرشتوں پر وہ نام پیش کیے تو وہ حضرت آدم کے سامنے عاجز ہو گئے تو اللہ پاک نے فرمایا کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں زمین و آسمان کا غیب جانتا ہوں۔ بیان کردہ مفہوم قرآن سے ایک بات توجہ طلب ہے کہ اسماء کے ناموں کی خبر تو حضرت آدم علیہ السلام نے دی لیکن اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا کہ زمین و آسمان کا غیب میں جانتا ہوں۔اگر کہا جائے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی صفت اصل میں خدا کی صفت ہے اور چونکہ حضرت آدم علیہ السلام نے غیب کی خبر دی جس کا حکم اللہ نے انہیں دیا تو گویا حقیقی علم تو اللہ کے پاس ہے کہ جن کی عطا سے خبر دی گئی تو یقیناً یہ خدا کی صفت ہے۔

تو یہی بات سورۃ الاخلاص کے ضمن میں کہی جائے گی۔کہ حضرت آدم علیہ السلام کے اسماء بتانے سے حضرت آدم علیہ السلام کی نبوت کا اظہار ہو رہا ہے کہ لفظ نبی کا معنی غیب کی خبر دینے والے کے ہیں جبکہ خدا حضرت آدم علیہ السلام کے غیب کی خبر دینے کو اپنا عالم الغیب ہونا بیان کرر ہا ہے تو نبی کریم ﷺ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حضرت آدم نے تمام اسماء کے نام بتائے آپ ﷺ میری ذات اور تمام صفات کے نام بتا دیں (تمام صفات کی وضاحت آگے بیان کی جائے گی) تو اگر حضرت آدم علیہ السلام کے غیب کی خبر دینے سے نبوت (نبی بمعنی غیب کی خبر دینے والا) کا ذکر آ گیا۔بالفاظ دیگر کہ اللہ تعالیٰ کے عالم الغیب ہونے کے بیان میں حضرت آدم کا ذکر آیا۔

سورۃ الاخلاص میں اللہ تعالیٰ نے صرف غیب نہیں غیب الغیب کی ذات اور اس کی تمام صفات کا ذکر کرایا تو کیا اس میں ذکر محمد ﷺ نہیں آئے گا؟

حضرت آدم علیہ السلام نے غیب کی خبر دی تو اللہ کا عالم الغیب ہونا ظاہر ہوا۔

نبی کریم ﷺ نے اللہ کی خبر دی اور اللہ کی ہر صفت کی خبر دی تو تصور کریں کہ اس میں ذکر محمد ﷺ واوصاف رسول مکرم ﷺ کا بیان کیسا ہوگا؟ (ہر صفت کا ذکر ہونے کا مطلب صفت احد ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ہر صفت میں احد ہے تو گویا ہر صفت کا بیان ہوا، اس کی تفصیل آگے ہے)۔ تو اب یہ ثابت ہوتا ہے کہ گویا اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ سے سورۃ الاخلاص میں اپنی ذات اور تمام لامحدود صفات کی خبر دی تو سوال یہ پیدا ہوگا کہ حضرت آدم نے تو غیب کی خبر دے کر اللہ تعالیٰ کے عالم الغیب ہونے کو ظاہر فرمایا تو اگر نبی کریم ﷺ نے اللہ کی ذات اور تمام صفات کی خبر دی تو ان صفات محمد مصطفیٰ ﷺ کا کیا مقام ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات ہمارے سامنے ظاہر ہوئیں؟ تو اب کہا جائے گا کہ اللہ کی صفت عالم الغیب توحید ہے اور عالم الغیب کے ساتھ ذکر آدم ہے اسی طرح سورۃ الاخلاص میں ذکر توحید ہے اور صرف اللہ تعالیٰ کا عالم الغیب ہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور تمام صفات کے اظہار کے ساتھ اوصاف محمدی ﷺ کا بیان ہے۔

نبی کا معنی غیب کی خبر دینے والا، یہ اسی مندرجہ بالا آیت سے بھی واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو انۢبِئْهُم فرما کر غیب کی خبر دینے کا کہا اور حضرت آدم نے تمام چیزوں کے نام بتا دیئے لیکن میرے نبی کریم ﷺ کے معاملے میں طرز خداوندی اور ہے۔ جب حضرت آدم کی نبوت کو مخلوق پر واضح کیا تو تمام چیزوں کے نام بتلوا کر واضح کیا اور جب محمد مصطفیٰ ﷺ کی نبوت کو واضح کرنا چاہا تو فرمایا اے محمد ﷺ میری مخلوق کو میری ذات کی خبر دو اور میری صفات کی خبر دو۔ تو مقام مصطفیٰ ﷺ دیکھو کہ خدا کا مخلوق پر ظہور نبوت مصطفیٰ ﷺ کی دلیل ہے اور مصطفیٰ ﷺ کا کلام مخلوق پر خدا کی معرفت کا وسیلہ۔ تو نبوت میں مقام کا تعین اسلوب قرآن سے واضح ہو رہا ہے جو سب سے بڑی ذات کی خبر دے وہی مقام نبوت میں اعلیٰ وارفع۔

اظہار نبوت آدم ہوا تو تمام چیزوں کے اسماء کی خبر دینے سے اور نبوت محمد مصطفیٰ ﷺ کا اظہار قل ھو اللہ احد سے ہو رہا ہے کیوں؟ کیونکہ آدم کے بعد خدا کے بارے بتلانے والے ضرور آنے تھے لیکن محمد مصطفیٰ ﷺ کے بعد خدا کی ذات کا پتہ کہیں سے نہ ملے گا اگر خدا کو جاننا ہے تو محمد مصطفیٰ ﷺ کے دامن میں آ جاؤ تم خدا کو پا لو گے۔

اب اسی بات کو تھوڑا وضاحت سے بیان کیا جاتا ہے

جب اللہ تعالیٰ نے نبوت کو فرشتوں سے برتر ہونے کو ظاہر فرمایا تو فرشتوں سے کلام فرمایا:

وَاِذْقَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً (حوالہ جات پہلے دیئے جا چکے ہیں تو دہرانے کی ضرورت نہیں)

اور (اے محبوب ﷺ یاد کرو) جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا بے شک میں زمین میں اپنا خلیفہ بنانے والا ہوں۔

تو فرشتوں نے کہا: **اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ**۔۔۔

کیا تو ایسے کو اس (زمین) میں (نائب) بنائے گا جو اس میں فساد کرے گا اور خون بہائے گا۔۔۔

اب یہاں عام طور پر کہا جاتا ہے انسان نہ ہی فسادی ہے اور نہ ہی خون بہانے والا۔۔۔۔فرشتے چاہتے تھے کہ اللہ ہمیں خلیفہ بنائے اس لیے یہ الفاظ کہے۔۔حالانکہ ایسا نہیں تھا۔

پھر فرشتوں نے کہا:

وَ نَحۡنُ نُسَبِّحُ بِحَمۡدِكَ وَ نُقَدِّسُ لَكَ

اور ہم تیری حمد کے ساتھ تیری تسبیح کرتے ہیں اور تیری پاکی بولتے ہیں

یہ فرشتوں کے پہلے قول سے مختلف ہے۔ پہلے فرشتوں نے وہ بات کہی جو انہوں نے خدا سے سیکھی تھی اور اس کا تعلق انسان کی عادات کے ساتھ تھا لیکن یہاں فرشتوں کی بات خدا کی صفات کو بیان کرنے کی ہے یعنی اے اللہ ہم تیری ذات اور صفات کو پہچانتے ہیں اور تیری حمد کرتے ہوئے تیری بار بار تعریف دہراتے ہیں (اگر اپنی تعریف کرنے کیلیے ہی اپنے خلیفہ کو پیدا کر رہا ہے تو یہ کام تو ہم کر رہے ہیں)

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنِّیۡ اَعۡلَمُ مَالَا تَعۡلَمُوۡنَ

بے شک میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے

فرشتے جانتے تھے کہ انسان فسادی ہے اور خون ریز ہے اور وہ جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنی اتنی معرفت عطا فرمادی ہے کہ ہم اسی معرفت سے اللہ تعالیٰ کی تسبیح اس کی حمد کے ساتھ کرتے ہیں۔

تو سوال یہ ہے کہ فرشتے کیا نہیں جانتے تھے؟

کیا فرشتوں کا یہ کہنا درست نہیں تھا کہ انسان فسادی اور خون ریز ہے؟ یا جو حمد کے ساتھ ان کا تسبیح کرنا ہے اس کے متعلق وہ نہیں جانتے تھے جو خدا جانتا تھا؟

پہلی بات کے متعلق تو یہ ہے کہ انسان کے فسادی ہونے اور خون ریز ہونے کی تصدیق تو اللہ تعالیٰ نے اس سے بعد میں آنے والی سورۃ البقرۃ کی ۳۶ والی آیت سے کردی کہ:

قُلۡنَا اهۡبِطُوۡا بَعۡضُكُمۡ لِبَعۡضٍ عَدُوٌّ

''ہم نے کہا نیچے اترو تم میں سے ایک دوسرے کا دشمن''۔

دشمنی ہی فساد اور خون ریز کا ماخذ ہے تو گویا اللہ نے واضح کردیا کہ فرشتے درست کہتے تھے، تفسیر ابن کثیر میں بھی اسی کی تائید میں ہے کہ:

اِنِّیۡ اَعۡلَمُ مَالَا تَعۡلَمُوۡنَ کی تفسیر میں ہے کہ اس کے فسادی ہونے کے باوجود جس مصلحت کے تحت میں انہیں پیدا فرما

رہا ہوں اسے صرف میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔

(تفسیر ابن کثیر۔جلد ا۔صفحہ ۱۲۹)

تو اس کے بعد یہی ہے کہ فرشتوں کا کہنا کہ ہم تیری حمد کے ساتھ تیری تسبیح کرتے ہیں، کے متعلق اللہ نے فرمایا کہ میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔یعنی تم میری وہ حمد نہیں کر سکتے جو ایک انسان کر سکتا ہے جبھی تو فرشتوں کے علم کے ذریعے حضرت آدم علیہ السلام کے خبر دینے سے عاجز کیا گیا۔اور حضرت آدم علیہ السلام بھی یہ بات جانتے تھے پھر حضرت آدم نے بھی اپنی شان کے مطابق اللہ کی حمد کے ساتھ اللہ کی تسبیح کی جس پر تفسیر ابن کثیر کی یہ روایت شاہد ہے۔کہ جب حضرت آدم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو اس دعا میں بار بار یہی فرمایا کہ انت سبحانك و بحمدك،انت سبحانك و بحمدك،انت سبحانك وبحمدك۔

(تفسیر ابن کثیر۔جلد ا۔صفحہ ۱۴۶)

یہ روایت ظاہر کرتی ہے کہ فرشتوں کو جو علم نہیں تھا وہ یہی خدا کی معرفت کا علم تھا کیونکہ خدا کی معرفت سے ہی اس کی حمد کے ساتھ اسکی تسبیح ہو سکتی ہے۔

اس سے آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَ عَلَّمَ ادَمَ الْاَسْمَاءَ كُلَّهَا

اور سیکھ لیے آدم نے سب (اشیاء) کے نام

ان کلمات سے اللہ تعالیٰ نے ہم پر واضح کیا کہ میں نے آدم کو نبوت عطا کر دی کیونکہ غیب کی خبر صرف نبی کو ہی دی جاتی ہے اور یہ بات لفظ نبی سے واضح ہے یعنی غیب کی خبر دینے والا۔تو اب عام انسان کا معاملہ نہ رہا بلکہ فرشتوں پر نبی کو ظاہر کیا جا رہا ہے۔فرشتوں نے انسان کے فسادی ہونے کا ذکر تب کیا تھا جب آدم کو نبوت عطا نہیں فرمائی گئی تھی لیکن جب نبوت کا علم ہوا تو فرشتوں نے اپنا انداز کلام بدل دیا۔

اب اللہ تعالیٰ کے اس قول کی بھی اجمالی وضاحت آ گئی کہ اِنِّیْ اَعْلَمُ مَالاَ تَعْلَمُوْنَ سے یہ مراد نہیں کہ فرشتے انسان کو فسادی اور خون ریز کہہ رہے ہیں اور انسان فسادی اور خون ریز نہیں۔اگر انسان کے فسادی اور خون ریز ہونے کی نفی کی جاتی تو انسان کو پر امن اور اعلی اخلاق کا مالک کہا جاتا لیکن اللہ تعالیٰ نے آدم کے علم کا ذکر کیا ہے تو اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ فرشتے اس علم کے بارے نہیں جانتے تھے جو اللہ تعالیٰ انسان کو دینے والا تھا۔یعنی اللہ تعالیٰ نے فرما دیا کہ اے فرشتو بے شک آپ میری تسبیح میری حمد کے ساتھ کرتے ہو لیکن تھوڑا رک جاؤ کہ میں انسان کی برتری تم پر ظاہر کر دوں تو اللہ تعالیٰ نے علم کا ذکر کیا تو مطلب یہ ہوا کہ فرشتے خدا کی جو حمد کے ساتھ تسبیح کرتے تھے،انسان اس سے زیادہ خدا کی حمد کے ساتھ تسبیح کرنے

والا ہے اور حمد کے ساتھ خدا کی تسبیح کرنا خدا کی معرفت پر دال ہے تو جو زیادہ حمد کرنے والا ہے وہی خدا کی زیادہ معرفت رکھتا ہے۔ آیت کا مفہوم اسی بات کا متحمل ہے کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ انسان میری حمد کے ساتھ تسبیح، فرشتوں سے بہتر اور زیادہ کرے گا تو اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے سب اشیاء کے نام آدم کو سکھا دیئے اور پھر فرمایا:

ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰئِكَةِ فَقَالَ اَنْبِئُوْنِیْ بِاَسْمَاءِ هٰۤؤُلَاۤءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ

پھر ان (سب اشیاء) کو فرشتوں پر پیش کیا پھر فرمایا مجھے ان (سب اشیاء) کے ناموں کی خبر دو اگر تم سچے ہو (کہ جو حمد خدا تم کرتے ہو وہ کوئی نہیں کر سکتا اور تم خدا کے سب سے زیادہ معرفت رکھتے ہو اور فرشتوں کا خدا کی معرفت کا بڑا عالم ہونا اسی سے سمجھتے تھے خدا تو ایسی ذات ہے کہ جو معرفت اس نے ہمیں دی ہے وہ بہت بڑی معرفت ہے کہ خدا کی شان کے آگے ہم سر تسلیم خم کیے ہوئے ہیں تو کیا اللہ تعالیٰ ایسی مخلوق بھی بنائے گا کہ جو خدا کو اس سے بھی زیادہ جان سکے)

جب فرشتوں پر وہ اشیاء پیش کی گئیں اور انہیں ان اشیاء کے نام بتانے کا حکم فرمایا گیا تو فرشتوں پر واضح ہوا کہ انسان کے مدارج ہیں کوئی فسادی ہے کوئی خون ریزی کرنے والا ہے اور کوئی وہ ہے جو غیب کی خبر دینے والا ہے تو اب فرشتوں نے چاہا کہ یہ تسلیم کر لیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک مخلوق کو ہم پر فوقیت دے دی ہے تو انہوں نے اپنے اگلے قول سے اس بات کی توثیق کر دی کہ بے شک ہم اللہ تعالیٰ کو جانتے ہیں لیکن جو خدا جانتا ہے ہم وہ نہیں جانتے تو انہوں نے انسان کی برتری کا اقرار کرتے ہوئے فرمایا:

سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا

(اے اللہ) تو پاک ہے ہمیں کچھ علم نہیں مگر جو تو نے ہمیں عطا کیا

اب حاصل بحث واضح کیا جاتا ہے کہ لفظ سبحنک ہی فرشتوں کا اقرار ہے کہ انسان ہم سے برتر ہے اور انسان کی برتری یہ ہے کہ وہ خدا کی وہ تعریف کر سکتا ہے جو ہم نہیں کر سکتے۔

اس کی وضاحت دو طرح سے کی جائے گی:

ایک یہ کہ فرشتوں نے انسان کے خدا کی حمد کرنے کو پہچانتے ہوئے اپنے کہے گئے دو اقوال میں سے ایک کو اقرار کے طور پر پیش کر دیا اور دوسرے کو محذوف کر کے انسان (نبی) کی سربلندی کی وضاحت کر دی۔

فرشتوں کے دو اقوال تھے کہ ہم خدا کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتے ہیں (یہ پہلا قول تھا) اور اس کی پاکی بولتے ہیں (یہ دوسرا قول تھا) لیکن جب فرشتوں پر شان نبوت کو ظاہر کیا گیا تو فرشتوں نے لفظ سبحنک کے ساتھ یہ کہہ دیا کہ اے اللہ ہم تیری تسبیح کرتے ہیں۔ تو یہ کیا بات ہوئی کہ فرشتے اپنے ہی قول سے پیچھے ہٹ گئے۔ فرشتے تو کہتے تھے کہ اے اللہ ہم تیری حمد کے ساتھ تیری پاکی بولتے ہیں لیکن اس کے بعد صرف خدا کی پاکی بیان کی لیکن حمد کے ساتھ نہیں بلکہ صرف سبحنک کہا اس کے

ساتھ وبحمدک نہیں کہا۔یعنی اقرار کرلیا کہ اے اللہ تیری حمد کے ساتھ جو تسبیح انسان کرسکتا ہے ہم نہیں کر سکتے۔

اب یہ سوال پیدا ہوگا کہ فرشتوں نے کیسے جانا کہ انسان خدا کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح ہم سے زیادہ کرنے والا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ جب حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کو جب سب اشیاء کے نام سکھائے گئے اوران اشیاء کو فرشتوں پر پیش کیا گیا اور جب فرشتے نہ بتا سکے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

یٰآدَمُ اَنۡبِئۡهُمۡ بِاَسۡمَاءِ هِمۡ فَلَمَّآ اَنۡبَاَهُمۡ بِاَسۡمَآءِ هِمۡ

اے آدم سب اشیاء کے ناموں کی خبر دے دو پھر جب ان کو خبر دے دی ان اشیاء کے ناموں کی

تب فرشتوں نے جانا کہ انسان خدا کی حمد کے ساتھ اس کی وہ تسبیح کرسکتا ہے جو ہم نہیں کر سکتے کیونکہ ہم ان تمام اشیاء کے ناموں سے ناواقف ہیں اور انسان ان سب اشیاء کے نام جانتا ہے تو انسان خدا کی حمد کو بیان کرتے ہوئے بار بار کہے گا کہ اے فلاں چیز کے رب، اے فلاں چیز کے خالق، اے فلاں چیز کے مالک، تو ہم تو ان اشیاء سے ہی ناواقف ہیں تو اس جیسی حمد کرنا کیسے ممکن ہے تو انہوں نے نبوت کے آگے سر تسلیم خم کر دیا۔

اب یہ سمجھنا چاہیے کہ ایک انسان جو کہ خدا کا نبی تھا اس کو اس مخلوق پر برتری کس بنا پر دی گئی کہ جو معصوم ہے اور گناہوں سے پاک ہے؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو اپنی مخلوق کا علم دے کر ان کی فرشتوں پر فوقیت کو ظاہر فرمایا اور اس سے اللہ تعالیٰ کا عالم الغیب ہونا ظاہر ہوا۔

اور حضرت آدم کو اپنی مخلوق کا علم دیکر اور اس مخلوق کے ذریعے اپنی حمد کروا کر انسان کو خدا کا سب سے بڑا عارف ظاہر کیا۔

حضرت آدم کو اپنی مخلوق کا علم دیکر ان کے دور میں ہر مخلوق پر ان کو فوقیت دے دی۔ کیونکہ انبیاء کے بعد سب سے افضل مخلوق فرشتے ہیں تو جب فرشتوں پر فوقیت قائم ہوگئی اور کوئی انسان بھی وجود میں نہیں آیا تھا تو ہر مخلوق پر ہی حضرت آدم کی برتری واضح ہوگئی۔ اب انسان کی برتری یہ ہے کہ وہ خدا کی مخلوق کی معرفت سے خدا کی تعریف کرتا ہے تو اب ذرہ اَنۡبِئۡهُمۡ بِاَسۡمَاءِ هِمۡ کا قل ھواللہ احد سے موازنہ ہو جائے۔

حضرت آدم نے صرف فرشتوں کے سامنے اشیاء کے ناموں کے ساتھ خدا کی حمد کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام عالمین کے سامنے ھواللہ احد فرمایا تو تصور کرو کہ میرے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کیا ھوگی؟

حضرت آدم نے مخلوق کے ذریعے خدا کی صفات کو واضح کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کی ہر صفت (احد ہر صفت ہے) کو بیان کر کے خدا کی حمد کی۔

خدا نے فرشتوں سے فرمایا انی اعلم مالا تعلمون پھر جب حضرت آدم کو اشیاء کے نام سکھائے تو گویا حضرت آدم نے فرشتوں

سے فرمایا کہ جو میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے یعنی خدا کیلیے اِنِّیٓ اَعْلَمُ مَالَا تَعْلَمُوْنَ کا مفہوم واضح کرنے کیلیے حضرت آدم نے تمام اشیاء کے نام بتا کر واضح کیا کہ جو میں جونتا ہوں اے فرشتو وہ تم نہیں جانتے۔ یعنی خدا صفت حضرت آدم کے توسط سے ظاہر فرمائی جا رہی ہے جب کہ آدم کو مخلوق کا علم دیا گیا لیکن میرے آقا و مولا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کی صفات ہی سے خدا کی ذات کی معرفت خدا کی مخلوق تک پہنچا دی تو اندازہ کرو خدا کے مظہر اتم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کیا ہوگی؟

حضرت آدم کی فرشتوں پر برتری ہوئی کہ اے فلاں چیز کے مالک، اے فلاں چیز کے خالق کی طرز سے خدا کی حمد کرنے پر، لیکن محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کی ذات کا تمام جہانوں پر اظہار اس کی مخلوق کے ذریعے سے نہیں بلکہ اس ذات کی پہچان اس کی صفات سے کی کہ اے صفت رحمٰن رکھنے والے، اے صفت قہار رکھنے والے، اے صفت مالک رکھنے والے (احد سے ہر صفت ثابت ہے کہ اللہ ہر صفت میں احد ہے تو گویا احد میں ساری صفات خدا ہیں)

حضرت آدم نے خدا کی مخلوق کے اظہار سے خالق کی صفات کا اظہار فرمایا کیونکہ حضرت آدم سے کوئی مخلوق افضل بھی تھی یعنی حضرت آدم نے اشارۃً خود کو مخلوق خدا میں سب سے افضل ہونے کی نفی کر دی گویا حضرت آدم نے لتؤمنن بہ ولتنصر نہ پر عمل کر دیا۔ لیکن محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ھو اللہ احد فرما کر مخلوق میں کسی کو بھی اپنی ذات سے افضل ہونے کی نفی کر دیا وراسی لیے فرشتوں نے اقرار کر لیا کہ حضرت آدم کی یہ شان ہے تو اس سے افضل ذات کا مقام کیا ہوگا۔ اسی لیے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے مخلوق سے خدا کا اظہار نہ فرمایا یعنی خدا کے بعد کوئی اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے بلند ہوتا تو اس مخلوق کے واسطے سے خدا کی صفات کا اظہار فرمایا جاتا بلکہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَد سے خدا کی صفات اور خدا کی ذات کی خبر دی تو گویا خدا کی ذات و صفات کے بعد سب سے بلند محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات ہے۔ تو پتا چلا کہ مخلوق میں سے خدا کی معرفت کے سب سے بڑے ماخذ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اسی پر فرشتوں نے خدا کی حمد کے ساتھ تسبیح کرنے کے بجائے صرف سبحنک پر ہی اکتفاء فرمایا و بحمدک نہ فرمایا کیونکہ وہ جان گئے کہ آدم خدا کی مخلوق کے ناموں سے خدا کی حمد کی تسبیح کر رہے ہیں لیکن ایک ذات وہ بھی ہے جسے خود خدا کی طرف سے کہا جاتا ہے:

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ

پس (اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرو۔

فرشتوں نے خدا کی حمد کے ساتھ تسبیح کرنے کا دعوی کیا تو اس کے جواب میں حضرت آدم کو تمام اشیاء کے نام بتانے کا حکم فرمایا گیا، حضرت آدم کو یہ نہیں فرمایا گیا کہ آپ خدا کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کریں۔ کیونکہ فرشتوں کے قول کے مقابلے واضح طور پر یہی اسلوب آنا چاہیے تھا بشرطیکہ انسان کی افضلیت کو تمام کر دیا جاتا لیکن افضلیت بشر حضرت آدم پر تمام نہیں ہونی تھی اسی لیے اسلوب بدل دیا گیا اور فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ کے بجائے اَنْبِئْهُمْ بِاَسْمَاۗىِٕهِمْ فرمایا گیا فرشتوں نے اسی پر

عاجزی دکھائی تو سوچنا پڑے گا کہ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ پر ان کی کیا کیفیت ہوتی؟ لیکن جب اللہ تعالیٰ نے افضلیت بشر کو تمام کرنا چاہا تو فرمایا فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ اپنے رب کی تسبیح اس کی حمد کے ساتھ کریں تو یہی تو ہے قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ۔

اس پر قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ میں بھی وضاحت موجود ہے کہ احد فرما کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی حمد کے ساتھ تسبیح فرمائی۔ احد خدا کی ہر صفت ہے کہ خدا صفت رحمٰن میں بھی احد، رحیم میں بھی احد الغرض ہر صفت میں احد ہے تو گویا ہر صفت میں احد ہونے سے مراد ہر صفت کے ساتھ خدا کی حمد کرنے کا بیان ہے۔ اور حمد کو دہرانا ہی تسبیح کرنا ہے یعنی لفظ احد کی تفسیر یہ ہے کہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ الرحمٰن۔ قُلْ هُوَ اللّٰهُ الرحیم۔ قُلْ هُوَ اللّٰهُ الکریم۔ قُلْ هُوَ اللّٰهُ الرزاق۔ قُلْ هُوَ اللّٰهُ الغفار۔ قُلْ هُوَ اللّٰهُ القهار۔ الغرض نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کی ہر صفت کو خدا کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کے طور قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَد میں بیان کر دیا۔ تو گویا فرشتے اس سے اصل میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ نازل ہونے کی حقیقت کو جان کر عاجز ہوئے کہ جو حمد کے ساتھ تسبیح ہم کرتے ہیں اس سے کہیں زیادہ تعریف تو وہ (حضرت آدم علیہ السلام) کر سکتے ہیں جو خدا کی صفات کو مخلوق کے ذریعے ظاہر فرماتے ہیں تو اس ذات کی شان کیا ہوگی جو خدا کی ذات کو خدا کی صفات سے ظاہر فرمائے گی تو اس پر فرشتوں نے اپنا دعویٰ ترک کر دیا اور فرمایا سبحنک۔ یعنی اے اللہ ہم تیری تسبیح کرتے ہیں لیکن حمد کے ساتھ جیسی تسبیح افضل البشر صلی اللہ علیہ وسلم کر سکتے ہیں وہ ہمارے بس میں نہیں۔

اس ضمن میں دوسری بات کہ حضرت آدم خدا کے مظہر تھے کہ خدا وہ جانتا تھا جو فرشتے نہ جانتے تھے اور خدا کے بتانے سے حضرت آدم وہ جانتے تھے جو فرشتے نہ جانتے تھے خدا کا وہ جاننا جو فرشتے بھی نہیں جانتے حضرت آدم کے ناموں کی خبر دینے سے واضح ہوا لیکن قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَد سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خدا کے مظہر اتم ہونے اور حضرت آدم کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مظہر ہونا واضح ہوا کیوں؟ کہ حضرت آدم نے فرمایا اے فلاں چیز کے خالق اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے خالق کی صفت رکھنے والے، حضرت آدم نے فرمایا اے فلاں چیز کے مالک، محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے مالک کی صفت رکھنے والے یعنی حضرت آدم نے مخلوق کے ذریعے خدا کی صفات کو ظاہر کیا اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کی صفات کے ذریعے خدا کی ذات کو ظاہر کیا تو گویا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے مظہر ہیں اور حضرت آدم علیہ السلام محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مظہر ہیں۔

حضرت آدم نے اشیاء کے نام بتا کر خدا کی صفات کو ظاہر کیا اس پر دلیل یہ ہے کہ سورۃ البقرۃ میں آیت نمبر ۳۰ سے لیکر آیت نمبر ۳۹ تک حضرت آدم اور فرشتوں کا ذکر ہے لیکن ان ۱۰ آیات میں کسی جگہ بھی خدا کا ذاتی نام اللہ استعمال نہ فرمایا گیا بلکہ صفاتی نام رب، سبحان، علیم، حکیم، عالم الغیب، تواب اور رحیم کا اظہار کیا گیا کیونکہ مخلوق کے ذریعے خدا کی صفات کو ظاہر کرنا تھا لیکن جب خدا کی ذات کا اظہار محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے فرمایا گیا قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَد تو پہلے ذات کی خبر دی گئی پھر

صفات کو سامنے رکھ دیا گیا۔یعنی ذاتی نام اللہ پہلے ہے پھر تمام صفات کا ذکر ہے(کہ اللہ ہر صفت میں احد ہے) تو کہا جائے گا کہ حضرت آدم علیہ السلام خدا کے صفت رب کے مظہر تھے لیکن نبی کریم ﷺ خدا کی ذات کے اور اسم اللہ کے مظہر ہیں کہ خدا کی ذات اور اسم اللہ کا ظہور نبی کریم ﷺ سے کرایا گیا۔تو جاننا چاہیے خدا کی معرفت کے سب سے بڑے مأ خذ کون ہوئے حضرت آدم علیہ السلام یا محمد مصطفیٰ ﷺ ؟۔تو جب خدا کی مخلوق کے ذریعے خدا کی حمد کرنے پر فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کی تعظیم کی تو غور کرنا چاہیے کہ:

جس ذات نے خدا کی اپنی صفات کے ذریعے خدا کی حمد بیان کی تو فرشتوں کے نزدیک اس ذات محمد مصطفیٰ ﷺ کا مرتبہ کیا ہوگا ؟۔

خدا بھی وہ جاننے والا جو فرشتے نہ جانتے تھے اور حضرت آدم بھی وہ جاننے والے جو فرشتے نہ جانتے تھے،خدا نے اپنے عالم الغیب ہونے کو ظاہر کرنے کیلیے آدم سے تمام اشیاء کے ناموں کو بیان کروایا۔یعنی اِنِّیٓ اَعۡلَمُ مَالَا تَعۡلَمُوۡنَ کی وضاحت حضرت آدم سے فرشتوں کے سامنے اِنِّیٓ اَعۡلَمُ مَالَا تَعۡلَمُوۡنَ کہلوا کر دی تو:

قُلۡ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ میں اپنی احدیت کو واضح کرنے کیلیے خدا نے محمد مصطفیٰ ﷺ کے فرمان ایکم مثلی پر مہر تصدیق ثبت کی یا نہ کی؟ تو مخلوق میں محمد مصطفیٰ ﷺ اپنی صفات میں اکیلیے ہوئے کہ نہ ہوئے؟

تو خدا کے نزدیک بھی محمد مصطفیٰ ﷺ تمام مخلوق سے افضل ،فرشتوں کے نزدیک بھی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ تمام مخلوق سے افضل اور انبیاء کرام علیھم السلام کے نزدیک بھی محمد مصطفیٰ ﷺ تمام مخلوق سے افضل اور جب انبیاء کرام پر نبی کریم ﷺ کی برتری واضح ہوگئی تو یہ درست نہیں کہ ان کے بعد عام انسانوں کا ذکر کیا جائے۔

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

پھر فرمایا:

اَلرَّحۡمٰنُ فَسۡـَٔلۡ بِهٖ خَبِيۡرًا ﴿۵۹﴾ (الفرقان)

''رحمٰن !تو پوچھ اس کے بارے جو اس کی خبر دے''۔

اے محمد ﷺ قل ھواللہ احد۔میری ذات اور صفات کی خبر دو۔

تو کہنا پڑے گا مخبر ذات رحمٰن محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں یعنی اَلرَّحۡمٰنُ فَسۡـَٔلۡ بِهٖ خَبِيۡرًا،اَلرَّحِیم فَسۡـَٔلۡ بِهٖ خَبِيۡرًا،اَلکریم فَسۡـَٔلۡ بِهٖ خَبِيۡرًا، اَلغفار فَسۡـَٔلۡ بِهٖ خَبِيۡرًا، القھار فَسۡـَٔلۡ بِهٖ خَبِيۡرًا۔۔۔

الغرض خدا کی کسی صفت کا پوچھنا ہے تو اس سے پوچھو جو اس کی خبر دے اور محمد مصطفیٰ ﷺ سے فرمایا آپ فرما دو کہ اللہ صفت رحمٰن میں بھی احد ہے،صفت رحیم میں بھی احد ہے،صفت کریم میں بھی احد ہے،صفت غفار میں بھی احد ہے اور صفت قھار

میں بھی احد ہے بلکہ ہر صفت میں اللہ تعالیٰ احد ہے تو مفہوم یہ ہوا کہ خدا کی ذات کی کسی بھی صفت کا پوچھنا ہے تو محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھو۔

اب اس بات کی گنجائش باقی نہیں رہی کہ سورۃ الاخلاص میں ذکر النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اثبات میں مزید دلائل دیئے جائیں بلکہ وقت آ گیا ہے سورۃ الاخلاص میں بیان کردہ ذکر النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وضاحت کی جائے تاکہ میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام کا تصور ہر ذہن کی دیواروں سے ٹکرائے، ہر عقل میرے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام سے بحر حیرت کی سیر کرے اور ہر ذی عقل محسوس کرے کہ مقام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت کا بیان ذی عقلی سے ممکن نہیں بلکہ ہر عقل میرے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تصور سے عاقل ہے اور اس کے بغیر فبھت الذی کفر کی تصویر۔

چوتھی فصل

آیات کی مشترکہ خصوصیات

۱۔ کسی بھی آیت کو ختم نہیں کیا جا سکتا۔

۲۔ کسی بھی آیت کے معنی و الفاظ میں کمی یا زیادتی نہیں کی جا سکتی۔

۳۔ کسی بھی آیت کی مثل لانا ناممکنات میں سے ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ صفات جو ہر آیت سے واضح ہیں، مختصر طور پر بیان کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد سورۃ الاخلاص کی پہلی آیت سے صفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بحث کی جائیگی کہ جو خصوصی طور پر اسی آیت سے واضح ہو رہی ہیں۔

۱۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

ہر آیت بتا رہی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور اس پر دلیل یہ ہے کہ آج ایسا قرآن ہمارے پاس موجود ہے جس کے مثل سے ہر فصیح و بلیغ عاجز ہے کیونکہ کسی بھی ایسے نبی (سوائے رسول) کے بارے یہ نہیں کہا گیا کہ ان پر ایسے صحائف یا کتاب نازل ہوئی ہو جس کی تلاوت کی جاتی رہی ہو، مگر رسول کہ ان پر نازل ہونے والی کتابیں اور صحائف کہ جن کی تلاوت ہوتی رہی۔

وما محمد الا رسول

۲۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم

قرآن کی ہر آیت سے نبوت کا پیغام مل رہا ہے کیونکہ رسالت ہر نبی کو نہیں ملی مگر ہر رسول ضرور نبی تھا۔ تو ہر آیت اگر رسالت کو ظاہر کرتی ہے تو نبوت کو بھی ظاہر کرتی ہے۔

وخاتم النبیین

۳۔ اُمّی ﷺ

مندرجہ بالا تینوں خصوصیات کہ ہر آیت جس کی حامل ہے، ہر آیت سے نبی کریم ﷺ کی اُمّیّت کی حقیقت کو واضح کر رہی ہیں۔ آپ ﷺ وہ اُمّی ہیں کہ جن پر اترنے والا کلام کسی انسان کے کلام سے مطابقت نہیں رکھتا تو کہا جائے گا کہ اُمّی سے مراد یہ ہے کہ جس کی تربیت کسی انسان نے نہ کی ہو۔

آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم ایسے اُمّی ہیں جو وہ کلام لائے کہ نہ جسے ختم کیا جاسکتا ہے، نہ اس میں کمی وزیادتی کی جاسکتی ہے اور نہ اس کی مثل لائی جاسکتی ہے۔

ھوالذی بعث فی الامیین رسولا منھم

۴۔ **مبلّغ ﷺ**

نبی کریم ﷺ ہر آیت کے مبلغ، کہ ہمیں ہر آیت نبی کریم ﷺ سے ملی ہے۔اور قرآن کی بلاغت ہی نبی کریم ﷺ کے بلیغ ہونے کی دلیل ہے۔

وابلغکم مارسلت بہ ''تا کہ جو میری طرف آیا اسے تم پر بیان کردوں''۔﴿۲۳﴾(الاحقاف)

۴۔ **صادق ﷺ**

کہ آج تک قرآن کے ایک لفظ کی بھی تکذیب ممکن نہ ہوئی نہ ہوسکتی ہے۔تو نبی کریم ﷺ کے صادق ہونے کیلیے یہی کافی ہے۔

ذٰلک الکتٰب لاریب ''وہ کتاب کہ جس میں شک نہیں''۔﴿۲﴾(البقرۃ)

۵۔ **مصدق ﷺ**

قرآن کی ہر آیت کا بے مثل ہونا ہی نبی کریم ﷺ کی رسالت ونبوت کی تصدیق ہے۔

۶۔ **معصوم، پاک ﷺ**

قرآن کا شک سے پاک ہونا تبھی متصور ہے جب نبی کریم ﷺ کو ہر غلطی، نقص اور عیب سے پاک مانا جائے کیونکہ قرآن کے مبلّغ یعنی پہنچانے والے نبی کریم ﷺ ہیں۔

وما ینطق عن الھوٰی O ان ھوالا وحی یوحیٰ O ''اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے، وہ تو نہیں مگر وحی جو انہیں کی جاتی ہے''۔

۷۔ **حق ﷺ**

قرآن کی ہر آیت حق وصداقت کا سرچشمہ ہے لیکن اسے خدا سے لینے والے صرف محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں تو قرآن کی

حقانیت ہی نبی کریم ﷺ کے حق ہونے کو ظاہر کر رہی ہے۔

اَنَّ الرَّسُوۡلَ حَقٌّ ﴿۸۶﴾ (ال عمران)

''کہ رسول حق ہے''۔

۸۔ امین ﷺ

خدا نے آپ ﷺ کو قرآن کی امانت دی اور آپ ﷺ نے اسے امانت داری کے ساتھ خدا کے بندوں تک پہنچا دیا۔ آپ کی صفت امین بھی ہر آیت سے عیاں ہے۔

۹۔ کلیم اللہ ﷺ

کہ ہر آیت کے ذریعے نبی کریم ﷺ نے خدا سے کلام فرمایا۔

مِنۡهُمۡ مَّنۡ كَلَّمَ اللّٰهُ ﴿۲۵۳﴾ (البقرۃ)

''ان (رسولوں) میں کسی سے اللہ نے کلام فرمایا''

۱۰۔ **قوی ﷺ**

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو وہ قوت عطا فرما دی کہ خدا کے کلام کا بار نزول آپ کے کندھوں پر تھا تو گویا ہر آیت آپ ﷺ کو اللہ کی دی ہوئی قوت کو ظاہر کر رہی ہے۔

اِنَّا سَنُلۡقِىۡ عَلَيۡكَ قَوۡلًا ثَقِيۡلًا ﴿۵﴾ (المزمّل)

۱۱۔ **مبین ﷺ**

خدا کے کلام کو کھول کھول کر اپنی امت کے آگے بیان فرما دیا۔

لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيۡهِمۡ ﴿۴۴﴾ (النحل)

''کہ آپ لوگوں سے بیان کر دیں جو ان کی طرف اترا''۔

۱۲۔ **مطیع ﷺ**

محمد رسول اللہ ﷺ کی شان یہ ہے کہ خدا کی اطاعت میں آپ نے ذرہ برابر بھی کمی نہیں کی اور اس کے نازل کردہ احکامات کو من وعن ویسے ہی پہنچا دیا جیسے کہ نازل کیے گئے اور ایک آیت میں بھی زیر وزبر کا بھی فرق واقع نہ ہوا تو یہ اطاعت کا سب سے بلند مقام ہے اور ہر آیت اس پر شاہد ہے۔

مَنۡ يُّطِعِ الرَّسُوۡلَ فَقَدۡ اَطَاعَ اللّٰهَ

۱۳۔ **حکیم ﷺ**

قرآن کی ہر آیت حکمت سے بھری ہوئی ہے اور وہ حکمت سب سے پہلے نبی کریم ﷺ کو پہنچی تو قرآن کی حکمت کو سب سے زیادہ اور سب سے پہلے جاننے والے نبی کریم ﷺ ہیں تو گویا نبی کریم ﷺ بھی حکیم ہوئے۔

وَالْقُرْآنِ الْحَكِيمِ ''اور حکمت والے قرآن کی قسم''

اَلرَّحْمٰنُ O عَلَّمَ الْقُرْآنَ ''(رحمٰن کہ جس نے اپنے محبوب کو) قرآن سکھایا''

يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ''وہ (نبی کریم ﷺ) انہیں کتاب اور حکمت سکھاتے ہیں''

ان تینوں آیات میں ربط پیدا کردیں تو نبی کریم ﷺ کی صفت حکیم واضح ہوجاتی ہے۔

۱۴۔ حافظ ﷺ

آپ ﷺ قرآن کی ایک ایک آیت کے، اس میں موجود تفصیلات کے حافظ ہیں۔

اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ۔۔۔ ﴿۱۷﴾ (القیامۃ)

''بے شک اس (قرآن) کا (تمھارے دل میں) محفوظ کرنا ہمارے ذمہ ہے''۔

۱۵۔ رحمت ﷺ

قرآن کی ہر آیت ہمارے لیے خدا کی طرف سے عطا کردہ رحمت ہے ماھو شفاء و رحمۃ للمؤمنین۔ اور نبی کریم ﷺ اس رحمت کے حصول کا ذریعہ ہیں تو نبی کریم ﷺ بھی ہمارے لیے رحمت ہیں کہ آپ ﷺ کے واسطے سے ہمیں رحمت ملی۔

وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾ (الانبیاء)

''اور ہم نے تمھیں نہ بھیجا مگر رحمت تمام جہانوں کیلیے''۔

پانچویں فصل

سورۃ الاخلاص اللہ تعالیٰ کی معرفت کو ظاہر کررہی ہے۔ اور اس میں اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کا ذکر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات اور صفات کو ظاہر کرنے کیلیے نبی کریم ﷺ کو حکم فرمایا کہ قل ''اے محبوب ﷺ آپ فرما دیں وہ اللہ اکیلا ہے۔ چنانچہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا اظہار نبی کریم ﷺ کے واسطے سے کیا اور ہمیں نبی کریم ﷺ کے واسطے سے لفظ قل کی روشنی میں پتا چلا کہ اللہ وہ ہے جو اکیلا ہے، جو صمد ہے اور جس کا نہ تو کوئی باپ ہے اور نہ وہ کسی کا باپ ہے اور نہ ہی اس کا کوئی ہمسر ہے۔

تو لازم ہے کہ سب سے پہلے لفظ قل کو موضوعِ بحث بنایا جائے اور دلائل کی روشنی میں اس لفظ کے ظاہر و باطن کو واضح کیا جائے لفظ قل سے وسیلہ مصطفیٰ ﷺ مراد لینے پر سب سے پہلے اس آیت سے دلیل لائی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

عٰلِمُ الۡغَيۡبِ فَلَا يُظۡهِرُ عَلٰى غَيۡبِهٖۤ اَحَدًاO اِلَّا مَنِ ارۡتَضٰى مِنۡ رَّسُوۡلٍ۔۔۔۔۔O ﴿۲۷﴾(الجن)

''غیب کا جاننے والا پس اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتاO سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے''۔

یہ آیت اس چیز پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں میں سے جسے چاہتا ہے غیب پر مطلع کرتا ہے۔اور انسان کیلیے سب سے بڑا غیب خود اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات ہے۔جیسا سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر ۳ میں ہے:

اَلَّذِيۡنَ يُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡغَيۡبِ۔۔۔۔وہ جو ایمان لاتے ہیں غیب پر۔۔۔۔

اور یہاں غیب سے اللہ تعالیٰ کی ذات مراد ہے۔

(تفسیر ابن کثیر۔جلد۱۔صفحہ۸۴)

فرشتوں کا وجود ہمارے لیے غیب ہے لیکن اللہ تعالیٰ فرشتوں سے بھی غیب ہیں۔تو یہ کہنا درست ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہمارے لیے صرف غیب نہیں بلکہ غیب الغیب ہے۔جو ہمارے لیے غیب ہے اللہ تعالیٰ اس سے بھی غیب ہے۔تو یہاں سمجھنا چاہیے کہ جو چیز ہمارے لیے غیب ہے اس کا علم سوائے رسولوں کے کسی کو نہیں ملتا تو جو غیب الغیب ہے اس کی معرفت ہم نبی کریم ﷺ کے بغیر کیسے حاصل کر سکتے ہیں؟۔سورۃ اخلاص اس ذات غیب الغیب کی اطلاع ہے اور اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا کہ غیب تو رسولوں کے ذریعے ہی ظاہر کیا جاتا ہے۔لفظ قل اس بات کی وضاحت ہے کہ سورۃ الاخلاص میں بیان کردہ حقائق کی وضاحت اور اللہ تعالیٰ کا نزولِ سورۃ اخلاص کا مقصد نبی کریم ﷺ کے ذریعے کفر کا خاتمہ ہے۔

چھٹی فصل

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں:

وَ كَذٰلِكَ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡكَ قُرۡاٰنًا عَرَبِيًّا لِّتُنۡذِرَ اُمَّ الۡقُرٰى۔۔۔﴿۷﴾(الشوریٰ)

اس آیت میں ام القرٰی سے مراد مکہ مکرمہ ہے اور ام القرٰی کا معنی ہے بستیوں یا شہروں کی ماں۔یعنی یہی وہ شہر ہے کہ اسلام کا مرکز تھا اور اسی شہر سے اسلام پھیل کر دوسرے شہروں تک پہنچا تو جیسے ایک ماں اپنے بچوں کو جنم دیتی ہے تو سب بچوں کی ماں کہلاتی ہے کیونکہ اس ماں کے ہونے سے بچے ہوئے اگر ماں نہ ہوتی تو بچے بھی نہ ہوتے۔ایسے ہی مکہ مکرمہ اسلام کا مرکز تھا پھر اسی شہر سے تبلیغ اسلام کے ذریعے دوسرے شہروں تک اسلام پہنچا تو تمام اسلامی شہروں کی اصل مكة المكرّمہ ہے۔

دوسری بات یہ کہ آیا اس شہر کو ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اتنی فضیلت کیوں ملی؟ کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس شہر کی بزرگی بیان فرمائی۔جیسا کہ دوسری آیت ہے:

وَ هٰذَا الۡبَلَدِ الۡاَمِيۡنِ ﴿۳﴾(التّین)

''اور اس امان والے شہر کی قسم''۔

مکہ مکرمہ کو امان والا شہر کہا گیا کہ جس میں امن ہو۔ لوگ سکون محسوس کریں۔ کسی کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہو۔
تو یہاں سمجھنے کی بات یہ ہے کہ اس شہر مکہ کو فضیلت کس وجہ سے ملی؟
اس پر ایک اور آیت دلیل ہے:

لَا أُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِO وَاَنْتَ حِلٌّ ۢ بِهٰذَا الْبَلَدِO ﴿۱،۲﴾ (البلد)

’’مجھے اس شہر (مکہ) کی قسم، اور اے محبوب ﷺ آپ اس شہر میں تشریف فرما ہیں‘‘۔
اگر ’و‘ تفسیر کیلیے ہے تو مفہوم یہ ہوگا کہ اے محبوب ﷺ مجھے اس شہر کی قسم کیونکہ آپ ﷺ اس شہر میں تشریف فرما ہیں۔
اس آیت سے ہمیں یہ معلوم ہو گیا کہ مکہ مکرمہ کو فضیلت کیسے ملی؟

۱۔ ایک تو یہ کہ مکہ مکرمہ نبی کریم ﷺ کا مسکن رہا ہے۔
۲۔ اور بہت سے انبیاء نے بھی یہیں قیام فرمایا۔
۳۔ کیونکہ انبیاء علیھم السلام نے اسی شہر مکہ کو اپنا مسکن بنایا تو ظاہر ہے ان کے پیروکار بھی مکہ مکرمہ میں ہی ہونگے۔ تو اسلام کی بنیاد ہونے کی بدولت اس شہر کو فضیلت ملی۔
۴۔ انبیاء علیھم السلام اور انکے پیروکاروں کا مسکن ہونے کی بدولت سب سے زیادہ ذکر الٰہی بھی مکہ مکرمہ میں ہی ہوتا تو اس بنا پر بھی اس شہر مکہ کو فضیلت حاصل ہوئی کہ اس کو ام القرٰی اور بلد الامین کے القابات سے نوازا گیا۔

اب موضوع بحث کی طرف آتے ہیں:
جب نبی کریم ﷺ اس شہر مکہ میں مبعوث فرمائے گئے تو اس وقت دین اسلام کا نام بھی نہیں تھا اور کوئی خدا کا نام درست طریقے سے لینے والا نہ تھا۔ بالکل ویسے ہی جیسے مکہ مکرمہ میں اسلام نہ تھا تو دنیا میں کہیں بھی اسلام نہ تھا اور جب مکہ مکرمہ میں اسلام داخل ہوا تو دوسرے شہروں تک بھی پھیل گیا جس کی وجہ سے مکہ مکرمہ کو ام القرٰی اور بلد الامین کے ناموں سے فضیلت دی گئی۔ جب نبی کریم ﷺ نے دین اسلام کی اشاعت فرمائی تو لوگ جوق در جوق دین اسلام میں داخل ہونے لگے اور خدا کا نام لیا جانے لگا۔
مرکز معرفت الٰہی نبی کریم ﷺ تھے اور اس کی شاخیں صحابہ کرام علیھم الرضوان تھے۔
جس طرح مکہ کو دین اسلام کی بنیاد ہونے کی بدولت ام القرٰی کہا گیا تو اس امت کیلیے بھی رشد و ہدایت کی بنیاد نبی کریم ﷺ ہیں۔
جیسے مکہ مکرمہ دوسرے شہروں تک دین اسلام کو پھیلانے کا وسیلہ بنا ایسے ہی نبی کریم ﷺ اللہ کی معرفت کو اس امت تک پہنچانے کا وسیلہ بنے۔

یہاں ایک نکتہ بیان کیا جاتا ہے کہ مکہ مکرمہ کو دین اسلام کی اشاعت کا وسیلہ بننے پر فضیلت دی گئی لیکن ایسا نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس امت کی کثرت یا اللہ کی عبادت کرنے سے سب انبیاء کرام پر فضیلت دی گئی بلکہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات وہ ہستی ہیں کہ جن کی بدولت اس امت کو فضیلت والی امت قرار دیا گیا۔

وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا۔۔۔﴿۱۴۳﴾ (البقرۃ)

''اور یونہی ہم نے تمھیں کیا سب امتوں میں افضل''۔

سوچنے کی بات یہ ہے کہ جو لوگ دین اسلام کے نام سے بھی واقف نہ تھے وہ افضل امت کیسے بنے؟ تو سمجھنا پڑے گا کہ جیسے مکہ مکرمہ میں دین آنے کی وجہ سے اس کی شان بلند ہوگئی ایسے ہی اس امت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے سے ان کی فضیلت بڑھ گئی۔

بخاری شریف میں ہے:

کیا میں نے تمھیں گمراہ نہیں پایا کہ اللہ نے میرے ذریعے سے تمھیں ہدایت فرمائی، تم بکھرے ہوئے تھے تو اللہ نے میرے ذریعے سے تم میں الفت پیدا فرما دی، تم تنگ دست تھے تو اللہ نے میرے ذریعے سے تمھیں غنی کر دیا۔

اس امت کی فضیلت ہدایت سے مشروط ہے اور ہدایت ہے معرفت خدا میں۔ کسی بھی کافر کو ہم دوسری امتوں پر فضیلت نہیں دے سکتے۔ یوں سمجھ لو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے سے پہلے اس امت کے لوگ امۃ وسطا کے زمرے میں نہ آتے تھے بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے کے بعد تعلیمات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت خدا کی پہچان ہوئی اور یہ امت فضائل میں دوسری امتوں سے بڑھ گئی۔ ہدایت معرفت خدا سے ماخوذ ہے اور معرفت خدا اللہ احد ہے جو کہ خود اللہ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ اپنی امت کو میرے بارے بتا دیں کہ میں اللہ ہوں اور میں احد ہوں۔

یوں سمجھ لو کہ قل سے مراد بعثت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہے، ھو سے مراد یہ ہے کہ بعثت نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت خدا غائب تھا کوئی نہیں جانتا تھا خدا کو اور اللہ احد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے پہنچائی گئی ہدایت ہے۔ ارتقاء اظہار معرفت خدا بوسیلۃ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم قل ھو اللہ احد کا مفہوم ہے۔

اس بحث کے بعد اب یہ سمجھانے کی ضرورت نہیں کہ کیا کسی کی بدولت یا واسطے سے اللہ تعالیٰ کی معرفت عطا کی جاتی ہے جبکہ واضح ہوگیا کہ مکہ مکرمہ ام القریٰ اور امت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم امۃ وسطا بنی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت۔

کعبۃ اللہ سے بتوں کو پاک کیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اور لوگوں کے دلوں سے بتوں کو نکال پھینکا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ تو اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ فضیلت دے کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم قل ھو اللہ احد یعنی آپ میری ذات اور صفات بارے میری مخلوق کو آگاہ فرمائیں تو ہم کیوں نہیں کہہ سکتے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی معرفت کا ذریعہ اور واسطہ ہیں اور سورۃ الاخلاص کی

پہلی آیت اسی بات کو بیان کر رہی ہے ورنہ ھواللہ احد بھی امت تک پہنچ جاتا۔لفظ قل ، ورفعنا لك ذكرك کا مفہوم بیان کر رہا ہے۔

لفظ قل سے مراد واسطہ محمدی ﷺ سے اللہ تعالیٰ کی معرفت پر ایک اور دلیل:

اَلرَّحۡمٰنُ فَسۡـَٔلۡ بِهٖ خَبِيۡرًا ﴿۵۹﴾ (الفرقان)

''بے حد مہربان تو کسی جاننے والے سے اس (اللہ) کی معرفت حاصل کر''۔

اللہ تعالیٰ اس آیت میں یہ نہیں فرماتے کہ ہر کوئی بلا واسطہ مجھ تک پہنچ سکتا ہے بلکہ اس ذات تک پہنچنے کا وسیلہ ڈھونڈنے کا حکم فرماتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کو جاننے والی ہو اور اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ کون جانتا ہے؟

سوال: اگر کوئی کہے کہ سورۃ الاخلاص میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات اور صفات کو واضح فرما دیا ہے تو اب خدا اور اسکی صفت کو جاننے کیلیے کسی کے سہارے کی ضرورت کا کیا مطلب؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت اَلرَّحۡمٰنُ فَسۡـَٔلۡ بِهٖ خَبِيۡرًا ﴿۵۹﴾ (الفرقان)

''بے حد مہربان تو کسی جاننے والے سے اس (اللہ) کی معرفت حاصل کر''۔

میں اپنی صفت رحمٰن کو ظاہر فرما دیا اور پھر فرمایا کہ رحمٰن کے بارے اس سے پوچھ جو رحمٰن کو جانتا ہو۔

تو جب اللہ تعالیٰ نے خود ہی اپنی صفت رحمٰن ظاہر فرما دی تو پھر رحمٰن کے بارے سوال کرنے کے حکم کا کیا مطلب؟۔

اسی سوال کا دوسرا جواب کہ اللہ تعالیٰ کا نام اللہ ہر مسلمان جانتا ہے تو کیا اس کا یہ مطلب ہوگا کہ ہر مسلمان اللہ کو جانتا ہے؟ بالکل نہیں۔تو اسی طرح اگرچہ اللہ تعالیٰ نے لفظ احد کو سورۃ الاخلاص میں بیان کر دیا لیکن اس کی معرفت کیلیے جیسے رحمٰن کو جاننے کے بارے حکم ہے تو احد کی معرفت کیلیے بھی اس کا سہارا لیا جائے گا جو احد کو جانتا ہے۔اور احد کو کون جانتا ہے قرآن سے سنو:

وَ اِذَا ذَكَرۡتَ رَبَّكَ فِى الۡقُرۡاٰنِ وَحۡدَهٗ۔۔۔﴿۴۶﴾ (بنی اسرائیل)

''اور جب آپ (ﷺ) قرآن میں اپنے رب کے احد ہونے کو یاد کرتے ہو''۔

خود خدا فرما رہا ہے کہ اے محبوب ﷺ آپ اپنے رب کے ایک ہونے کو قرآن میں یاد کرتے ہیں۔تو ظاہر ہے کہ نبی کریم ﷺ احد کو جانتے ہیں جبھی تو یاد کرتے ہیں۔

ایک اور بات جو اس آیت سے واضح ہے کہ خدا نے اپنی صفت رحمٰن کے متعلق فرمایا کہ اگر رحمٰن کو جاننا ہے تو رحمٰن کے عارف سے رحمٰن کے بارے پوچھ۔ذات خدا یعنی اللہ کا لفظ نہیں ہے بلکہ رحمٰن ہے۔تو سورۃ الاخلاص میں بھی احد صفت خدا ہے نہ کہ ذاتی نام۔تو گویا خدا کی صفت کو جاننے کیلیے خدا کو جاننے والے کا سہارا چاہیے تو خدا کی ذات کو جاننا خدا کے جاننے

والوں کا دامن تھامے بغیر کیسے ممکن ہے؟۔

تفسیر روح البیان میں فانما یسرنہ بلسانک کی تفسیر میں ہے:

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ قرآن درحقیقت اللہ تعالیٰ کی صفت ہے (جیسا کہ قل ھواللہ احد سے واضح ہے) اور وہ قدیم اور قائم بذاتہ تعالیٰ ہے۔ وہاں ظروف حروف کی کوئی گنجائش نہیں کیونکہ حروف حادث اور معدود اور مشابہت والے ہیں اور اس کی صفت قدیم، غیر معدود اور غیر متناہی ہے لیکن ہاں اس کا سمجھنا صرف رسول اللہ ﷺ کو عطا ہوا اور اس کا پڑھنا بھی عربی زبان میں آپ ﷺ کو عطا ہوا تا کہ آپ ﷺ اس کے ذریعے متقین کو مژدہ بہار سنائیں کیونکہ یہی لوگ اہل بشارت ہیں۔

(تفسیر روح البیان۔ پارہ نمبر۔۱۵، ۱۶، ۱۷۔ صفحہ ۶۶۹)

خدا کی معرفت کا سب سے بڑا ماخذ قرآن کریم ہے اور قرآن کریم ﷺ کو سب سے زیادہ نبی کریم ﷺ جاننے والے ہیں تو معلوم ہوا کہ متقین اگر متقی بنتے ہیں تو نبی کریم ﷺ کے وسیلے اور واسطے سے۔

نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں۔

اَنَا اَعْلَمُکُمْ بِاللّٰہِ (بخاری جلد ۱۔ ۱۱۳)

''میں تم سب سے زیادہ خدا کو جاننے والا ہوں''۔

تو اگر نبی کریم ﷺ ہی خدا کو سب سے زیادہ جاننے والے ہیں تو لازم ہے کہ خدا تک پہنچنے کیلیے نبی کریم ﷺ کا سہارا لیا جائے اور اگر بلا واسطہ خدا تک رسائی ممکن ہوتی تو اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا کیا مطلب؟

اسی پر بخاری شریف میں حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

بے شک تمھیں اللہ تعالیٰ نے اسلام اور محمد مصطفیٰ ﷺ کے ذریعے غنی یا مالا مال کر دیا۔

(بخاری شریف۔ جلد ۳۔ صفحہ ۸۴۸۔ مطبوعہ فرید بک سٹال۔ اردو بازار لاہور)

اسی جلد کی دوسری روایت ہے کہ:

فرشتے نبی کریم ﷺ کے پاس آتے ہیں اور نبی کریم ﷺ آرام فرما رہے ہوتے ہیں تو فرشتے کہتے ہیں کہ جس نے محمد مصطفیٰ ﷺ کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے محمد مصطفیٰ ﷺ کی فرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی (یہاں ایک بات جو فرشتوں نے کی وہ غور طلب ہے کہ) مُحمدٌ فرق بین الناس یعنی لوگوں کے درمیان فرق نبی کریم ﷺ ہیں ۔(یعنی جس نے نبی کریم ﷺ کا دامن تھام لیا اس نے اچھائی کو پا لیا اور جس نے آپ ﷺ کا دامن چھوڑ دیا تو گمراہ ہوا)۔

(بخاری شریف۔ جلد ۳۔ صفحہ ۸۵۱۔ مطبوعہ فرید بک سٹال۔ اردو بازار لاہور)

یعنی خدا کو پانے کا ذریعہ صرف اور صرف نبی کریم ﷺ کی ذات بابرکات ہیں تو لازم ہے کہ اللہ احد کو پانے کیلیے لفظ قل کو بطور وسیلہ قبول کیا جائے ۔خدا کی قسم اگر لفظ قل کو چھوڑ دیا جائے تو تمھارا ایمان لفظ ھو میں اس طرح گم ہو جائے کہ تم کبھی بھی ہدایت نہ پا سکو اور کبھی بھی لفظ اللہ تک اور احد تک نہ پہنچ سکو کیونکہ لفظ قل ہی خدا کے ازلی و ابدی ہونے کا اظہار ہے کہ لفظ ھو ازل کو اور اللہ احد ابد کو ظاہر کر رہا ہے۔ پھر اگر خدا تک نہ پہنچ سکو تو جہنم تمھارا مقدر بن جائے۔اس کو سمجھنے کیلیے بخاری شریف کی ایک حدیث پر غور کرو:

حضرت ابو ہریرۃ سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: میری اور لوگوں کی مثال ایسی ہے جیسے کسی نے آگ جلائی جب اس نے اپنے ماحول کو روشن کیا تو پروانے اور آگ میں گرنے والے کیڑے اس میں گرنے شروع ہو گئے پس وہ انہیں اس سے ہٹانے لگا لیکن وہ اس پر غالب آ کر اس میں گرتے ہی رہے۔ پس میں کمر سے پکڑ کر تمھیں آگ سے کھینچ رہا ہوں اور تم ہو کہ اس میں گرتے ہی جا رہے ہو۔

(بخاری شریف۔جلد۳۔صفحہ ۵۴۷۔مطبوعہ فرید بک سٹال۔اردو بازار لاھور)

اگر خدا نے لوگوں کو نبی کریم ﷺ سے ہٹ کر ہدایت دینا ہوتی تو پھر نبی کریم ﷺ کا یہ فرمانا کہ میں تمھیں کمر سے پکڑ کر آگ سے بچا رہا ہوں ، کا کیا مطلب؟ اگر کہا جائے کہ نبی کریم ﷺ نہیں بچاتے تو خدا تو ہے وہ ہمیں بچائے گا تو حدیث میں ہوتا کہ پھر تمھیں خدا بچا لیتا لیکن حدیث کے یہ الفاظ ہیں کہ پھر بھی تم جہنم میں گرے جا رہے ہو۔تو معلوم ہوا نجات کا واحد راستہ نبی کریم ﷺ کی ذات بابرکات ہے اور منزل خدا کی ذات ۔تو اب آپ کو قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ کا مفہوم سمجھ لینا چاہیے کہ جو لفظ قل کو چھوڑ دیتے ہیں وہ وہی ہیں جن کے بارے حدیث میں ہے کہ پھر بھی تم جہنم میں گرے جا رہے ہو اور جو لفظ قل کے ساتھ کہتے ہیں قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ تو وہ وہی ہیں جنہیں نبی کریم ﷺ کمر سے پکڑ کر بچا رہے ہیں۔

تو قل ھو اللہ احد اس ذات کی طرف اشارہ ہے جو خدا کو سب سے زیادہ جاننے والی ہے۔قل فرما کر اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا کہ اے محبوب ﷺ آپ میری ذات کے اللہ ہونے اور میری صفات کے احد ہونے کو ظاہر فرما دیں تا کہ لوگوں کو پتا چل جائے کہ خدا اور مخلوق کے درمیان ایک خاص مخلوق کا واسطہ ہے وہ مخلوق جو سب سے عالی مرتبت اور سب سے زیادہ خدا کو جاننے والی ہے۔

اَلرَّحْمٰنُ فَسْئَلْ بِهٖ خَبِيْرًا اور قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ میں فرق صرف اتنا ہے کہ پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو نبی کریم ﷺ کے واسطے کا اشارہ دیا اور دوسری آیت میں نبی کریم ﷺ کو لوگوں کو بتا دینے کا حکم فرمایا۔تو کہا جائے گا کہ وہی ذات اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنے کا ذریعہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی معرفت دی اور خدا کی معرفت قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ہے۔تو اگر لفظ قل سے واسطہ مصطفیٰ ﷺ لیا جائے تو کیونکر درست نہیں ہو سکتا جب کہ یہی بات اَلرَّحْمٰنُ فَسْئَلْ بِهٖ

خَبِیرًا سے ثابت ہے۔

اسی بات کی تائید میں تیسری آیت پیش کی جاتی ہے:

فَسْئَلُوْٓا اَھْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۷﴾ (الانبیاء)

''تو اے لوگو! علم والوں سے پوچھو اگر تمھیں علم نہ ہو''۔

چوتھی آیت ملاحظہ ہو:

وَّاتَّبِعْ سَبِیْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَیَّ ﴿۱۵﴾ (لقمان)

''ان کی اتباع کرو جو میری طرف رجوع کریں''۔

علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اگر غیر انبیاء میں سے کوئی لے سکتا تو اللہ تعالیٰ فرماتے اے لوگو مجھ سے پوچھو اگر تمھیں علم نہ ہے۔ لیکن یہاں اہل علم سے پوچھنے کا حکم ہے اور آیت کے پہلے حصے میں انبیاء کرام علیھم السلام کا ذکر ہے تو ثابت ہوتا ہے کہ علم کا مخزن انبیاء کرام ہوتے ہیں اور غیر انبیاء میں سے وہ سب سے بڑا عالم ہے جس نے اپنے نبی مکرم سے جتنا زیادہ علم سیکھا اور اللہ تعالیٰ کی معرفت علم میں ہے تو جب علم انبیاء کرام سے ملتا ہے تو ظاہر ہے معرفت خدا کا حصول بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر ممکن نہیں۔

ساتویں فصل

اللہ تعالیٰ کے مخصوص انداز کلام کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیلیے مختص ہونا سورۃ الاخلاص کی پہلی آیت سے ثابت ہے اور اس بات کی دلیل اس آیت سے لی جاتی ہے کہ: وَ رَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَک ﴿۴﴾ (الانشراح) ''اور ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیلیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر بلند کیا۔

کسی کا بھی ذکر کیا جائے تو دیکھا جائے گا کہ ذکر کرنے والا کون ہے؟ ذکر کرنے والے کی شان کیا ہے؟ ذکر کرنے والے کے مقام کے مطابق ہی اس ہستی کے مقام کا تصور کیا جا سکتا ہے کہ کتنی بڑی شان ہے اس ہستی کی کہ جس کا تذکرہ ایسی ہستی کر رہی ہے۔

دوسری بات کہ اگر کوئی بھی ہستی کسی کا ذکر کرتی ہے تو اس کے خاصیت کلام کی وجہ سے ذکر کردہ ہستی کے مقام پر بات کی جاتی ہے۔ یعنی اگر کوئی استاد اپنے شاگرد کا ذکر کرتا ہے تو اس کی شان میں جو الفاظ اس کا استاد استعمال کر سکتا ہے وہ شاید کوئی اور نہ کر سکے۔ اسی طرح اگر کوئی بادشاہ اپنے کسی باکمال وزیر کا ذکر کرتا ہے تو اس بادشاہ کے ذکر وزیر کی بدولت کوئی بھی اس کے مقام و مرتبے کا اندازہ کر سکتا ہے۔ اسی طرح ضروری ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بلند ذکر کے بلند ہونے کو اس کلام سے ظاہر کیا جائے کہ جس کے کلام میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کو بلند کہا گیا ہے۔ یہ لازم ہے کہ وہ کلام جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذِکر

کو بلند کہا اپنی فصاحت و بلاغت اور انداز بیان وصف سے ثابت کر دے کہ جو طریقہ بیان ذِکر رسول ﷺ کیلیے استعمال کیا گیا ہے وہ اور کسی کیلیے استعمال نہ کیا گیا ہو۔

سب سے بڑی ذات، ذات خداوندی ہے اور ذِکر اس کا بڑا مانا جائے گا جس کا ذِکر سب سے بڑی ذات کرے ۔خدا کا موصوف ہی شان میں سب سے اعلیٰ۔اور خدا کی بارگاہ میں ذِکر رسول ﷺ یہ ہے:

اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ﴿۵۶﴾(احزاب)

''بے شک اللہ تعالیٰ اور اسکے فرشتے درود بھیجتے ہیں نبی کریم ﷺ پر''

تو ذکر کو جس نے بلند کیا اسی کا کلام ہی اس ہستی کے ذکر کے بلند و بالا ہونے پر دلالت ہے اور لفظ قل اسی کلام کا ایک حصہ ہے۔اور یہ ان الفاظ میں سے ہے جو اکیلا ہی نبی کریم ﷺ کے بلندیءِ ذِکر کو ظاہر کر رہا ہے۔وَ رَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَك کا مفہوم پورا قرآن ہے اور قرآن کی فصاحت و بلاغت اور اندازِ بیانِ وصفِ رسول اللہ ﷺ،رسول اللہ ﷺ کے ذِکر کو سب پر فوقیت دے رہا ہے۔اور اسکی سب سے بڑی دلیل اللہ تعالیٰ کا لفظ قل کا استعمال ہے۔تو ہے کوئی جو خدا کے نزدیک اس کے کلام زبور،تورات،انجیل اور قرآن کی روشنی میں میرے نبی کریم ﷺ سے زیادہ بزرگ ہو؟۔ہے کوئی جسے خود خدا فرمائے کہ فرمادو اور کہنے والے الفاظ بھی عطا فرمائے اور وہ الفاظ خدا کی وہ حمد ہوں جو ماورائے تصور و خیال ہوں۔متصور تو کوئی تب ہو جب تصور اللہ احد ہو۔اللہ احد کا تصور لفظ قل سے مشتق ہے اور لفظ قل کا مصدر کلام محمد مصطفیٰ ﷺ ہے تو لفظ قل کے واسطہ اور وسیلہ ہونے کی دلالت پر یہی دلیل کافی ہے لیکن متزلزل کیلیے ابھی اس پر کلام باقی ہے۔

لفظ قل کے رموز باطن سے ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا مقام و مرتبہ اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ ہے اور نبی کریم ﷺ اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں اور اللہ تعالیٰ نبی کریم ﷺ کے رب ہیں۔ فَلَا وَ رَبِّكَ۔۔۔﴿۶۵﴾(النساء) اس کی وضاحت ہے اور وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿﴾(الانبیاء) اسکی تفصیل اور لفظ قل اس کی طرف ایک اشارہ ہے۔اللہ تعالیٰ کا نبی کریم ﷺ کو قل سے حکم فرمانا ہی نبی کریم ﷺ کا اللہ تعالیٰ کا محکوم ہونا ثابت کرتا ہے۔نبی کریم ﷺ کے بغیر کوئی ایسی ہستی بتاؤ جسے اللہ تعالیٰ نے لفظ قل سے حکم فرما کر اپنی ذات اور صفات کی حمد کرائی ہو۔اگر کوئی ایسی ہستی نہیں تو رسول اللہ ﷺ تو ہیں جو مخلوق اول ہیں جنہیں اللہ کی طرف سے حکم ہوا کہ میری تعریف کرو اور کون سی تعریف کرنی ہے وہ الفاظ بھی عطا فرما دیئے۔

یہ اس آیت کی وضاحت ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ۔۔۔﴿۴۸﴾(الطّور)

''بے شک (اے محبوب ﷺ) آپ ہماری نگہداشت میں ہیں اور اپنے رب کی تعریف کرتے ہوئے اسکی پاکی بولو''۔

کفار نے کہا اے محمد ﷺ اپنے رب کا نسب بیان کرو تو اللہ تعالیٰ نے ان کے سوال کا جواب اس انداز سے دیا کہ جواب کے الفاظ نبی کریم ﷺ کو عطا فرما دیئے اور فرمایا کہ اے محبوب ﷺ آپ فرما دیں یعنی فَاِنَّکَ بِاَعْیُنِنَا کا مطلب ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم ﷺ کا دفاع کیا اور اللہ احد فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ کی تفسیر ہے۔

نکتہ:

جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں تو فرشتوں نے کہا:

اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَ یَسْفِكُ الدِّمَاءَ وَ نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَ نُقَدِّسُ لَكَ ﴿۳۰﴾(البقرة)

''کیا ایسے کو بنائے گا جو اس (زمین) میں فساد پھیلائے گا اور خونریزیاں کرے گا اور ہم تیری حمد کے ساتھ تیری تسبیح کرتے ہیں اور تیری پاکی بولتے ہیں''۔

پھر جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم سے تمام چیزوں کے نام ان فرشتوں کے سامنے پیش کیے جن کے نام بتانے سے فرشتوں نے کہا:

سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ﴿۳۲﴾(البقرة)

''تو سبحان ہے ہمیں کچھ علم نہیں مگر جتنا تو نے ہمیں سکھایا''۔

فرشتوں کے سامنے نام پیش کرنے سے پہلے فرشتوں نے کہا کہ اے اللہ ہم تیری حمد کے ساتھ تیری پاکی کرتے ہیں لیکن جب تمام چیزوں کو ان کے سامنے ان کے نام بتانے کیلیے پیش کیا گیا تو انہوں نے عاجزی دکھاتے ہوئے صرف تسبیح کی حمد نہیں کی جبکہ اس سے پہلے وہ کہہ چکے تھے کہ ہم تیری حمد کے ساتھ تیری تعریف کرتے ہیں۔تو فرشتوں نے تسبیح کے ساتھ حمد کیوں نہ کی؟ کیا فرشتوں نے بھانپ لیا تھا کہ جیسی حمد الٰہی ایک انسان کرسکتا ہے، ہم نہیں کرسکتے ؟ یہ وہ پہلا موقع تھا جب فرشتوں نے انسان کو اپنے سے فائق تسلیم کرلیا اور سبحٰنک کی شکل میں اس کا اظہار بھی کردیا۔

جب اللہ پاک نے فرمایا: اِنِّیْ اَعْلَمُ مَالَا تَعْلَمُوْنَ ۔ بے شک جو میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے، تو فرشتوں نے تسبیح کی حمد نہیں کی اس لیے فرشتوں کی حمد انسان کی حمد خدا سے معرفت خدا کے لحاظ سے تھوڑی تھی اور فرشتوں نے تسلیم کرتے ہوئے کہ انسان جو حمد خدا کرسکتا ہے وہ ہم نہیں کرسکتے، صرف تسبیح ہی پر رک گئے۔

اس پر دلیل یہ ہے کہ:

حضرت آدم نے تمام چیزوں کے نام جان لیے لیکن فرشتے نہ جان سکے۔تو حضرت آدم انہیں چیزوں کے نام لیکر فرماسکتے تھے اے فلاں چیز کے رب، اے فلاں چیز کے خالق۔تو خدا کی حمد کے ساتھ خدا کی تسبیح تو ہوگئی۔لیکن فرشتوں نے نہیں بلکہ ایک

انسان نے کی ہوتی۔انسان نے اللہ کی وہ تعریف کر دکھائی جو فرشتے نہ جانتے تھے تو فرشتوں کے اس کہنے پہ کہ اے اللہ ہم تیری حمد کے ساتھ تیری تسبیح کرتے ہیں اللہ کے اس فرمان کہ جو میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے، کا مطلب یہ تھا کہ انسان میری حمد کے ساتھ جو تسبیح کر سکتا ہے وہ تم نہیں کر سکتے۔اور سبحٰنک کہہ کے فرشتوں نے اقرار کر لیا کہ واقعی انسان ہم سے زیادہ تجھے جانتا ہے۔تو خدا کے اس نبی نے جس کا نام آدم تھا فرشتوں کے سامنے خدا کی مخلوق کے نام بتا کر خدا کی حمد کے ساتھ تسبیح کر سکنے کو آشکار کر کے عاجز کر دیا تو لازم ہے کہ کہا جائے کہ نبی نے فرشتوں کو خدا کی مخلوق کے نام بتا کر عاجز کر دیا تو سوچو حضرت آدم کی بتائی ہوئی ان چیزوں کے سامنے اللہ احد کو آشکار کرنے پر خلق خدا کا نبی کریم ﷺ کی معرفت خدا کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کا عالم کیا ہوگا؟ اَللّٰہُ اَحَدُ ہی حمد کے ساتھ تسبیح خدا ہے۔حضرت آدم نے مظاہر قدرت سے خدا کی تعریف کی لیکن محمد مصطفیٰ ﷺ نے صفات خدا سے خدا کی تعریف کی۔تو اَللّٰہُ اَحَدُ ہی حمد خدا کی حقیقت میں سے ہے اور فرشتوں نے سبحٰنك اللھم وبحمدك کی بجائے سبحٰنك پر رک گئے تو اس میں راز یہ تھا کہ اے محبوب ﷺ فَاِنَّكَ بِاَعْیُنِنَا فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ۔۔۔﴿۴۸﴾ (الطور)

''بے شک (اے محبوب ﷺ) آپ ہماری نگہداشت میں ہیں پس اپنے رب کی حمد کرتے ہوئے اسکی پاکی بولو''۔

فرشتے صرف حضرت آدم سے عاجز نہیں ہوئے بلکہ نبی کریم ﷺ کے حمد خدا کرنے سے بھی عاجز ہوئے جبھی تو سبحٰنک کہہ کے چپ ہو گئے وبحمدک نہیں کہا کیونکہ قل ھو اللہ احد کا مخاطب اپنی تجلیات کے ساتھ حضرت آدم کی صورت میں جلوہ افروز ہو چکا تھا۔

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ۔۔۔﴿۳﴾ (النصر)

''پس اپنے رب کی حمد کرتے ہوئے اسکی پاکی بولو''۔

اِنِّیْ اَعْلَمُ مَالَا تَعْلَمُوْنَ کی تفسیر فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا بے شک تم میری حمد کے ساتھ میری تسبیح کرتے ہو لیکن جو حمد سید الانبیا ﷺ کریں گے وہ تم نہیں کر سکتے۔قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدُ اسی کی تفصیل ہے۔

محمد ﷺ حامل لواء الحمد اللہ فی الدنیا

دنیا میں خدا کی سب سے زیادہ حمد وہ کرتا ہے جس کی سب مخلوق سے زیادہ تعریف کی جاتی ہے

تو عطاء خداوندی سے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے رسول ہونے پر لفظ قل شاہد ہے اور رسول تو اللہ تعالیٰ کے تابع ہوتا ہے لیکن نبی کریم ﷺ کا اللہ تعالیٰ کے تابع ہونا ایسا نہیں جیسے اور انبیاء کرام ہیں بلکہ خدا کے نزدیک انبیاء کے مدارج انکے قرب خداوندی کے مطابق ہیں اور فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنیٰ ﴿۹﴾ جیسا کوئی نہیں۔اگر میرے نبی کریم ﷺ جیسا کوئی نہیں تو لازم ہے کہ مالک الملک اپنے مقرب بندے ﷺ کو اپنے کلام کے ذریعے وہ شان دے جو کسی کو نہیں ملی۔تو لفظ قل کو دیکھ لو کہ

یہ میرے خدا اور میرے نبی کریم ﷺ کے درمیان بہت سے رازوں کو چھپائے ہوئے ہے مگر آنکھ والا تیرے جلوے کا نظارہ دیکھے اور دیدہ کور کو کیا آئے نظر کیا دیکھے (یہاں نظارہ کی جگہ تماشا نہیں کہا جا سکتا یہ میرے نبی کریم ﷺ کیلیے بیان کیے جانے والے الفاظِ اوصاف کے مطابق نہیں)۔

مشرکین کا اللہ کے متعلق سوال کرنا اور اللہ تعالیٰ کا جواب دینا نہایت ہی جامع اور پر حکمت اسلوب ہے۔لیکن اگر نبی کریم ﷺ مشرکین کو خود بھی جواب دیتے تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کی مرضی سے ہوتا۔وہ عالی مرتبت نبی ﷺ جو اپنے ظہور سے ہی اللہ تعالیٰ کی توحید کا پرچار فرماتے آرہے ہیں کیا اس نبی ﷺ کو اللہ کی طرف سے معلوم نہ تھا کہ اللہ نہ سونے کا ہے، نہ تانبے اور پیتل کا؟ دوسری بات کہ جو مشرکین نے کی کہ ہمارے سامنے اللہ کا نسب بیان کرو۔کیا نبی کریم ﷺ اللہ کی طرف سے اس بات کا علم نہیں رکھتے تھے کہ اللہ اکیلا ہے نہ اس کی اولاد اور نہ وہ کسی کی اولاد؟ تو اس بات میں حکمت کیا تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی زبان مبارک سے کہلوایا: اے محبوب ﷺ آپ فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ احد ہے۔اللہ تعالیٰ صمد ہے۔نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ وہ جنا گیا اور کوئی اسکے برابر کا نہیں۔

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ سوال نبی کریم ﷺ سے کیا گیا تھا اور جواب میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی مکرم ﷺ کو حکم فرمایا کہ آپ انہیں اس طرح سے جواب دیں کہ وہ اللہ تعالیٰ جس کے نسب کے متعلق اور جسکے وجود کے متعلق تم سوال کررہے ہو وہ اللہ مجھ سے فرمارہا ہے کہ آپ ﷺ ان کفار کو فرمادیں۔یعنی اے کافرو اگر تمھیں میرے علم پر یقین ہوتا تو تم یہ سوال نہ کرتے اور اگر میں خود سے تمھیں جواب دیتا تو تم میرا حکم تسلیم نہ کرتے لیکن اب میں خود نہیں کہہ رہا مجھ سے اس رب نے تمھیں جواب دینے کا فرمایا ہے جس کے متعلق تمھارے سوالات ہیں۔

سبب نزول میں کون سی ایسی بات تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو کفار کو جواب دینے کے الفاظ تک عطا فرمادیئے۔

کفار آپس میں ایسی بہت سی باتیں کہتے تھے اور اللہ پر طعن کرتے تھے۔لیکن ان کا سامنا اللہ کے رسول ﷺ سے نہیں ہوا تھا۔اب جبکہ وہ رسول اللہ ﷺ کو مخاطب ہیں تو ان کو دو طرح سے جواب دیا جاتا۔ایک یہ کہ نبی کریم ﷺ انہیں جواب دے دیتے اور یہ اللہ کی مرضی اور مشیت سے ہی ہوتا اور دوسرا اللہ پاک قرآن نازل فرماتا اور مشرکین کو جواب دیا جاتا۔لیکن نبی کریم ﷺ نے انہیں جواب نہیں دیا۔اس میں کیا حکمت تھی؟

نبی کریم ﷺ اللہ تعالیٰ کے متعلق ایسے سوالات کہ جنکا جواب عام انسان کے ذہن سے بالاتر ہے، جواب مرحمت نہیں فرماتے تھے تاکہ شیطان مسلمانوں کے دلوں میں یہ وسوسہ نہ ڈالے کہ اللہ تعالیٰ کس چیز کا بنا ہے یا اسے کس نے بنایا ہے جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ شیطان انسانی شکل میں نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور کہا کہ اللہ کو کس نے پیدا کیا تو آپ ﷺ نے جواب نہیں دیا بلکہ اپنا سر مبارک جُھکا لیا اور اس کے چلے جانے کے بعد آپ ﷺ نے بتایا کہ یہ شیطان تھا۔

چلیں وہ تو شیطان تھا اور شیطان جنوں میں سے ہے۔ لیکن یہاں جن نہیں بلکہ انسان ہیں۔ اور انسان بھی وسوسہ ڈالتے ہیں اس بات کا ذکر بھی قرآن مجید میں ہے جو کہ ان مشرکین کے سوال سے پتا چلتا ہے کہ انسان بھی وسوسہ ڈالتے ہیں۔ سورۃ الناس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَلَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِالنَّاسِ ﴿۵﴾ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ﴿۶﴾ (الناس)

''جو وسوسہ ڈالتا رہتا ہے لوگوں کے دلوں میں۔ خواہ وہ جنات میں سے ہو یا انسانوں سے''۔

وَاِذَا خَلَوْااِلٰی شَیٰطِیْنِھِمْ۔۔۔۔۔﴿۱۴﴾ (البقرۃ)

''اور جب اپنے شیطانوں کے پاس اکیلے ہوں''۔

اس آیت میں منافقین کے ساتھیوں کو شیطان کہا گیا ہے۔

انسان کا وسوسہ وہی ہے جو مشرکین نے کہا کہ اللہ کا نسب اور اس کے وجود کے متعلق بتاؤ لیکن یہ عام مسلمانوں کیلیے ہے نہ کہ نبی کریم ﷺ کیلیے۔

رسول اللہ ﷺ نے انہیں خود سے جواب نہیں دیا بلکہ اللہ پاک نے قرآن نازل فرمایا اور ان کا جواب دیا گیا۔

اسی بات کے متعلق امام ابن جوزی فرماتے ہیں:

ساتویں وجہ تقدیم وتشریف اور فوقیت وفضیلت یہ ہے کہ پہلے انبیاء کرام اپنی امم کافرہ کے طعن وتشنیع اور اعتراضات کا جواب خود دیتے تھے لیکن نبی کریم ﷺ کی طرف سے اللہ تعالیٰ نے جواب دیا۔

(الوفاء باحوال المصطفیٰ ﷺ۔ صفحہ ۴۰۸)

اب جواب کے متعلق جان لیں۔

نبی کریم ﷺ پر جو قرآن مجید نازل کیا جاتا تو رسول اللہ ﷺ اسے دوسرے لوگوں تک پہنچا دیتے تو یہاں قل کے ساتھ وحی فرمانے میں کیا حکمت تھی۔ اگر اللہ فرماتا: ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ ﴿۱﴾ اَللّٰہُ الصَّمَدُ ﴿۲﴾ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ ﴿۳﴾ وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ ﴿۴﴾ (الاخلاص)۔ تو کیا نبی کریم ﷺ لوگوں تک نہ پہنچاتے، یقیناً پہنچا دیتے۔ سورۃ رعد میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

کَذٰلِکَ اَرْسَلْنٰکَ فِیْ اُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِھَا اُمَمٌ لِّتَتْلُوَا عَلَیْھِمُ الَّذِیْ اَوْحَیْنَا اِلَیْکَ ﴿۳۰﴾ (الرعد)

''اسی طرح ہم نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ایک قوم میں جس سے پہلے کئی قومیں گزر چکی ہیں تا کہ آپ ﷺ پڑھ کر سنائیں انہیں وہ جو ہم نے آپ ﷺ کی طرف وحی کی''

۔تو اس سے تو ثابت ہوا کہ قرآن کا نازل ہونا ہی اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ امت تک پہنچا دیا جائے تو خاص طور پر لفظ قل فرمانے میں کیا حکمت تھی؟ اگر لفظ قل نہ ہوتا تو مشرکین شاید یہ سمجھتے کہ دیکھو محمد ﷺ کے رب نے نہیں کہا کہ اے محمد ﷺ آپ یہ جواب دیں بلکہ خود محمد ﷺ کہہ رہے ہیں تو ان کے اس جواز کو رد کرنے کیلیے اللہ پاک نے قل فرما کران کی زبان ہمیشہ کیلیے بند کر دی کہ اے مشرکو یاد رکھو یہ محمد ﷺ نہیں فرما رہے بلکہ میں نے اپنے نبی ﷺ کو حکم فرمایا ہے کہ میری طرف سے جواب دے دو۔اور اس بات کی دلیل یہ آیت ہے:

اَمۡ يَـقُوۡلُوۡنَ افۡتَرٰهُ‌ قُلۡ فَاۡتُوۡا بِعَشۡرِ سُوَرٍ مِّثۡلِهٖ مُفۡتَرَيٰتٍ وَّادۡعُوۡا مَنِ اسۡتَطَعۡتُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ۔﴿۱۳﴾(هود)

''کیا وہ کہتے ہیں کہ اس نے یہ (قرآن خود) گھڑ لیا ہے، آپ فرمایئے! تو تم بھی لے آؤ دس سورتیں اس جیسی بنائی ہوئی اور بلالو جس کو بلا سکتے ہو اللہ تعالیٰ کے سوا اگر تم سچے ہو''۔

اس آیت میں لفظ قل اس لیے استعمال کیا گیا ہے کہ کافروں نے نبی کریم ﷺ کے بارے قرآن گھڑنے کا کہا تھا۔اور سورۃ اخلاص میں کفار کو اس بات کا موقع ہی نہیں دیا گیا۔

یہاں ایک اور بات بھی قابل ذکر ہے کہ یہاں مشرکین نے صرف اللہ پر طعن نہیں کیا بلکہ نبی کریم ﷺ کی ذات اقدس کو نشانہ بنایا ہے۔یہ سوال تو تبھی درست مانا جاسکتا ہے کہ مشرکین یہ مانتے ہوں کہ اللہ تعالیٰ سونے اور چاندی کا بھی ہوسکتا ہے۔جب کہ وہ کہتے تھے کہ خدا ہے لیکن ہمارے بت بھی خدا ہیں اللہ بڑا خدا ہے اور ہمارے بت چھوٹے خدا۔خدا کا سونے یا چاندی کا ہونا تو مشرکین مانتے ہی نہ تھے تو پھر ان کا اللہ کے متعلق نبی کریم ﷺ سے سوال کرنے کا کیا مقصد؟ تو یہاں اس بات کو واضح کر دیا جائے کہ مشرکین از راہ مذاق نبی کریم ﷺ سے ان کے رب کے متعلق پوچھتے ہیں کہ اے محمد اپنے رب کا نسب بتاؤ۔اس میں مشرکین کا مقصد نبی کریم ﷺ کی رسالت پر وار کرنا تھا کیونکہ وہ نہ تو خدا کو مانتے تھے اور نہ نبی کریم ﷺ کو اور نہ ہی نبی کریم ﷺ کے علم کے قائل تھے تو پھر پوچھنے کا مقصد کیا ٹھہرا؟ تو ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو تکلیف دینے کیلیئے یہ سب کچھ کہا اور یہ قرآن سے ثابت ہے کہ جہاں جہاں نبی کریم ﷺ کو تکلیف پہنچائی گئی وہیں خدا کی طرف سے نبی کریم ﷺ کی مدد کیلیئے ردعمل دیکھا گیا۔کیا مشرکین کو یہ پتا نہیں تھا کہ ہم تو مسلمانوں کے خدا کے وجود کو ہی نہیں مانتے تو انکے نسب کا پوچھنے کا کیا مقصد؟ لیکن انکا مقصد محض یہ تھا کہ نبی کریم ﷺ کو تکلیف دی جائے۔جیسا کہ تفسیر بغوی میں ابن عباس کی یہ روایت ہے کہ مشرکین کے اللہ تعالیٰ کے نسب اور سونے یا چاندی کے ہونے کے بارے سوال کرنے پر اللہ تعالیٰ نے دونوں مشرکین اربد بن معاویہ اور عامر بن طفیل کو دنیا میں ہی عذاب دیا، اربد بن معاویہ بجلی کی کڑک سے ہلاک ہوا اور عامر بن طفیل طاعون کے ذریعے۔

(تفسیر بغوی۔جلد۶۔صفحہ۵۷۹)

سوال کرنے والوں کا اللہ کے غضب کا شکار ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ سوال بے جا تھے۔ ورنہ اگر کوئی کم علم مسلمان یہ سوال کر بیٹھتا تو اس پر یہ عتاب وعذاب نازل نہ کیا جاتا بلکہ سمجھایا جاتا کہ اللہ تعالیٰ احد ہے۔

اگر یہاں نبی کریم ﷺ خود سے جواب دیتے تو مشرکین کہتے کہ ہم تو آپ کے قائل نہیں ہم کیسے مان لیں؟ تو اللہ پاک نے اپنے نبی کریم ﷺ کے منہ مبارک سے کہلوایا کہ اے مشرکو میں نہیں کہتا بلکہ اللہ نے مجھ سے فرمایا ہے کہ ایسے ایسے فرمادو۔

ایک اور نکتہ جو یہاں قابل ذکر ہے کہ اگر نبی کریم ﷺ خود سے فرمادیتے اور مشرکین پوچھتے کہ کیا اللہ پاک نے وحی نازل فرمائی اور یہ جو آپ فرما رہے ہیں یہ قرآن ہے تو ان کو طعن کرنے کا موقع مل جاتا اور وہ کہتے کہ نبی ﷺ تو اللہ کی مرضی کے بغیر نہیں بولتے اور آپ فرما رہے ہیں کہ قرآن بھی نازل نہیں ہوا اور ہمارے سوال کا جواب دے رہے ہیں۔ یعنی کافروں کے کہنے سے پہلے ہی ان کے اعتراض کرنے کی راہ بند کردی گئی۔ جیسے کہ اس آیت میں ہے:

سَیَقُوۡلُ السُّفَہَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىہُمۡ عَنۡ قِبۡلَتِہِمُ الَّتِیۡ كَانُوۡا عَلَیۡہَا قُلۡ لِّلّٰہِ الۡمَشۡرِقُ وَالۡمَغۡرِبُ یَہۡدِیۡ مَنۡ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ ﴿۱۴۲﴾ (البقرۃ)

''اب کہیں گے بیوقوف لوگ، کس نے پھیر دیا مسلمانوں کو ان کے اس قبلہ سے جس پر تھے آپ ﷺ فرمادیں مشرق و مغرب سب اللہ ہی کا ہے جسے چاہے سیدھی راہ چلاتا ہے''۔

اس آیت میں کفار کے طعن کرنے سے پہلے ہی ان کے اعتراض کا جواب ہے اور انہیں جواب بھی اسی اسلوب سے دیا گیا یعنی لفظ قل فرما کر اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو جواب کے الفاظ عطا فرمادیئے۔

تو اسی طرح مشرکین کے بے شمار اعتراضات کا رد اسی لفظ قل میں پنہاں ہے۔ اس کے بعد مشرکوں کی زبان بند ہوگئی کہ اگر محمد ﷺ خود کہتے تو وہ کہہ سکتے تھے کہ نعوذ باللہ ہم تو آپ کو نہیں مانتے اور نبی تو اللہ کے حکم سے بولتے ہیں اور آپ کہتے ہیں کہ قرآن بھی نازل نہیں ہوا اور اللہ اکیلا ہے وہ بے نیاز ہے اللہ اس چیز سے پاک ہے کہ وہ کسی کو جنے یا کوئی اسے جنے۔ آپ تو یہ باتیں خود سے بناتے ہیں۔ معاذ اللہ۔ قل فرما کر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم ﷺ سے کہلوایا کہ اے محمد ﷺ آپ انہیں اس طرح سے جواب دیں کہ میں نہیں کہہ رہا میرے اللہ نے مجھ سے کہلوایا ہے کہ آپ فرمادیں۔ اور اسی لیے لفظ قل کو باقی رکھا گیا ورنہ ہر وحی کا نازل ہونا ایک حکم خدا ہے کہ اسے امت تک پہنچا دیا جائے اور یہ سب اس آیت کی تفسیر ہے:

فَاِنَّكَ بِاَعۡیُنِنَا فَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّكَ۔۔۔۔ ﴿۴۸﴾ (الطّور)

''بے شک (اے محبوب ﷺ) آپ ہماری نگہداشت میں ہیں اور اپنے رب کی تعریف کرتے ہوئے اسکی پاکی بولو''۔

کفار نے کہا اے محمد ﷺ اپنے رب کا نسب بیان کرو تو اللہ تعالیٰ نے ان کے سوال کا جواب اس انداز سے دیا کہ جواب کے

الفاظ نبی کریم ﷺ کو عطا فرما دیئے اور فرمایا کہ اے محبوب ﷺ آپ فرما دیں یعنی فَاِنَّکَ بِاَعْیُنِنَا کا مطلب ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم ﷺ کا دفاع کیا اور اللہ احد فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ کی تفسیر ہے۔

اس طرح کی بات کے ردعمل کے طور پر پھر کفار کہتے تھے جو سورۃ الدخان کی اس آیت میں ہے کہ:

ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَ قَالُوْا مُعَلَّمٌ مَّجْنُوْنٌ ﴿۱۴﴾

''پھر وہ پھر گئے اس سے اور کہنے لگے سکھایا ہوا دیوانہ ہے''۔

یعنی کفار کفریہ کلمات تو کہتے تھے لیکن یہ مانتے تھے کہ نبی کریم ﷺ کسی کے سکھائے ہوئے ہیں۔ لفظ قل کا مطلب ہی یہی ہے کہ کافر جان لیں کہ نبی خدا کے حکم سے اور خدا کے سکھانے سے بولتے ہیں۔

تو یہاں قل فرمانے میں سب سے پہلی حکمت یہی تھی کہ مشرکین کے منہ پر مہر کر دی جائے اور وہ میرے محبوب ﷺ کو تکلیف نہ پہنچا سکیں۔

اگر کوئی کم علم مسلمان یا نو مسلم آپ ﷺ سے اس قسم کا سوال کرتا تو شاید نبی کریم ﷺ خود جواب مرحمت فرماتے کیونکہ اس نو مسلم کے پوچھنے میں نہ تو اس سے نبی کریم ﷺ کو ایذا دینا مقصود ہوتا اور نہ نبی کریم ﷺ کے جواب پر نقطہ چینی کی جاتی۔ نبی کریم ﷺ سے پوچھے گئے سوال میں ان کا مقصود جواب حاصل کرنا نہ تھا اور اگر کوئی مسلمان ایسا سوال کرتا تو اس کا مقصود علم حاصل کرنا ہوتا نہ کہ ایذا دینا۔ کوئی بھی شخص جب مسلمان ہوتا تو سب سے پہلے اسے توحید کے بارے بتایا جاتا اسی لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ مسلمان اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے اتنا جانتے تھے کہ وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا اور کوئی اس کے برابر نہیں تو مسلمان کیلیے اس قسم کا سوال کرنا تو بہت دور کی بات ٹھہری۔

آٹھویں فصل

اگر مشرکین اس طرح کے سوالات میں تسلسل لاتے یعنی اس سے متعلقہ اور سوالات بھی کرتے تو شاید اللہ تعالیٰ ان پر کسی طرح سے عذاب نازل کرتا۔ مشیت الٰہی یہی تھی کہ مشرکین کو نبی کریم ﷺ کی ایذا رسانی سے دور کر دیا جائے۔ مشرکین تو درکنار جب کبھی کسی نبی کو کثرت سوال کے ذریعے پریشان کیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنی ناراضگی کا اظہار فرمایا۔ سورۃ البقرۃ کی یہ آیت ملاحظہ ہو:

اَمْ تُرِیْدُوْنَ اَنْ تَسْئَلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ وَمَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيْلِ ﴿۱۰۸﴾ (البقرۃ)

''کیا یہ چاہتے ہو کہ اپنے رسول سے ویسا سوال کرو جیسا پہلے موسیٰ سے ہوا تھا اور جو ایمان کے بدلے کفر لے وہ ٹھیک راستہ سے بہک گیا''۔

شانِ نزول: ابن ابی حاتم نے سعید اور عکرمہ کے حوالے سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں رافع بن حرملہ نے اور وہب بن زید سے رسول اللہ ﷺ سے گزارش کی ہمارے پاس ایسی کتاب لائیے جو ہم پر آسمان سے نازل ہو (یکبارگی) جسے ہم خود پڑھتے ہیں، یا ہمارے لیے نہریں جاری کر دیجیے تاکہ ہم آپکی پیروی کریں اور آپ کی تصدیق کریں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(تفسیر ابن عباس۔ جلد ا۔ صفحہ ۷۲)

حدیث پاک میں ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ، سے روایت ہے کہ ہمیں قرآن مجید میں منع فرمادیا گیا تھا کہ ہم نبی کریم ﷺ سے سوال کریں۔

(بخاری شریف جلد ا۔ کتاب العلم۔ حدیث نمبر:۶۳۔ صفحہ نمبر ۱۳۲)

اسی کی مثال سورۃ البقرۃ کی آیات نمبر ۶۷ سے ۷۱ میں ہے:

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖٓ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً۔۔۔۔﴿۶۷﴾ (البقرۃ)

''اور (یاد کرو) جب موسیٰ نے اپنی قوم سے فرمایا بے شک خدا تمھیں حکم دیتا ہے کہ تم ایک گائے ذبح کرو''۔

اس کی وضاحت میں یہ ہے کہ بنی اسرائیل کے ایک شخص کا کوئی رشتہ دار جس کا یہ تنہا وارث تھا، اس نے اس شخص کو قتل کر دیا تاکہ یہ اس کا وارث بن جائے اور اس کی لاش کو کسی کے دروازے پر ڈال دیا۔ ان اللہ یامرکم ان تذبحوا البقرۃ اس بات کا مقتضی تھا کہ وہ کوئی سی بھی گائے جس طرح چاہیں ذبح کریں اور انہیں ایسا کرنے کی قدرت بھی حاصل تھی لیکن جب انہوں نے کہا:

ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَاهِيَ۔۔۔۔﴿۶۸﴾ (البقرۃ)

''اپنے رب سے دعا کیجیئے کہ کیسی گائے ہو''۔

ان کے یہ کہنے پر وہ تخییر جو اللہ نے پہلی آیت میں ان کو دی تھی کہ کوئی بھی گائے ذبح کرلو، منسوخ ہوگئی، اور اب انہیں حکم دیا گیا کہ:

اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ عَوَانٌۢ بَيْنَ ذٰلِكَ فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ۔۔۔۔﴿۶۸﴾ (البقرۃ)

''وہ ایک گائے نہ بوڑھی نہ بچھیا بلکہ ان دونوں کے بیچ کی، تو کرو جس کا تمھیں حکم دیا جاتا ہے''۔

اب اس کے بعد بنی اسرائیل پر لازم تھا کہ وہ گائے ذبح کرتے کیونکہ وہ پہلے ہی اپنے عمل کی وجہ سے پہلے حکم کے بدلے اس سے بھاری حکم پر پابند کر دیئے گئے تھے یعنی اللہ کے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ایک سوال کیا جب اس کا جواب دیا گیا تو بجائے اس جواب پر عمل کرنے دوسرا سوال کیا گیا جس کی بدولت اس پر اس پہلے سے بھاری حکم ڈال دیا گیا۔ اب اس کے بعد پھر بنی اسرائیل نے ایک اور مطالبہ کر دیا

ادۡعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّن لَّنَا مَا لَوۡنُهَا۔۔۔۔﴿۶۹﴾ (البقرۃ)

''اپنے رب سے دعا کیجئے ہمیں بتادے اس رنگ کیا ہے''۔

ان کے یہ کہنے پر اس سے پہلے والا حکم کہ گائے بوڑھی بھی نہ ہو اور نہ بچھیا، بھی منسوخ ہو گیا اور ایک نئی صفات والی گائے کا حکم فرمایا گیا۔

(تفسیر احکام القرآن، ابوبکر الجصاص۔ جلد ا۔ آیات نمبر ۶۷ سے ۷۱)

الغرض حاصل بحث یہ ہے کہ ان کے بے جا سوالوں میں تسلسل کے بدلے ان پر بھاری حکم پڑتا گیا۔ تو یہ ہمارے اس مسئلے کی تائید میں ہے کہ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرکین یا یہود ایسے بے جا سوالات میں تسلسل لاتے تو انہیں خدا کی طرف سے سخت ردعمل کا سامنا کرنا پڑتا۔

لفظ قل سن کر مشرکین نے اتنا تو سوچا ہو گا کہ ہم اپنے سوالات کے ذریعے جس کو عاجز کرنے کی کوشش کر رہے ہیں وہ خود سے جواب نہیں دیتے بلکہ اس کا رب ہی اسے ہمارے سوالات کے جوابات مرحمت فرماتا ہے تو وہ سمجھ گئے کہ اس ہستی کو عاجز کرنا بہت مشکل ہے۔

نویں فصل

سورۃ کافرون کا شان نزول ہے کہ کفار میں سے ولید بن مغیرہ، عاص بن وائل، اسود بن عبدالمطلب اور امیہ بن خلف، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے اور کہا: اے محمد! آؤ ہم اس کی عبادت کرتے ہیں جسکی تم عبادت کرتے ہو اور تم اس کی عبادت کرو جسکی ہم عبادت کرتے ہیں ہم اور تم سب اپنے امر میں شریک ہو جاتے ہیں اگر وہ چیز جو تم لائے ہو وہ اس سے بہتر ہے جو ہمارے پاس ہے تو ہم نے اس میں تمھارے ساتھ شرکت کر لی اور ہم نے اس سے اپنا حصہ لے لیا۔ اگر وہ چیز جو ہمارے پاس ہے وہ اس سے بہتر ہے جو آپ لائے ہیں تو تم ہمارے معاملے میں شریک ہو جاؤ گے اور اس میں سے اپنا حصہ لے لو گے تو اللہ تعالیٰ نے سورۃ کافرون نازل فرمائی۔ یہ تھا سورۃ کافرون کا شان نزول، اب اس سورۃ کا متن ملاحظہ ہو

قُلۡ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلۡكَـٰفِرُونَ ۔۔اس مسئلہ کو سمجھنے کیلیے یہی ایک آیت کافی ہے۔ سورۃ اخلاص اور سورۃ الکفرون کا شان نزول آپ کے سامنے پیش کیا گیا۔ سورۃ الکفرون میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مطالبہ کیا گیا ہے اور سورۃ اخلاص میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا ہے۔ اگر ایک بات دیکھی جائے کہ کافروں کے مقابلے اللہ پاک اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جوابات مرحمت فرماتا ہے تو اس میں تو دونوں سورتوں میں لفظ قل اس چیز کو نمایاں کر رہا ہے لیکن ایک بات کو سمجھنے کی ضرورت ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مطالبہ کیا گیا تو اللہ پاک نے فرمایا قُلۡ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلۡكَـٰفِرُونَ ۔۔ اور جب سوال کیا گیا تو فرمایا قل ھو اللہ احد ۔۔یعنی مطالبہ اور سوال دونوں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیے جا رہے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے دونوں کے جوابات میں دو مختلف الفاظ سے

جواب دیا ہے۔

جس طرح اللہ تعالیٰ نے سورۃ الکٰفرون میں نبی کریم ﷺ سے فرمایا کہ اے محمد ﷺ آپ فرمادیں کہ اے کافرو: لیکن اس کے برعکس سورۃ اخلاص میں صرف لفظ قل پر ہی اکتفا فرمایا حالانکہ وہاں بھی سوال کرنے والے تو کافر ہی تھے تو اس میں اللہ کی طرف سے کیا حکمت ہوسکتی ہے؟

ایک تو یہ حکمت ہے کہ اگر سورۃ کافرون کی طرح سورۃ اخلاص میں بھی نبی کریم ﷺ کی زبان مبارک سے اللہ کے نسب اور وجود کے بارے سوال کرنے والوں کو کافر کہا جاتا تو اگر چہ وہ بعد میں ایمان لائے جیسا کہ بعض روایات سے ثابت ہے لیکن اگر اللہ پاک وحی نازل فرماتے کہ قُلْ يَاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ۔ یعنی اے محمد ﷺ آپ فرمادیں کہ اے کافرو! وہ اللہ اکیلا ہے۔ جیسا کہ سورۃ الکٰفرون میں فرمایا تو جن جن کافروں نے اللہ کے متعلق نبی کریم ﷺ سے سوالات کیے تھے وہ سارے کے سارے کفر پر مرتے انہیں پوری زندگی کبھی ایمان نصیب نہ ہوتا۔ اسی بات پر تفسیر احکام القرآن کی یہ روایت بھی ہے کہ۔

اس کی نظیر نبی کریم ﷺ کا یہ قول ہے جو آپ ﷺ دو شخصوں سے کہتے ''آج تم دونوں باتیں نہیں کو سکو گے'' پھر وہ دونوں باتیں نہ کر سکتے جبکہ رکاوٹ بھی کوئی نہ ہوتی اور آلۂ تکلم یعنی زبان بھی صحیح سالم ہوتی۔

(تفسیر احکام القرآن از جصاص۔ جلد ۶۔ صفحہ ۷۰۱)

لیکن کیونکہ انہوں نے ایمان لانا تھا تو اس لیے قل هو الله احد سے وحی کی گئی۔ جیسا کہ تفسیر قرطبی میں ہے الکفرون پر جو۔ الف اور لام۔ ہے اس سے مراد معین کافر ہیں نہ کہ تمام کفار۔ اگر چہ اس کی صفت ہونے کے بنا پر یہ جنس کیلیے ہیں کیونکہ اس میں ان لوگوں سے خطاب کیا جا رہا ہے جن کے بارے اللہ تعالیٰ کی طرف سے طے تھا کہ یہ کفر پر مریں گے تو یہ وہ خاص ہے جو عام لفظ کے ساتھ واقع ہوا ہے اس کی مثل ماوردی سے مروی ہے کہ یہ کلام جواب کے طور پر واقع ہوا اور کافروں سے مراد معین لوگ ہیں تمام کافر مراد نہیں کیونکہ کافروں میں سے کچھ ایمان لے آئے تھے اور مسلمان ہوئے اور کچھ ان میں سے کفر پر مرے یا قتل ہوئے۔ وہی لوگ اس خطاب کے مخاطب ہیں۔

(تفسیر قرطبی۔ جلد ۱۰۔ صفحہ ۵۲۶)

تفسیر بیضاوی میں ہے:

قُلْ يَاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ يعني كفرة مخصوصين قد علم الله منهم انهم لا يومنون ''یعنی وہ مخصوص کافر کہ جو اللہ کے علم کے مطابق طے تھا کہ وہ ایمان نہ لائیں گے''۔

(تفسیر بیضاوی۔ صفحہ ۸۱۲)

یہ آیت بھی اس پر دلالت کرتی ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهۡدِی الۡقَوۡمَ الۡکٰفِرِیۡنَ ﴿۶۷﴾ (المائدۃ)

''بے شک اللہ کافروں کو راہ نہیں دیتا''۔

جن کافروں کو اللہ راہ نہیں دیتا وہ کافر کفر پر ہی مریں گے۔تو اس آیت میں کفر پر مرنے والوں کو ال کے ساتھ کٰفرین کہا گیا ہے جو کہ سورۃ الکٰفرون میں مخصوص کفار سے خطاب پر دلالت ہے۔

مخاطب یہاں مخصوص کافر ہیں جو علم الٰہی میں ایمان سے محروم ہیں۔

(تفسیر خزائن العرفان۔صفحہ ۱۰۷۵)

تو اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مرضی کا اظہار دو صورتوں میں کیا اور اس میں اللہ تعالیٰ کی کیا مشیت تھی؟۔ واللہ اعلم

یہاں لفظ مطالبہ اور سوال میں فرق واضح کرنا ضروری ہے کہ مطالبہ سے مراد کسی سے کسی چیز کی خواہش کرنا اور توقع رکھنا کہ شاید ان کا مطالبہ مان لیا جائے۔

جبکہ سوال تین طرح کے ہوتے ہیں: ایک یہ کہ کسی سے پوچھنے اور علم حاصل کرنے کی غرض سے سوال کیا جائے، دوسرا یہ کہ معلوم ہونے کے باوجود اس لیے سوال کیا جائے کہ اس سوال کے جواب کی اشاعت کی جائے یعنی کسی بھی بات کو سمجھانے کا ایک انداز ہے، تیسرا یہ کہ سوال معلوم نہ ہو اور سوال کرنے والا اس کے جواب سے بھی واقف ہو اور اس کی نیت اور مقصود اس کا جواب نہ ہو بلکہ اس سوال کے جواب کی صحت کا منکر ہو۔اس قسم کا سوال ایذا رسانی کیلیے کیا جاتا ہے۔جیسا کہ مشرکین نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ کے نسب اور وجود کا سوال کیا۔

مطالبہ کرنے والے کو معلوم نہیں کہ اس کے مطالبات تسلیم کیے جائیں گے یا نہیں۔لیکن اس بات کا مطالبہ کرنا کہ جو انہیں معلوم ہو کہ ایسا ممکن نہیں لیکن محض اس چیز کو جواز بنایا جائے کہ ہم نے اپنی طرف سے درست راستہ اختیار کیا، درست نہیں۔

مشرکین نے اپنے مطالبات صرف دروغ گوئی کیلیے استعمال کیے اور وہ چاہتے تھے کہ کسی طرح حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے دین کی اشاعت سے روکا جائے۔کیونکہ ان کا مطالبہ اللہ پاک جو کہ معبود برحق ہے اور اپنے معبودوں کے بارے تھا، اسی لیے اللہ پاک نے کفرون کے ساتھ الف اور لام فرما کر ان کے اس گھنونے مطالبے کی بدولت انہیں پوری زندگی کیلیے ایمان سے محروم کر دیا۔کفار نے جو گمراہ کن عزائم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق رکھے تھے اللہ تعالیٰ نے ان عزائم کا وبال انہیں پر ڈال دیا گویا کفار کو تنبیہ کی گئی کہ جو یہ چاہتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دین سے پھریں اور کفار کے معبودوں کو مان لیں تو ان کی بری نیت کے بدلے اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے دین سے پھرنے کی بجائے اسی پر ہی رکھنے کے ساتھ عذاب فرمایا اور روز

قیامت دکھایا جائے گا کہ دیکھو جس دین کو تم نے تھاما اس کے بدلے آج دردناک عذاب کا مزا چکھو۔

جبکہ کفار کا اللہ کے نسب کے متعلق سوال خاص لفظ معبود کے ساتھ نہ تھا اور نہ ہی انہوں نے اللہ کا اور اپنے خداؤں کا موازنہ کیا اور اللہ پاک نے ان پر کفر کی حالت میں مرنا طے نہ کیا ہو۔ انہیں میں سے ایک حضرت عبداللہ بن سلام تھے جو اسلام لے آئے تھے۔ واللہ اعلم

سورۃ کافرون میں کفار نے اللہ کی وحدانیت اور اس کے رسول ﷺ کی رسالت کا مذاق اڑایا اور سورۃ اخلاص میں اللہ کو دوسری چیزوں کی مثل گردانننے کی کوشش کی۔ دونوں کے عمل میں شدت ہے اور اللہ بہتر حساب لینے والا ہے۔ واللہ اعلم

نبی کریم ﷺ سے مطالبہ یا سوال کرنا ایسا نہیں جیسے عام انسان سے مطالبہ یا سوال کرنا۔ اور نبی کریم ﷺ سے بے جا مطالبہ کرنا بے جا سوال کرنے سے زیادہ برا ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا عذاب وعتاب بھی شدید ہے۔ جیسا کہ سورۃ کافرون اور سورۃ اخلاص سے ثابت ہے۔ کسی کی کیا مجال کہ نبی کریم ﷺ سے کہے کہ اگر آپ ایسا کریں گے تو میں ایسا کروں گا ورنہ نہیں۔

مطالبہ تو درکنار صحابہ کرام تو نبی کریم ﷺ سے ایسے سوالات کرنے سے بھی گریز کرتے تھے جس سے نبی کریم ﷺ کی ناراضگی کا اندیشہ ہو۔ جیسا کہ حضرت عباس نے حضرت علی سے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ سے خلافت کے متعلق پوچھو لیکن حضرت علی نے ایسا نہ کیا۔

سوال اور مطالبے پر ناراضگی کا اندیشہ تو بہت دور کی بات، نبی کریم ﷺ سے سرگوشی کرنے سے پہلے صدقہ دے لینے کا حکم تھا جیسا کہ سورۃ المجادلۃ کی آیت ۱۲ میں ہے:۔

يٰأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَىْ نَجْوٰكُمْ صَدَقَةً ﴿۱﴾ (الاخلاص)

”اے ایمان والو جب تم رسول ﷺ سے سرگوشی کرنا چاہو تو اپنی عرض سے پہلے صدقہ دے لو“۔

اگرچہ یہ حکم بعد میں منسوخ ہو گیا اور اس سے اگلی آیت اس کی ناسخ ہے لیکن یہ حکم خدا جاری تو ہوا تھا۔ تو بے جا سوال اور مطالبات کے بارے کیا حکم خدا ہو سکتا ہے؟۔

تو کفار کا سوال تو سوال اور اوپر سے بے جا گمراہ کن مطالبات کرنا عذاب خداوندی کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔

دسویں فصل

یہاں ایک اور نکتہ آپ کے سامنے رکھا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قل هو الله احد ﴿۱﴾ (الاخلاص)

”(اے محبوب ﷺ) آپ فرما دیں! وہ اللہ اکیلا ہے۔

قُلۡ يٰۤاَيُّهَا الۡكٰفِرُوۡنَ ﴿۱﴾ (الکٰفرون)

''(اے محبوب ﷺ) آپ فرمادیں! اے کافرو۔

شان نزول

کفار میں سے ولید بن مغیرہ، عاص بن وائل، اسود بن عبد المطلب اور امیہ بن خلف، رسول اللہ ﷺ سے ملے اور کہا: اے محمد! آؤ ہم اس کی عبادت کرتے ہیں جسکی تم عبادت کرتے ہو اور تم اس کی عبادت کرو جسکی ہم عبادت کرتے ہیں ہم اور تم سب اپنے امر میں شریک ہو جاتے ہیں اگر وہ چیز جو تم لائے ہو وہ اس سے بہتر ہے جو ہمارے پاس ہے تو ہم نے اس میں تمھارے ساتھ شرکت کر لی اور ہم نے اس سے اپنا حصہ لے لیا۔ اگر وہ چیز جو ہمارے پاس ہے وہ اس سے بہتر ہے جو آپ لائے ہیں تو تم ہمارے معاملے میں شریک ہو جاؤ گے اور اس میں سے اپنا حصہ لے لوگے تو اللہ تعالیٰ نے سورۃ کافرون نازل فرمائی۔

(تفسیر در منثور۔ جلد ۶۔ صفحہ ۱۱۵۲)

(تفسیر قرطبی۔ جلد ۱۰۔ صفحہ ۵۲۶)

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ سے فرمایا کہ اے محبوب ﷺ آپ فرمادیں کہ اے کفر پر مرنے والے لوگو! اَلۡكٰفِرُوۡن اسی کی وضاحت ہے اور جن کفار نے نبی کریم ﷺ سے یہ تمام باتیں کہیں وہ سب کے سب کفر پر مرے۔ اس کی تفصیل اور حوالہ پیچھے دیا جا چکا ہے۔

اب دوسری آیت ملاحظہ ہو:

قُلۡ فَادۡرَءُوۡا عَنۡ اَنۡفُسِكُمُ الۡمَوۡتَ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿۱۶۸﴾ (ال عمران)

''(اے محبوب ﷺ) آپ فرمادیں تو اپنی ہی موت ٹال دو اگر سچے ہو''۔

شان نزول

یہ آیت عبداللہ بن ابی اور اسکے ساتھیوں کے متعلق نازل ہوئی۔ غزوہ احد کے دن جب ستر مسلمان شہید ہوئے تو منافق بولے! اگر ہمارے بھائی ہماری بات مانتے تو قتل نہ کیے جاتے تو ان کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی۔

(تفسیر مدارک۔ جلد ۱۔ صفحہ ۵۲۸)

(تفسیر ابن کثیر۔ جلد ۱۔ صفحہ ۶۰۵)

بیان کیا گیا ہے کہ جس دن یہ آیت نازل ہوئی تو اس دن منافقین میں سے ستر منافق مرگئے۔

(تفسیر قرطبی۔ جلد ۲۔ صفحہ ۸۱۷)

(تفسیر خزائن العرفان۔ صفحہ ۱۲۹)

ان دو آیات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ جو بات اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی مکرم ﷺ سے کہلوائی تو دنیا میں ہی ویسا کر کے دکھا دیا ۔یعنی جو بات نبی ﷺ سے ادا ہوا اس بات کی حقانیت دنیا میں ہی لوگوں پر واضح کر دی جاتی ہے جیسا کہ سورۃ الکفرون سے کفار کے کفر پر مرنے پر مہر کر دی گئی اور ستر منافقین کا ایک ہی دن میں مر جانا۔

اس پر یہ حدیث بھی دلیل ہے:

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ فلاں آدمی نبی کریم ﷺ کے پاس بیٹھا کرتا تھا اور جب آپ گفتگو فرماتے تو وہ منہ چڑاتا تھا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تو ایسے ہی ہو جا۔تو ساری زندگی اس کا چہرہ اسی طرح رہا حتیٰ کہ مر گیا۔ (المستدرک للحاکم ۔جلد۳۔باب سیرت رسول عربی ﷺ ۔صفحہ نمبر ۷۹۸)

یہاں یہ غور کرنا ہوگا کہ سورۃ الکفرون میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ سے کہلوایا کہ اے محبوب ﷺ آپ فرما دیں کہ اے کافرو! تو نبی کریم ﷺ کی زبان مبارک سے کافر کہنے پر وہ لوگ کافر ہی مرے اور دوسری آیت میں نبی کریم ﷺ سے اللہ تعالیٰ نے کہلوایا کہ اے محبوب ﷺ آپ فرما دیں کہ موت سے بچ کے دکھاؤ تو یکبارگی ستر منافق موت کے منہ میں چلے گئے۔

یہاں کفار اور منافقین کے انجام کے بعد یہ سوچنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ جو بات اپنے نبی سے کہلواتا ہے تو اس میں اللہ تعالیٰ کے کونسے راز اور حکمتیں چھپی ہوتی ہیں۔تو قل ھواللہ احد کہنے میں لوگوں کو دکھانے کیلیے کیا حکمتیں ہیں؟

یہاں صرف چند باتوں کو واضح کیا جاتا ہے اور اس کی تفصیل آپ کو اس پوری کتاب میں ملتی رہے گی۔

۱۔ کہ خدا کی ذات کے علوم کا منبع و مخزن صرف اور صرف ذات مصطفیٰ ﷺ ہے اور باقی سب نبی کریم ﷺ کے بتانے سے عارف باللہ ہیں۔

۲۔ یہ نہیں کہ نبی کریم ﷺ کی ظاہری حیات طیبہ میں خدا کو جاننے کیلیے نبی کریم ﷺ کی ضرورت تھی بلکہ روزِ قیامت بھی ہمیں نبی کریم ﷺ کی ذات بابرکات سے خدا تعالیٰ کے بارے وہ باتیں سننے کو ملیں گی جو کسی کو معلوم نہیں۔جیسے نبی کریم ﷺ کا حامل لواء الحمد ہونا۔

۳۔ نبی کریم ﷺ سے کہلوانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنی وحدانیت اور نبی کریم ﷺ کی حقانیت کو واضح کرنے کیلیے اپنے نبی محمد مصطفیٰ ﷺ کو بے شمار معجزات عطا فرما دیئے جو کہ قل ھواللہ احد کی تفصیل ہے کہ دیکھ لو جیسا اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم ﷺ کی زبان مبارک پہ جاری فرمایا وہ سب تمھارے سامنے ہے۔اسی لیے خدا کی وحدانیت اور قادر و مطلق ہونے کو واضح کرنے کیلیے ہمیں لوگوں کے سامنے نبی کریم ﷺ کے معجزے بیان کرنے پڑتے ہیں کہ دیکھو یہ ایک واحد ذات ہی عطا کر سکتی ہے۔

۴۔ سورۃ الکٰفرون کے نزول سے پہلے بھی وہ کافر کافر تھے لیکن یہ پتا نہیں تھا کہ وہ کفر پر مریں گے یا ایمان پر۔لیکن سورۃ الکٰفرون کے نزول کے بعد طے ہوگیا کہ یہ کافر کفر پر مریں گے جیسا کہ تفسیر قرطبی کی روایت سے واضح ہے۔اور دوسری آیت میں یہ معلوم نہیں تھا کہ آیا ستر منافق ایک ساتھ ایک ہی دن میں مرجائیں گے لیکن قُلْ فَادْرَءُ وْا۔۔۔۔۔ کے نزول کے بعد اسی دن وہ منافقین مارے گئے اور آیت کا اثر واضح ہوگیا۔

لیکن سورۃ الاخلاص میں ایسی کوئی بات نہیں کہ پہلے ایسا تھا اور اب ایسا ہوگیا یعنی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ نعوذ باللہ، اللہ پہلے احد نہ تھا اور اب احد ہوگیا، بالکل نہیں۔ بلکہ اس میں لفظ قل کی ترجمانی ہے۔کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے بھی احد تھا اور اب بھی احد ہے لیکن ایک وضاحت کرنا ضروری ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ کی احدیت غیب تھی اور اب سب پر ظاہر ہے۔اللہ تعالیٰ کے صفاتی نام الظاہر والباطن کا یہی معنی ومفہوم ہے۔لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے باطن کو ظاہر تب کیا جب اپنی عام مخلوق سے اپنے خواص کے ذریعے رابطہ کیا اور اپنی ذات وصفات کو ظاہر فرما دیا۔

ان چاروں اجزاء میں آپ لفظ قل کے استعمال میں چھپی حکمت خداوندی کا اجمالی طور پر نظارہ کر سکتے ہیں۔

نبی کریم ﷺ خدا کی صفات کے مظہر ہیں۔

یہاں ایک اور بات بھی ذہن نشین کرلیں کہ اللہ تعالیٰ کا لفظ قل کے ساتھ خطاب فرمانا اور نبی کریم ﷺ سے کہلوائی گئی بات کو دنیا میں ہی لوگوں پر آشکار کر دینا خدا کے اس فعل کا مظہر ہے جو کہ خود خدا نے کیا اور انسانوں کو اس عقیدہ کی تعلیم دی کہ دیکھو نبی کریم ﷺ خدا کی صفات کے مظہر ہیں اور اس پر دلائل سورۃ اللھب سے لائے جاتے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ O ﴿۳﴾ (اللھب)

''جلد ہی وہ جھونکا جائے گا شعلوں والی آگ میں''۔

یہ سورت ابولھب کے بارے نازل ہوئی جس میں خبر دی گئی ہے کہ ابولھب حالت کفر میں مرے گا اور ایسا ہی ہوا کہ حضرت ام فضل نے اسے زخمی کیا تھا اور اسے پھوڑا نکل آیا تھا اور اسی بیماری میں مرگیا۔

(تفسیر قرطبی۔تفسیر سورۃ اللھب)

اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے ابولھب کے کفر پر مرنے کی خبر دی جیسا سورۃ الکٰفرون میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کے ذریعے تنقید کرنے والے کفار کے بارے کفر پر مرنے کی خبر دی۔تو معلوم ہوا اللہ تعالیٰ کا نبی کریم ﷺ سے کہلوانا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اگر قرآن کو سمجھنا ہے تو جو ہستی تمھارے درمیان موجود ہے اس کے کلام کو سمجھو تا کہ خدا کو جان سکو۔

اسی طرح اسی سورۃ اللھب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا

وَامْرَاَتُهٗ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ O فِيْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ O ﴿۴،۵﴾ (اللھب)

''اور اس کی بیوی لکڑیوں کا گٹھا سر پر اٹھاتی، اس کے گلے میں کھجور کی چھال کا رسا''۔

ام جمیل بنت حرب بن امیہ ابو سفیان کی بہن اور ابو لھب کی بیوی جو رسول اللہ ﷺ سے نہایت عداوت وعناد رکھتی تھی اور باوجود یہ کہ بہت دولتمند اور بڑے گھرانے کی تھی لیکن نبی کریم ﷺ کی عداوت میں انتہا کو پہنچی ہوئی تھی۔ خود اپنے سر پر کانٹوں کا گٹھا لا کر نبی کریم ﷺ کے راستے میں ڈالتی تا کہ نبی کریم ﷺ کو تکلیف ہو۔ جس رسی سے کانٹوں کا گٹھا باندھتی وہ کھجور کی چھال کا بنا ہوا تھا۔ ایک روز جب یہ بوجھ لا کر آ رہی تھی کہ تھک کر آرام کرنے کیلئے ایک پتھر پر بیٹھ گئی ایک فرشتے نے بحکم الٰہی اس گٹھے کو کھینچا وہ گرا اور رسی سے گلے میں پھانسی لگ گئی اور وہ مر گئی۔

(تفسیر قرطبی۔ تفسیر سورۃ اللھب)

ام جمیل کے مرنے سے پہلے اس کی موت کی خبر دی گئی اور ویسا ہی ہوا۔

ان دلائل کا مقصد لفظ قل کی تفصیل کو واضح کرنا ہے کہ جو بات اللہ تعالیٰ نے براہ راست فرمائی وہ بھی دنیا کے سامنے واقع ہو گئی اور جو بات اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ سے کہلوائی وہ بھی دنیا ہی میں لوگوں کے سامنے واضح فرما دی۔ تو واضح ہوا کہ نبی کریم ﷺ کا کلام خدا کے کلام کا مظہر ہے یعنی خدا کے کلام کو سمجھنا ہے تو نبی کریم ﷺ کے فرمان کو اپنے ذہنوں میں راسخ کر لو۔

گیارہویں فصل

سورۃ اخلاص کے ساتھ سورۃ الکٰفرون کا ذکر ہوا ہے تو یہاں لفظ قل کی وضاحت کے ساتھ ایک اور حکمت بھی بیان کر دی جائے کہ سورۃ الکٰفرون میں توحید الٰہی کا ذکر ہے اور کافروں پر عتاب کیا گیا ہے اور رسول اللہ ﷺ کے سامنے ہٹ دھرمی دکھانے پر ان پر ہمیشہ کیلیے کفر کی مہر ثبت کر دی گئی۔ جبکہ سورۃ اخلاص میں نبی کریم ﷺ سے سوال کرنے پر نبی کریم ﷺ کے ذریعے کفار کے سامنے اللہ کی ذات وصفات اور توحید کا پرچار کیا گیا۔ ان دونوں سورتوں میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کے واسطے سے کفار سے خطاب کیا۔ ایک سورۃ میں ان پر آخرت میں جہنم کے عذاب کی بشارت ہے اور سوال کرنے والے کفر پر مرے۔ اور دوسری سورۃ میں راہ ہدایت دکھائی گئی اور اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ سے جواب دلوانے میں سورۃ الکٰفرون کا اسلوب اختیار نہیں فرمایا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ اخلاص کے سبب نزول میں سوال کرنے والوں پر اپنی رحمت فرمائی اور ان میں سے ایک یا کئی اسلام لے آئے جن میں سے ایک حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہٗ تھے۔

(الخصائص الکبریٰ۔ جلد ۱)

یوں کہیے کہ جہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے غضب کے ذریعے اپنے نبی کریم ﷺ کی زبان مبارک پر جن لوگوں کو کافر قرار دیا تو انہیں ایمان نصیب ہی نہ ہوا جیسے سورۃ الکٰفرون۔ اور جہاں اپنے محبوب ﷺ کی زبان مبارک سے جواب کے طور پر اپنی

تعریف فرمائی تو سوال کرنے والوں کیلیے راہ ہدایت بن گئی۔ یہ اس وجہ سے بھی کہ اللہ تعالیٰ کے نسب بارے سوال کرنے والوں میں سے ایک عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہٗ تھے جو اپنی اصلاح کیلیے آئے تھے۔جس سے یہ مسئلہ کھل کر واضح ہوتا ہے کہ اے مخلوقِ خدا یہ جان لو کہ اگر سوال کرو گے تو راہ ہدایت دکھائی جائے گی اور اگر ہٹ دھرمی دکھاؤ گے تو آگ میں پھینک دیئے جاؤ گے اور قل فرما کر یہ ثابت کر دیا کہ ہدایت میرے نبی ﷺ کے واسطے سے ہے جیسا کہ سورۃ اخلاص میں درس توحید ہے اور گمراہی میرے نبی ﷺ کی نافرمانی میں ہے جیسا کہ سورۃ الکٰفرون سے ثابت ہے۔

بارہویں فصل

اس باب میں ان آیات کو پیش کیا جاتا ہے جو کہ انبیاء کرام اوران کی قوم کے درمیان گفتگو پر مبنی ہیں لیکن تمام انبیاء کرام نے اپنی قوم کو خود سے جواب دیا نہ کہ اللہ تعالیٰ نے لفظ قل سے خطاب فرما کر انہیں جواب کے الفاظ عطا فرمائے۔ یہاں انبیاء کرام اور انکی اقوام کی باہمی گفتگو کے متعلق تمام آیتوں کو پیش کیا جاتا ہے اوراس سے اگلے باب میں صرف ان آیات کو پیش کیا جائے گا جو متن اور مفہوم کے لحاظ سے ایک ہیں لیکن نبی کریم ﷺ کیلیے ان کا اسلوب باقی تمام انبیاء کرام سے جدا ہے اور اس کا مقصد یہ بتانا ہے کہ امت تو امت، انبیاء کرام علیھم السلام کے مقابلے بھی اللہ تعالیٰ کے کلام کا اسلوب نبی کریم ﷺ کیلیے مختلف ہے۔

انبیاء سے انکی اقوام کے پوچھے جانے والے سوالات کے جوابات کیسے دیئے گئے؟ اس کے متعلق قرآن میں سورۃ ھود میں وضاحت موجود ہے۔

یہاں سابقہ انبیاء کرام علیھم السلام کے بارے چند ایسی آیات کو پیش کیا جاتا ہے جن میں سابقہ انبیاء کرام علیھم السلام نے اپنی قوم کو خود سے جواب دیا نہ کہ انہیں لفظ قل سے خطاب فرما کر اللہ تعالیٰ نے جواب کے الفاظ عطا فرمائے۔

حضرت نوح علیہ السلام کے متعلق اسلوب وحی

جب حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم کی طرف بھیجے گئے اور آپ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی توحید کا پیغام پہنچایا تو کافر بولے:

فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّاْيِ وَمَا نَرٰى لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِيْنَ ﴿۲۷﴾ (ھود)

’’تو اس کی قوم کے سردار جو کافر تھے بولے ہم تو تمھیں اپنے ہی جیسا آدمی دیکھتے ہیں اور ہم نہیں دیکھتے کہ تمھاری پیروی کسی نے کی ہو مگر ہمارے کمینوں نے سرسری نظر سے اور ہم تم میں اپنے اوپر کوئی بڑائی نہیں پاتے بلکہ ہم تمھیں جھوٹا خیال کرتے ہیں‘‘۔

کفار نے حضرت نوح کے بارے طرح طرح کی باتیں کیں اور (نعوذ باللہ) آپ علیہ السلام کو جھوٹا تک کہہ ڈالا لیکن ان کفار کو ان کے طعن کا جواب کیسے دیا گیا؟ کیا حضرت نوح علیہ السلام کیلیے وہی اسلوب جواب رکھا گیا جو حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کیلیے ہے۔کیا اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی طرف سے جواب دیا؟ ملاحظہ ہو

قَالَ يٰقَوۡمِ اَرَءَيۡتُمۡ اِنۡ كُنۡتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنۡ رَّبِّىۡ وَ اٰتٰنِىۡ رَحۡمَةً مِّنۡ عِنۡدِهٖ فَعُمِّيَتۡ عَلَيۡكُمۡ اَنُلۡزِمُكُمُوۡهَا وَ اَنۡتُمۡ لَهَا كٰرِهُوۡنَ ﴿۲۸﴾ وَ يٰقَوۡمِ لَاۤ اَسۡـئَلُكُمۡ عَلَيۡهِ مَالًا اِنۡ اَجۡرِىَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ وَمَاۤ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا اِنَّهُمۡ مُّلٰقُوۡا رَبِّهِمۡ وَلٰـكِنِّىۡۤ اَرٰٮكُمۡ قَوۡمًا تَجۡهَلُوۡنَ ﴿۲۹﴾ وَ يٰقَوۡمِ مَنۡ يَّنۡصُرُنِىۡ مِنَ اللّٰهِ اِنۡ طَرَدْتُّهُمۡ اَفَلَا تَذَكَّرُوۡنَ ﴿۳۰﴾ وَلَاۤ اَقُوۡلُ لَـكُمۡ عِنۡدِىۡ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَاۤ اَعۡلَمُ الۡغَيۡبَ وَلَاۤ اَقُوۡلُ اِنِّىۡ مَلَكٌ وَّلَاۤ اَقُوۡلُ لِلَّذِيۡنَ تَزۡدَرِىۡۤ اَعۡيُنُكُمۡ لَنۡ يُّـؤۡتِيَهُمُ اللّٰهُ خَيۡرًا اللّٰهُ اَعۡلَمُ بِمَا فِىۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ اِنِّىۡۤ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۳۱﴾ (هود)

”(حضرت نوح علیہ السلام) بولے اے میری قوم بھلا بتاؤ تو اگر میں اپنے رب کی طرف سے دلیل پر ہوں اوراس نے مجھے اپنے پاس سے رحمت بخشی تو تم اس سے اندھے رہے کیا ہم اسے تمھارے گلے چپکا دیں اورتم بیزار ہو ○ اور اے قوم میں تم سے کچھ اس پر مال نہیں مانگتا میرا اجر تو اللہ ہی پر ہے۔اور میں مسلمانوں کو دور کرنے والا نہیں بے شک وہ اپنے رب سے ملنے والے ہیں لیکن میں تم کو نرے جاہل پاتا ہوں ○ اور اے قوم مجھے اللہ تعالیٰ سے کون بچالے گا اگر میں انہیں دور کروں گا اور کیا تمھیں دھیان نہیں ○ اور میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہ میں غیب جان لیتا ہوں اور نہ یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں اور میں انہیں نہیں کہتا جنہیں تمھاری نگاہیں حقیر سمجھتی ہیں کہ ہرگز انہیں اللہ تعالیٰ کوئی بھلائی نہ دے گا اللہ تعالیٰ خوب جانتے ہیں جو ان کے دلوں میں ہے ایسا کروں تو ضرور میں ظالموں میں سے ہوں“۔

یہ حضرت نوح علیہ السلام کا کفار کو خود سے جواب تھا۔حالانکہ کفار نے کتنا بڑا طعن کیا۔اس کے بعد کفار پھر بولے:

قَالُوۡا يٰنُوۡحُ قَدۡ جَادَلۡتَنَا فَاَكۡثَرۡتَ جِدَالَنَا فَاۡتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنۡ كُنۡتَ مِنَ الصّٰدِقِيۡنَ ﴿۳۲﴾ (هود)

”(کفار) بولے اے نوح تم ہم سے جھگڑے اور بہت ہی جھگڑے تو لے آؤ جس کے ہمیں وعدے دے رہے ہو اگر تم سچے ہو“۔

کفار کی اس ہٹ دھرمی پر پھر بھی حضرت نوح علیہ السلام نے خود سے جواب دیا:

قَالَ اِنَّمَا يَاۡتِيۡكُمۡ بِهِ اللّٰهُ اِنۡ شَآءَ وَمَاۤ اَنۡتُمۡ بِمُعۡجِزِيۡنَ ﴿۳۳﴾ وَلَا يَنۡفَعُكُمۡ نُصۡحِىۡۤ اِنۡ اَرَدْتُّ اَنۡ اَنۡصَحَ لَـكُمۡ اِنۡ كَانَ اللّٰهُ يُرِيۡدُ اَنۡ يُّغۡوِيَكُمۡ هُوَ رَبُّكُمۡ وَاِلَيۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ ﴿۳۴﴾ (هود)

”(حضرت نوح) بولے وہ تو اللہ تعالیٰ تم پر لائے گا اگر چاہے اور تم تھکا نہ سکو گے ○ اور تمھیں میری نصیحت نفع نہ دے گی اگر

میں تمھارا بھلا چاہوں جبکہ اللہ تعالیٰ تمھاری گمراہی چاہے وہ تمھارا رب ہے اور اسی کی طرف پھرو گے''۔

کفار کے طعن کے جواب میں خود حضرت نوح علیہ السلام نے انہیں جواب مرحمت فرمایا نہ کہ اللہ تعالیٰ نے لفظ قل سے جواب دینے کیلیے فرمایا۔

نکتہ: یہاں ایک بات کہی جا سکتی ہے کہ مذکورہ آیت کے بعد سورۃ ھود کی آیت نمبر ۳۵ میں حضرت نوح کو اسی اسلوب سے جواب دینے کیلیے فرمایا گیا جو سورۃ الاخلاص میں ہے۔ تو اس کے جواب کو سمجھنے کیلیے اس آیت کو سمجھ لیا جائے:

اَمۡ یَقُوۡلُوۡنَ افۡتَرٰىهُ ؕ قُلۡ اِنِ افۡتَرَیۡتُهٗ فَعَلَیَّ اِجۡرَامِیۡ وَاَنَا بَرِیۡٓءٌ مِّمَّا تُجۡرِمُوۡنَ ﴿۳۵﴾ (ھود)

''کیا یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے اپنے جی سے بنالیا تم فرماؤ اگر میں نے بنالیا ہوگا تو میرا گناہ مجھ پر اور میں تمھارے گناہ سے الگ ہوں''۔

یہ وہ آیت ہے جس کے بارے کہا گیا کہ یہ حضرت نوح علیہ السلام کے متعلق ہے کیونکہ ان آیات میں حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر ہو رہا ہے۔ لیکن اگر آیت پر غور کیا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسے نہیں فرمایا کہ ہم نے نوح علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ آپ فرما دیں۔ پچھلی آیات میں حضرت نوح علیہ السلام کو ان کے نام سے بیان فرمایا گیا ہے لیکن اس آیات میں کہیں بھی حضرت نوح علیہ السلام کو واضح طور پر نہیں فرمایا گیا کہ اے نوح (علیہ السلام) آپ فرما دیں!

دوسری بات یہ کہ اس آیت میں فعل مضارع کا صیغہ استعمال فرمایا گیا ہے جو کہ زمانہ حال اور مستقبل پر لاگو ہوتا ہے جس سے مراد یہ ہوگا کہ یہ خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا گیا ہے۔ اسی آیات کی تفسیر میں تفسیر ابن عباس میں بھی بیان فرمایا گیا ہے کہ:

''کہا گیا کہ یہ آیات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق نازل فرمائی گئی''۔

(تفسیر ابن عباس۔ جلد۲۔ صفحہ ۵۶)

اور تفسیر ابن کثیر میں اس آیت کے متعلق فرمایا گیا کہ:

''اس قصہ کے وسط میں یہ جملہ معترضہ ہے، اس کا مقصد اس قصہ کی تاکید اور تثبیت ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرما رہا ہے کہ یہ کفار اور منکرین آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر از خود قرآن کریم کے گھڑ لینے کا الزام عائد کر رہے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں فرما دیں کہ اگر میں نے خود اسے گھڑ لیا ہے تو میرے اس جرم کا وبال مجھ پر ہے اور میں تمھارے جرائم سے بری الذمہ ہوں یعنی میں جو قرآن مجید پیش کر رہا ہوں وہ میرا خود ساختہ نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولنے کی سزا سے میں بخوبی واقف ہوں''۔

(تفسیر ابن کثیر۔ جلد۲۔ صفحہ ۶۳۷)

تفسیر ابن کثیر کے مطابق یہ آیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ہے اور قل سے خطاب بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا گیا ہے۔

تفسیر قرطبی اس آیت کی تفسیر میں ہے کہ:

''اس سے وہ نبی کریم ﷺ کی ذات مراد لیتے ہیں''۔

(تفسیر قرطبی۔جلد۵۔پارہ۱۲۔صفحہ۴۵)

تیسری بات یہ کے اگراس سے اگلی آیت پرغور کیا جائے تو اس بھی یہ واضح ہوتا ہے کہ پچھلی آیت اس آیت سے جدا ہے اسکا مخاطب کوئی اور ہے اوراس آیت کا مخاطب کوئی اور۔اگلی آیت یہ ہے:

وَ اُوْحِیَ اِلٰی نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ یُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوْا یَفْعَلُوْنَ ﴿۳۶﴾ (ھود)

''اور نوح (علیہ السلام) کو وحی ہوئی کہ تمھاری قوم سے مسلمان نہ ہونگے مگر جتنے ایمان لا چکے تو غم نہ کھااس پر جو وہ کرتے ہیں''۔

اس آیت پراگر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اگر پچھلی آیت میں حضرت نوح علیہ السلام سے خطاب تھا تو اس آیت میں وَ اُوْحِیَ اِلٰی نُوْحٍ کے کیا معنی؟اگر خطاب ہی حضرت نوح علیہ السلام سے ہورہا ہے تو دوبارہ یہ نہ فرمایا جاتا کہ نوح کی طرف وحی ہوئی۔اس سے پتا چلتا ہے کہ وہ آیت جس میں لفظ قل سے خطاب ہے وہ نبی کریم ﷺ کے متعلق تھی اور پھر حضرت نوح علیہ السلام سے متعلق اس سے اگلی آیت آئی جو کہ واضح طور پر ظاہر کرتی ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی طرف اب وحی فرمائی گئی۔

مندرجہ بالا آیات سے استفادہ کر کے سورۃ الاخلاص کو بہتر طریقے سے سمجھا جا سکتا ہے۔بہت سی ایسی وضاحتیں جو حضرت نوح علیہ السلام کے ان کی قوم سے خطاب میں ملتی ہیں ان کی تفصیل سورۃ الاخلاص کی پہلی آیت قل ھو اللہ احد چھپائے ہوئے ہے۔

۱۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا کہ اگر میں اپنے رب کی طرف سے دلیل پر ہوں لیکن قل ھو اللہ احد واضح کررہا ہے کہ نبی کریم ﷺ خود سے نہیں فرمارہے کسی کا پیغام پہنچارہے ہیں اور رسول نشانی ہے اپنے بھیجنے والے کی یعنی حضرت نوح علیہ السلام خود سے فرماتے ہیں کہ میں اللہ کی طرف سے دلیل پر ہوں لیکن نبی کریم ﷺ سے اللہ تعالیٰ کہلواتے ہیں کہ آپ خدا کی دلیل ہیں۔یہ لفظ قل ہی تو ہے جو اپنے ادا ہونے ہی سے واضح کردیتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کو قل فرمانے والا صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی ہوسکتا ہے۔

۲۔ حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی طرف سے رحمت بخشی:قل ھو اللہ احد ظاہر کرتا ہے کہ میرا جو دین ہے وہ خدا کی طرف سے ہے کیونکہ میں کہنے کیلیے کہلوایا گیا ہوں نہ کہ میں خود کہہ رہا ہوں اور دوسرا اللہ کی

رحمت یہ ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کو بھی جانتا ہوں اور احد کو بھی اور خدا کی معرفت ہی سب سے بڑی رحمت ہے۔

۳۔ حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا تم مجھے پہچاننے سے اندھے رہے: اسی بات کو سورۃ الاخلاص میں فرمایا گیا ہے کہ اے کفار! تم جو اللہ تعالیٰ کے نسب کے متعلق پوچھتے ہو تو سنو میرا اللہ تعالیٰ مجھے اپنی معرفت دے کر فرماتا ہے کہ میں تم سے فرما دوں کہ وہ اللہ تعالیٰ اکیلا ہے تاکہ تمھیں پتا چل جائے کہ میں اپنے رب کو جانتا ہوں اور تمھارے طعن کرنے کی کوئی گنجائش نہ رہے۔ تو گویا کفار اللہ تعالیٰ کی توحید سے ہی خالی تھے تو اس کی وجہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دوری تھی۔ اگر وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچانتے تو ایسا نہ کہتے۔

۴۔ حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا: میرا اجر تو اللہ تعالیٰ ہی پر ہے: اور قل ھو اللہ احد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف اللہ تعالیٰ ہی کا محتاج ہونا بتلا رہا ہے کیونکہ وہی اللہ ہے جو اپنی ذات وصفات میں اکیلا اور بالذات ہے تو اس کے مقابلے مجھے اس کی ضرورت نہیں جو اللہ تعالیٰ کا محتاج ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ ہی مجھے کافی ہے جو کسی کا محتاج نہیں۔

۵۔ حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا کہ میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کے خزانے ہیں یا میں خود سے غیب جان لیتا ہوں یا میں کوئی فرشتہ ہوں: اسی بات کو قل ھو اللہ احد میں اس طرح سے بیان فرمایا گیا کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم تمھارے دشمن یہ نہ سمجھیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود سے باتیں بنا کر اللہ تعالیٰ کے متعلق کہتے ہیں اسی لیے ہم فرما رہے ہیں کہ تم فرما دو نہ یہ کہ ھو اللہ احد کہہ کے لوگوں کو طعن کا موقع دیا جائے۔ قل فرما کے یہ ظاہر کیا گیا کہ میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم جو بھی کہتے ہیں ہماری طرف سے اذن ملنے کے بعد کہتے ہیں۔ اگر انہیں اللہ احد کی معرفت عطا ہوئی تو وہ اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے نہ یہ کہ خود سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ذاتی کمالات کی بنا پر اللہ تعالیٰ کو پہچان لیا۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سب کچھ اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ ہے۔

۶۔ انہیں آیات کے درمیان ایک ایسی آیت بھی نازل فرمائی گئی جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سید الانبیاء ظاہر فرما رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اَمۡ یَقُوۡلُوۡنَ افۡتَرٰىهُ قُلۡ اِنِ افۡتَرَیۡتُهٗ فَعَلَیَّ اِجۡرَامِیۡ وَاَنَا بَرِیۡٓءٌ مِّمَّا تُجۡرِمُوۡنَ ﴿۳۵﴾ (ھود)

''کیا یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے اپنے جی سے بنا لیا تم فرماؤ اگر میں نے بنا لیا ہوگا تو میرا گناہ مجھ پر اور میں تمھارے گناہ سے الگ ہوں''۔

اس سے ظاہر فرمایا گیا ہے کہ دیکھو میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی شان یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام سے ان کی قوم نے بہت سے سوالات کیے لیکن خدا تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی طرف سے جواب مرحمت نہ فرمایا لیکن جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر افتراء کیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے لفظ قل سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرما کر جواب کے الفاظ مرحمت فرما دیئے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے

کہ اللہ تعالیٰ اپنے کلام سے ہی نبی کریم ﷺ کے عالی مرتبے کو ظاہر فرماتا ہے اسی لیے قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کا ذکر انبیاء کرام سے پہلے فرمایا ہے۔

وَ اِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِیّٖنَ مِیْثَاقَهُمْ وَ مِنْكَ وَ مِنْ نُّوْحٍ وَّ اِبْرٰهِیْمَ وَ مُوْسٰى وَ عِیْسَى ابْنِ مَرْیَمَ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّیْثَاقًا غَلِیْظًا﴿۷﴾(الاحزاب)

’’اور اے محبوب ﷺ! یاد کرو جب ہم نے نبیوں سے عہد لیا اور آپ ﷺ اور نوح اور ابراھیم اور موسیٰ اور عیسی بن مریم سے اور ہم نے ان سے پکا عہد لیا‘‘

اور دوسری آیت میں ہے کہ:

اِنَّا اَوْحَیْنَا اِلَیْكَ كَمَا اَوْحَیْنَا اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِیّٖنَ مِنْ بَعْدِهٖ﴿۱۶۳﴾(النساء)

’’بے شک اے محبوب ﷺ ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی جیسے وحی بھیجی نوح اور اس کے بعد کے پیغمبروں کو۔۔‘‘

تو قرآن مجید نے واضح کر دیا کہ نبی کریم ﷺ اللہ تعالیٰ کے ایسے محبوب ہیں جن کیلیے اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کا معیار انبیاء سے بھی بڑھ کر رکھا ہے۔

تو ماننا پڑے گا کہ وہ ہستی جو خواص الخاص ہے (یعنی حضرت نوح علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے خواص میں سے ہیں لیکن نبی کریم ﷺ ان خواص سے بھی اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ خاص ہیں) کہ ایک ہی الفاظ کا اسلوب دو ہستیوں کیلیے مختلف ہے ۔ایک ہستی نے خود وہی الفاظ ادا فرمائے اور دوسری ہستی کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے الفاظ عطا فرمائے گئے تو کون سی ہستی اپنی شان و مرتبے میں بلند و ارفع ہے یقیناً وہی کہ جس کا کلام خدا کے الفاظ ہیں۔تو ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا کلام نبی کریم ﷺ کیلیے اور ہے اور باقی انبیاء کیلیے اور۔

نکتہ:

یہاں ایک بات کو واضح کرنے کی ضرورت ہے کہ حضرت نوح کیلیے لفظ قل ضرور استعمال کیا گیا لیکن وہ ان کی قوم کو بطور جواب نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں شکر کرنے کی تعلیم فرمائی تھی۔حضرت نوح علیہ السلام کیلیے قرآن میں دو آیات میں لفظ قل سے خطاب کیا گیا:

فَاِذَا اسْتَوَیْتَ اَنْتَ وَمَنْ مَّعَكَ عَلَى الْفُلْكِ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ نَجّٰنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ﴿۲۸﴾وَ قُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِیْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّاَنْتَ خَیْرُ الْمُنْزِلِیْنَ﴿۲۹﴾(المؤمنون)

’’پھر جب ٹھیک بیٹھ لے تو اور تیرے ساتھ والے تو فرماؤ سب خوبیاں اللہ کو جس نے ہمیں ان ظالموں سے نجات دی O اور فرماؤ کہ اے میرے رب مجھے برکت والی جگہ اتار اور تو سب سے بہتر اتارنے والا ہے O‘‘۔

دونوں آیتوں میں حضرت نوح علیہ السلام کو شکر کرنے کی تعلیم فرمائی گئی ہے نہ کہ ان کی قوم کو جواب دیا گیا۔

حضرت ھود علیہ السلام کے متعلق اسلوب وحی

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے کہ:

وَ اِلٰی عَادٍ اَخَاھُمْ ھُوداً قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوااللّٰہَ مَالَکُمْ مِن اِلٰہٍ غَیْرُہٗ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ ﴿۵۰﴾ یٰقَوْمِ لَا اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجرًا اِنْ اَجرِیَ اِلَّا عَلَی الَّذِیْ فَطَرَنِیْ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۵۱﴾ وَ یٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْارَبَّکُمْ ثُمَّ تُوْبُوْا اِلَیْہِ یُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَیْکُمْ مِدْرَارًاوَّیَزِدْکُمْ قُوَّۃًاِلٰی قُوَّتِکُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِیْنَ ﴿۵۲﴾ (ھود)

”اور عاد کی طرف ان کے ہم قوم ھود کو (بھیجا) (حضرت ھود علیہ السلام نے) کہا اے میری قوم اللہ تعالیٰ کو پوجو اس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں تم تو نرے جھوٹے الزام عائد کرنے والے ہو O اے قوم میں اس پر تم سے کچھ اجرت نہیں مانگتا میرا اجر تو اسی کے ذمہ ہے جس نے مجھے پیدا کیا تو کیا تمھیں عقل نہیں O اور اے میری قوم اپنے رب سے معافی چاہو پھر اس کی طرف رجوع لاؤ تم پر زور کا پانی بھیجے گا اور تم میں جتنی قوت ہے اس سے اور زیادہ دے گا اور جرم کرتے ہوئے روگردانی نہ کرو O

پھر حضرت ھود علیہ السلام کی قوم نے حضرت ھود علیہ السلام سے کہا:

قَالُوْا یٰھُوْدُ مَا جِئْتَنَابِبَیِّنَۃٍ وَّمَانَحْنُ بِتَارِکِیْ اٰلِھَتِنَا عَنْ قَوْلِکَ وَمَا نَحْنُ لَکَ بِمُؤْمِنِیْنَ ﴿۵۳﴾ اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّااعْتَرٰکَ بَعْضُ اٰلِھَتِنَا بِسُوْءٍ-----

”بولے اے ھود تم کوئی دلیل لیکر ہمارے پاس نہ آئے اور ہم خالی تمھارے کہنے سے اپنے خداؤں کو چھوڑنے والے نہیں نہ تمھاری بات پر یقین لائیں O ہم تو یہی کہتے ہیں کہ ہمارے کسی خدا کی تمھیں بری جھپٹ پہنچی ---“

کفار نے حضرت ھود علیہ السلام کو نہ ماننے کے ساتھ ساتھ ان پر طعن کرنا بھی شروع کر دیا۔لیکن کفار کے اس لہجے پر خدا نے حضرت ھود علیہ السلام کی طرف سے جواب مرحمت نہ فرمایا بلکہ خود حضرت ھود علیہ السلام نے جواب دیا:

قَالَ اِنِّیْ اُشْھِدُاللّٰہَ وَاشْھَدُوْااَنِّیْ بَرِیْءٌ مِّمَّا تُشْرِکُوْنَ ﴿۵۴﴾ مِنْ دُوْنِہٖ فَکِیْدُوْنِیْ جَمِیْعًاثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۵۵﴾ اِنِّیْ تَوَکَّلْتُ عَلَی اللّٰہِ رَبِّیْ وَ رَبُّکُمْ مَا مِنْ دَآبَّۃٍ اِلَّا ھُوَاٰخِذٌ بِنَاصِیَتِھَااِنَّ رَبِّیْ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۵۶﴾

”کہا میں اللہ تعالیٰ کو گواہ کرتا ہوں اور تم سب گواہ ہو جاؤ کہ میں بیزار ہوں ان سب سے جنھیں تم اللہ کے سوا اس کا شریک کرتے ہو O تم سب ملکر میرا برا چاہو اور مجھے مہلت نہ دو O میں نے اللہ پر بھروسہ کیا جو میرا رب ہے اور تمھارا رب کوئی چلنے

والا نہیں جس کی چوٹی اس کے قبضہ قدرت میں نہ ہو بے شک میرا رب سیدھے راستے پر ملتا ہے''۔
مندرجہ بالا آیات یہ ثابت کرتی ہیں کہ کفار کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ھود علی نبینا وعلیہ السلام کو لفظ قل فرما کر الفاظ عطا نہیں فرمائے بلکہ حضرت ھود علیہ السلام نے خود سے انہیں جواب دیا۔

حضرت صالح علیہ السلام کے متعلق اسلوب وحی

اسی طرح جب حضرت صالح علیہ السلام پر کفار نے سوالات اٹھائے تو انہوں نے بھی خود سے ہی ان کو جوابات مرحمت فرمائے نہ کہ اللہ تعالیٰ نے اسلوب قرآن کی طرح لفظ قل سے ان کی اس معاملے ان کو جوابات کے الفاظ مہیا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ سورۃ ھود میں فرماتے ہیں۔

وَ اِلٰی ثَمُوۡدَ اَخَاهُمۡ صٰلِحًا قَالَ یٰقَوۡمِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ مَا لَکُمۡ مِّنۡ اِلٰهٍ غَیۡرُهٗ هُوَ اَنۡشَاَکُمۡ مِّنَ الۡاَرۡضِ وَاسۡتَعۡمَرَکُمۡ فِیۡهَا فَاسۡتَغۡفِرُوۡهُ ثُمَّ تُوۡبُوۡۤا اِلَیۡهِ اِنَّ رَبِّیۡ قَرِیۡبٌ مُّجِیۡبٌ ﴿۶۱﴾ (ھود)

''اور ثمود کی طرف ان کے ہم قوم صالح کو۔ کہا اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو اسکے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں اس نے تمھیں زمین سے پیدا کیا اور اس میں تمھیں بسایا تو اس سے معافی چاہو اور پھر اسکی طرف رجوع لاؤ بے شک میرا رب قریب ہے دعا سننے والا''۔

قَالُوۡا یٰصٰلِحُ قَدۡ کُنۡتَ فِیۡنَا مَرۡجُوًّا قَبۡلَ هٰذَاۤ اَتَنۡهٰٮنَاۤ اَنۡ نَّعۡبُدَ مَا یَعۡبُدُ اٰبَآؤُنَا وَ اِنَّنَا لَفِیۡ شَکٍّ مِّمَّا تَدۡعُوۡنَاۤ اِلَیۡهِ مُرِیۡبٍ ﴿۶۲﴾ (ھود)

''(ان کی قوم والے) بولے اے صالح (علیہ السلام) اس سے پہلے تو تم ہم میں ہونہار معلوم ہوتے تھے کیا تم ہمیں اس سے منع کرتے ہو کہ اپنے باپ دادا کے معبودوں کو پوجیں اور بے شک جس بات کی طرف ہمیں بلاتے ہو ہم اس سے ایک بڑے دھوکا ڈالنے والے شک میں ہیں''۔
یہاں کفار نے حضرت صالح علیہ السلام پر طعن کیا لیکن حضرت صالح علیہ السلام کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسلوب قرآن کی طرح لفظ قل سے سوالات کے جوابات مرحمت فرما کر معاونت نہ فرمائی گئی۔ اور حضرت صالح علیہ السلام نے خود سے جواب دیا کہ:

قَالَ یٰقَوۡمِ اَرَءَیۡتُمۡ اِنۡ کُنۡتُ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنۡ رَّبِّیۡ وَ اٰتٰٮنِیۡ مِنۡهُ رَحۡمَةً فَمَنۡ یَّنۡصُرُنِیۡ مِنَ اللّٰهِ اِنۡ عَصَیۡتُهٗ فَمَا تَزِیۡدُوۡنَنِیۡ غَیۡرَ تَخۡسِیۡرٍ ﴿۶۳﴾

''(حضرت صالح علیہ السلام) بولے اے میری قوم! بھلا بتاؤ تو اگر میں اپنے رب کی طرف سے روشن دلیل پر ہوں اور اس نے مجھے اپنی طرف سے رحمت بخشی تو مجھے اس سے کون بچائے گا اگر میں اس کی نافرمانی کروں تو تم مجھے سوا نقصان کے کچھ نہ

بڑھاؤ گے''۔

یہ آیات بھی حضرت صالح علیہ السلام کیلیے مختلف اسلوب کلام اللہ کو ظاہر فرما رہی ہیں۔ یعنی قرآن مجید میں نبی کریم ﷺ کو کفار کے مقابلے لفظ قل فرما کر جواب کے الفاظ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوئے لیکن باقی انبیاء کرام نے خود سے جوابات دیئے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق اسلوب وحی

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم نے کہا:

قَالُوۡا نَعۡبُدُ اَصۡنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِيۡنَ ﴿۷۱﴾ (الشعراء)

''بولے ہم بتوں کو پوجتے ہیں پھر ان کے سامنے آسن مارے رہتے ہیں''۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کفار کو جواب دیا:

قَالَ هَلۡ يَسۡمَعُوۡنَكُمۡ اِذۡ تَدۡعُوۡنَ ﴿۷۲﴾ اَوۡ يَنۡفَعُوۡنَكُمۡ اَوۡ يَضُرُّوۡنَ ﴿۷۳﴾ (الشعراء)

''فرمایا کیا وہ تمھاری سنتے ہیں جب تم پکارو O یا تمھیں نفع یا نقصان دیتے ہیں''۔

پھر کفار نے کہا:

قَالُوۡا بَلۡ وَجَدۡنَاۤ اٰبَآءَنَا كَذٰلِكَ يَفۡعَلُوۡنَ ﴿۷۴﴾ (الشعراء)

''بولے بلکہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایسے ہی کرتے پایا''۔

پھر حضرت ابراہیم نے جواب دیا:

قَالَ اَفَرَءَيۡتُمۡ مَّا كُنۡتُمۡ تَعۡبُدُوۡنَ ﴿۷۵﴾ (الشعراء)

''فرمایا تو کیا تم دیکھتے ہو یہ جنہیں پوج رہے ہو''۔

مندرجہ بالا آیات بھی واضح کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا وہ اسلوب کلام جو نبی کریم ﷺ کیلیے رکھا گیا وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بھی مختلف ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی اپنی قوم خود سے جواب دیا نہ کہ اللہ تعالیٰ نے لفظ قل سے جواب کے الفاظ عطا فرمائے۔

حضرت لوط علیہ السلام کے متعلق اسلوب وحی

ان کی قوم نے کہا:

قَالُوۡا لَئِنۡ لَّمۡ تَنۡتَهِ يٰلُوۡطُ لَتَكُوۡنَنَّ مِنَ الۡمُخۡرَجِيۡنَ ﴿۱۶۷﴾ (الشعراء)

''بولے اے لوط اگر تم باز نہ آئے تو ضرور نکال دیئے جاؤ گے''۔

حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی قوم کے جواب میں خود سے فرمایا:

قَالَ اِنِّیۡ لِعَمَلِکُمۡ مِّنَ الۡقَالِیۡنَ ﴿۱۶۸﴾ (الشعراء)

''(حضرت لوط علیہ السلام نے جواب دیا) فرمایا میں تمھارے کام سے بیزار ہوں''۔

حضرت شعیب علیہ السلام کے متعلق اسلوب وحی

کفار نے حضرت شعیب علیہ السلام سے کہا:

قَالُوۡا یٰشُعَیۡبُ اَصَلٰوتُکَ تَاۡمُرُکَ اَنۡ نَّتۡرُکَ مَا یَعۡبُدُ اٰبَآؤُنَاۤ اَوۡ اَنۡ نَّفۡعَلَ فِیۡۤ اَمۡوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ؕ اِنَّکَ لَاَنۡتَ الۡحَلِیۡمُ الرَّشِیۡدُ ﴿۸۷﴾ (ھود)

''بولے اے شعیب کیا تمھاری نماز تمھیں یہ حکم دیتی ہے کہ ہم اپنے باپ دادا کے خداؤں کو چھوڑ دیں یا اپنے مال میں جو چاہیں نہ کریں ہاں جی تمھیں بڑے عقلمند نیک چلن ہو''۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے جواب میں فرمایا کہ:

قَالَ یٰقَوۡمِ اَرَءَیۡتُمۡ اِنۡ کُنۡتُ عَلٰی بَیِّنَۃٍ مِّنۡ رَّبِّیۡ وَ رَزَقَنِیۡ مِنۡہُ رِزۡقًا حَسَنًا ؕ وَ مَاۤ اُرِیۡدُ اَنۡ اُخَالِفَکُمۡ اِلٰی مَاۤ اَنۡہٰکُمۡ عَنۡہُ ؕ اِنۡ اُرِیۡدُ اِلَّا الۡاِصۡلَاحَ مَا اسۡتَطَعۡتُ ؕ وَ مَا تَوۡفِیۡقِیۡۤ اِلَّا بِاللّٰہِ ؕ عَلَیۡہِ تَوَکَّلۡتُ وَ اِلَیۡہِ اُنِیۡبُ ﴿۸۸﴾ (ھود)

''(حضرت شعیب علیہ السلام نے) فرمایا اے میری قوم بھلا بتاؤ تو اگر میں اپنے رب کی طرف سے روشن دلیل پر ہوں اور اس نے مجھے اپنے پاس سے اچھی روزی دی اور میں نہیں چاہتا کہ جس بات سے تمھیں منع کرتا ہوں آپ اس کے خلاف کرنے لگوں میں تو جہاں تک بنے سنوارنا ہی چاہتا ہوں اور میری توفیق اللہ ہی کی طرف سے ہے میں نے اسی پر بھروسہ کیا اور اسی کی طرف رجوع ہوتا ہوں''۔

دوسری آیت میں ہے کہ کفار نے کہا:

قَالُوۡا یٰشُعَیۡبُ مَا نَفۡقَہُ کَثِیۡرًا مِّمَّا تَقُوۡلُ وَ اِنَّا لَنَرٰىکَ فِیۡنَا ضَعِیۡفًا ۚ وَ لَوۡ لَا رَہۡطُکَ لَرَجَمۡنٰکَ ۫ وَ مَاۤ اَنۡتَ عَلَیۡنَا بِعَزِیۡزٍ ﴿۹۱﴾ (ھود)

''(کفار) بولے اے شعیب (علیہ السلام) ہماری سمجھ میں نہیں آتیں تمھاری بہت سی باتیں اور بے شک ہم تمھیں اپنے میں کمزور دیکھتے ہیں اور اگر تمھارا کنبہ نہ ہوتا تو ہم نے تمھیں پتھراؤ کر دیا ہوتا اور کچھ ہماری نگاہ میں تمھیں عزت نہیں''۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے جواب دیا کہ:

قَالَ یٰقَوۡمِ اَرَہۡطِیۡۤ اَعَزُّ عَلَیۡکُمۡ مِّنَ اللّٰہِ ؕ وَ اتَّخَذۡتُمُوۡہُ وَرَآءَکُمۡ ظِہۡرِیًّا ؕ اِنَّ رَبِّیۡ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ

مُحِيطٌ ﴿۹۲﴾ (هود)

''(حضرت شعیب علیہ السلام نے) فرمایا اے میری قوم کیا تم پر میرے کنبہ کا دباؤ اللہ سے زیادہ ہے اور اسے تم نے اپنی پیٹھ کے پیچھے ڈال رکھا بے شک جو کچھ تم کرتے ہو سب میرے رب کے بس میں ہے''۔

دوسری آیت ہے کہ:

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا۔۔﴿۸۸﴾ (الاعراف)

''اس کی قوم کے متکبر سردار بولے اے شعیب قسم ہے کہ ہم تمھیں اور تمھارے ساتھ والے مسلمانوں کو اپنی بستی سے نکال دیں گے یا تم ہمارے دین میں آجاؤ''۔

۔۔۔قَالَ اَوَلَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ ﴿۸۸﴾ قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِيْ مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ نَجّٰنَا اللّٰهُ مِنْهَا۔۔۔﴿۸۹﴾ (الاعراف)

(حضرت شعیب علیہ السلام نے) فرمایا کیا اگرچہ ہم بیزار ہوں ○ ضرور ہم اللہ پر جھوٹ باندھیں اگر ہم تمھارے دین میں آ جائیں بعد اس کے کہ اللہ نے ہمیں اس سے بچایا ہے۔۔۔''

مندرجہ بالا آیات سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حضرت شعیب علیہ السلام کو وحی فرمانے کا انداز بھی ویسا نہیں تھا جیسا نبی کریم ﷺ کے ساتھ ہے یعنی نبی کریم ﷺ کو تو کفار کے مقابلے جوابات کے طور پر وحی نازل فرمائی گئی لیکن حضرت شعیب علیہ السلام نے خود سے جواب مرحمت فرمائے۔

تیرہویں فصل

نبی کریم ﷺ کیلیے اللہ تعالیٰ کا مخصوص اسلوبِ قرآن

یہاں ان آیات کو پیش کیا جاتا ہے جو متن اور مفہوم کے لحاظ سے ایک جیسی ہیں لیکن باقی انبیاء کرام نے خود سے فرمائیں اور نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے لفظ قل سے خطاب فرما کر وہی آیات بیان کرنے کا فرمایا:

حضرت نوح علیہ السلام کیلیے اسلوبِ وحی

حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا:

وَمَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾ (الشعراء)

''اور میں تم سے کچھ اس پر اجرت نہیں مانگتا، میرا اجر تو اسی پر ہے جو سارے جہان کا رب ہے''۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیلیے خاص اسلوب وحی

لیکن جب یہی الفاظ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے لوگوں تک پہنچے تو ان کا اسلوب مختلف تھا۔

قُلْ لَا اَسْئَلُکُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰی ---﴿۲۳﴾(الشوریٰ)

''(اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم) آپ فرما دیں میں اس پر تم سے کچھ اجرت نہیں مانگتا مگر قرابت کی محبت''۔

قُلْ مَاا اَسْئَلُکُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ-- ﴿۵۷﴾(الفرقان)

''آپ فرما دیں میں اس پر تم سے کچھ اجرت نہیں مانگتا''۔

کیونکہ-----فَاِنَّکَ بِاَعْیُنِنَا---﴿۴۸﴾(الطّور)

''بے شک (اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ہماری نگہداشت میں ہیں''۔

اِنَّا کَفَیْنٰکَ الْمُسْتَهْزِءِ یْنَ﴿۹۵﴾(الحجر)

''بے شک ان ہنسنے والوں پر ہم تمھیں کفایت کرتے ہیں''۔

دوسری آیت حضرت نوح علیہ السلام کیلیے

وَلَا اَقُوْلُ لَکُمْ عِنْدِیْ خَزَائِنُ اللّٰهِ وَلَا اَعْلَمُ الْغَیْبَ وَلَا اَقُوْلُ اِنِّیْ مَلَکٌ وَلَا اَقُوْلُ لِلَّذِیْنَ تَزْدَرِیْ اَعْیُنُکُمْ لَنْ یُّؤْتِیَهُمُ اللّٰهُ خَیْرًااَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِیْ اَنْفُسِهِمْ اِنِّیْ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِیْنَ﴿۳۱﴾(هود)

''اور میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہ میں غیب جان لیتا ہوں اور نہ یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں اور میں انہیں نہیں کہتا جنہیں تمھاری نگاہیں حقیر سمجھتی ہیں کہ ہرگز انہیں اللہ تعالیٰ کوئی بھلائی نہ دے گا اللہ تعالیٰ خوب جانتے ہیں جو ان کے دلوں میں ہے ایسا کروں تو ضرور میں ظالموں میں سے ہوں''۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیلیے خاص اسلوبِ وحی

قُلْ لَا اَقُوْلُ لَکُمْ عِنْدِیْ خَزَائِنُ اللّٰهِ وَلَا اَعْلَمُ الْغَیْبَ وَلَا اَقُوْلُ لَکُمْ اِنِّیْ مَلَکٌ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰی اِلَیَّ---﴿۵۰﴾(الانعام)

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما دیجئے میں تم سے نہیں کہتا میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہوں کہ میں آپ غیب جان لیتا ہوں اور نہ تم سے یہ کہوں کہ میں فرشتہ ہوں میں تو اسی کا تابع ہوں جو مجھے وحی آتی ہے''۔

تیسری آیت حضرت نوح علیہ السلام کیلیے

حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا:

قَالَ یٰقَوْمِ اَرَءَ یْتُمْ اِنْ کُنْتُ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ﴿۳۱﴾ (هود)

نبی کریم ﷺ کیلیے خاص اسلوبِ وحی

قُلۡ اِنِّیۡ عَلٰی بَیِّنَۃٍ مِّنۡ رَّبِّیۡ۔۔۔﴿۵۷﴾(الانعام)

''آپ ﷺ فرمادیں میں تو اپنے رب کی طرف سے روشن دلیل پر ہوں۔

''(حضرت نوح علیہ السلام) بولے اے میری قوم بھلا بتاؤ تو اگر میں اپنے رب کی طرف سے دلیل پر ہوں''۔

حضرت نوح علیہ السلام نے خود سے فرمایا اور وہی الفاظ نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے فرمانے کیلیے عطا فرمائے۔

چوتھی آیت حضرت نوح علیہ السلام کیلیے

حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ سے دعا کی:

قَالَ رَبِّ انۡصُرۡنِیۡ بِمَا کَذَّبُوۡنِ﴿۲۶﴾ (المؤمنون)

''(حضرت نوح علیہ السلام نے) فرمایا اے میرے رب میری مدد فرما اس پر کہ انہوں نے مجھے جھٹلایا''۔

نبی کریم ﷺ کیلیے خاص اسلوبِ وحی

اِنَّا کَفَیۡنٰکَ الۡمُسۡتَہۡزِءِیۡنَ﴿۹۵﴾(الحجر)

''بے شک ان ہنسنے والوں پر ہم تمھیں کفایت کرتے ہیں''۔

جو چیز حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے مانگ کے لی وہ نبی کریم ﷺ کو بنا مانگے عطا فرمائی۔

حضرت ھود علیہ السلام کیلیے اسلوبِ وحی

حضرت ھود علیہ السلام نے فرمایا:

وَمَاۤ اَسۡـَٔلُکُمۡ عَلَیۡہِ مِنۡ اَجۡرٍ اِنۡ اَجۡرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ﴿۱۲۷﴾(الشعراء)

''اور میں تم سے کچھ اس پر اجرت نہیں مانگتا، میرا اجر تو اسی پر ہے جو سارے جہان کا رب ہے''۔

نبی کریم ﷺ کیلیے خاص اسلوبِ وحی

لیکن جب یہی الفاظ نبی کریم ﷺ کے واسطے سے لوگوں تک پہنچے تو ان کا اسلوب مختلف تھا۔

قُلۡ لَّاۤ اَسۡـَٔلُکُمۡ عَلَیۡہِ اَجۡرًا اِلَّا الۡمَوَدَّۃَ فِی الۡقُرۡبٰی۔۔۔﴿۲۳﴾(الشوریٰ)

''(اے محبوب ﷺ) آپ فرمادیں میں اس پر تم سے کچھ اجرت نہیں مانگتا مگر قرابت کی محبت''۔

قُلۡ مَاۤ اَسۡـَٔلُکُمۡ عَلَیۡہِ مِنۡ اَجۡرٍ۔۔۔﴿۵۷﴾(الفرقان)

''آپ فرمادیں میں اس پر تم سے کچھ اجرت نہیں مانگتا''۔

حضرت ھود علیہ السلام نے خود سے فرمایا اور وہی الفاظ نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے فرمانے کیلیے عطا فرمائے تو ماننا پڑے گا کہ

وہ ہستی جو خواص الخاص ہے (یعنی حضرت ھود علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے خواص میں سے ہیں لیکن نبی کریم ﷺ ان خواص سے بھی اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ خاص ہیں) کہ ایک ہی الفاظ کا اسلوب دو ہستیوں کیلیے مختلف ہے۔ایک ہستی نے خود وہی الفاظ ادا فرمائے اور دوسری ہستی کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے الفاظ عطا فرمائے گئے تو کون سی ہستی اپنی شان و مرتبے میں بلند و ارفع ہے یقیناً وہی کہ جس کا کلام خدا کے الفاظ ہیں۔تو ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا کلام نبی کریم ﷺ کیلیے اور ہے اور باقی انبیاء کیلیے اور۔

حضرت لوط علیہ السلام کیلیے اسلوبِ وحی

حضرت لوط علیہ السلام نے فرمایا:

وَمَا اَسۡئَلُکُمۡ عَلَیۡهِ مِنۡ اَجۡرٍ اِنۡ اَجۡرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الۡعَالَمِیۡنَ ﴿۱۶۴﴾ (الشعراء)

”اور میں تم سے کچھ اس پر اجرت نہیں مانگتا، میرا اجر تو اسی پر ہے جو سارے جہان کا رب ہے“۔

نبی کریم ﷺ کیلیے خاص اسلوبِ وحی

لیکن جب یہی الفاظ نبی کریم ﷺ کے واسطے سے لوگوں تک پہنچے تو ان کا اسلوب مختلف تھا۔

قُلۡ لَا اَسۡئَلُکُمۡ عَلَیۡهِ اَجۡرًا اِلَّا الۡمَوَدَّةَ فِی الۡقُرۡبٰی ۔۔۔﴿۲۳﴾ (الشوریٰ)

”(اے محبوب ﷺ) آپ فرما دیں میں اس پر تم سے کچھ اجرت نہیں مانگتا مگر قرابت کی محبت“۔

قُلۡ مَاا اَسۡئَلُکُمۡ عَلَیۡهِ مِنۡ اَجۡرٍ۔۔ ﴿۵۷﴾ (الفرقان)

”آپ فرما دیں میں اس پر تم سے کچھ اجرت نہیں مانگتا“۔

حضرت صالح علیہ السلام کیلیے اسلوبِ وحی

پہلی آیت حضرت صالح علیہ السلام کیلیے

قَالَ یٰقَوۡمِ اَرَءَ یۡتُمۡ اَنۡ کُنۡتُ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنۡ رَّبِّیۡ ﴿۶۳﴾ (هود)

”(حضرت صالح علیہ السلام) بولے اے میری قوم بھلا بتاؤ تو اگر میں اپنے رب کی طرف سے دلیل پر ہوں“۔

نبی کریم ﷺ کیلیے خاص اسلوبِ وحی

قُلۡ اِنِّیۡ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنۡ رَّبِّیۡ۔۔۔﴿۵۷﴾ (الانعام)

”آپ ﷺ فرما دیں میں تو اپنے رب کی طرف سے روشن دلیل پر ہوں“۔

دوسری آیت حضرت صالح علیہ السلام کیلیے

وَمَا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ﴿۱۴۵﴾ (الشعراء)

''اور میں تم سے کچھ اس پر اجرت نہیں مانگتا، میرا اجر تو اسی پر ہے جو سارے جہان کا رب ہے''۔

نبی کریم ﷺ کیلیے خاص اسلوبِ وحی

لیکن جب یہی الفاظ نبی کریم ﷺ کے واسطے سے لوگوں تک پہنچے تو ان کا اسلوب مختلف تھا۔

قُلْ لَا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى ---﴿۲۳﴾ (الشوریٰ)

''(اے محبوب ﷺ) آپ فرمادیں میں اس پر تم سے کچھ اجرت نہیں مانگتا مگر قرابت کی محبت''۔

قُلْ مَاا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ-- ﴿۵۷﴾ (الفرقان)

''آپ فرمادیں میں اس پر تم سے کچھ اجرت نہیں مانگتا''۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کیلیے اسلوبِ وحی

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا:

وَقَدْ تَعْلَمُوْنَ اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ---﴿۵﴾ (الصّف)

''اور بے شک تم جانتے ہو کہ میں تمھاری طرف اللہ کا رسول ہوں''۔

نبی کریم ﷺ کیلیے خاص اسلوبِ وحی

اللہ تعالیٰ نے وہی بات نبی کریم ﷺ سے ان الفاظ میں کہلوائی:

قُلْ يٰأَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا---﴿۱۵۸﴾ (الاعراف)

''(اے محبوب ﷺ) آپ فرمادیں اے لوگو! بے شک میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں''۔

حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود سے فرمایا کہ میں اللہ کا رسول ہوں لیکن نبی کریم ﷺ سے اللہ نے فرمانے کو کہا کہ اے محبوب ﷺ آپ فرمادیں کہ بے شک میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کیلیے اسلوبِ وحی

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا:

وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ يٰبَنِيْ اِسْرَاءِ يْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ---﴿۶﴾ (الصّف)

''اور یاد کرو جب عیسیٰ بن مریم نے کہا اے بنی اسرائیل بے شک میں تمھاری طرف اللہ کا رسول ہوں''۔

نبی کریم ﷺ کیلیے خاص اسلوبِ وحی

اللہ تعالیٰ نے وہی بات نبی کریم ﷺ سے ان الفاظ میں کہلوائی:

قُلۡ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیۡ رَسُوۡلُ اللّٰهِ اِلَیۡکُمۡ جَمِیۡعًا۔۔۔﴿۱۵۸﴾(الاعراف)

’’(اے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ فرما دیں اے لوگو! بے شک میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں‘‘۔

حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود سے فرمایا کہ میں اللہ کا رسول ہوں لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اللہ نے فرمانے کو کہا کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ فرما دیں کہ بے شک میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔

حضرت شعیب علیہ السلام کیلیے اسلوبِ وحی

پہلی آیت حضرت شعیب علیہ السلام کیلیے

حضرت شعیب علیہ ا نے فرمایا:

وَمَاۤ اَسۡئَلُکُمۡ عَلَیۡهِ مِنۡ اَجۡرٍ اِنۡ اَجۡرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۱۸۰﴾(الشعراء)

’’اور میں تم سے کچھ اس پر اجرت نہیں مانگتا، میرا اجر تو اسی پر ہے جو سارے جہان کا رب ہے‘‘۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلیے خاص اسلوبِ وحی

لیکن جب یہی الفاظ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطے سے لوگوں تک پہنچے تو ان کا اسلوب مختلف تھا۔

قُلۡ لَّاۤ اَسۡئَلُکُمۡ عَلَیۡهِ اَجۡرًا اِلَّا الۡمَوَدَّةَ فِی الۡقُرۡبٰی۔۔۔﴿۲۳﴾(الشوریٰ)

’’(اے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ فرما دیں میں اس پر تم سے کچھ اجرت نہیں مانگتا مگر قرابت کی محبت‘‘۔

قُلۡ مَاۤ اَسۡئَلُکُمۡ عَلَیۡهِ مِنۡ اَجۡرٍ۔۔۔ ﴿۵۷﴾(الفرقان)

’’آپ فرما دیں میں اس پر تم سے کچھ اجرت نہیں مانگتا‘‘۔

دوسری آیت حضرت شعیب علیہ السلام کیلیے

قَالَ یٰقَوۡمِ اَرَءَیۡتُمۡ اِنۡ کُنۡتُ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنۡ رَّبِّیۡ﴿۸۸﴾ (ھود)

’’(حضرت شعیب علیہ السلام) بولے اے میری قوم بھلا بتاؤ تو اگر میں اپنے رب کی طرف سے دلیل پر ہوں‘‘۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلیے خاص اسلوبِ وحی

قُلۡ اِنِّیۡ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنۡ رَّبِّیۡ۔۔۔﴿۵۷﴾(الانعام)

’’آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما دیں میں تو اپنے رب کی طرف سے روشن دلیل پر ہوں‘‘۔

نہ صرف یہی بلکہ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء علیھم السلام کے روشن دلیل پر ہونے کی تصدیق بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے واضح کرادی کہ جس میں اگر کا لفظ استعمال نہیں کیا گیا بلکہ واضح بتادیا کہ وہ انبیاء کرام علیھم السلام اللہ کی طرف سے روشن دلیل پر تھے۔

قُلۡ قَدۡ جَآءَکُمۡ رُسُلٌ مِّنۡ قَبۡلِیۡ بِالۡبَیِّنٰتِ۔۔۔﴿۱۸۳﴾(ال عمران)

''آپ ﷺ فرما دیں مجھ سے پہلے بہت سے رسول تمھارے پاس کھلی نشانیاں لیکر آئے''۔

اسی پر ہی اکتفاء نہ ہوا بلکہ اللہ تعالیٰ نے خود نبی کریم ﷺ کو روشن دلیل قرار دے دیا:

لَمۡ یَکُنِ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡ اَہۡلِ الۡکِتٰبِ وَالۡمُشۡرِکِیۡنَ مُنۡفَکِّیۡنَ حَتّٰی تَاۡتِیَہُمُ الۡبَیِّنَۃُ ﴿۱﴾ (البینۃ)

''کتابی کافر اور مشرک اپنا دین بالکل چھوڑنے کو نہ تھے جب تک ان کے پاس روشن دلیل نہ آئے''۔

اس آیت میں روشن دلیل سے مراد نبی کریم ﷺ ہیں۔

تمام رسولوں کے اللہ کی طرف سے روشن دلیل پر ہونے کو اگر کے ساتھ فرمایا لیکن نبی کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنے لیے بھی اگر کا استعمال نہیں فرمایا بلکہ فرمایا کہ میں تو اپنے رب کی طرف سے روشن دلیل پر ہوں اور تمام رسولوں کی بھی تصدیق فرما دی کہ جیسے کسی رسول نے فرمایا کہ اگر میں اپنے رب کی طرف سے روشن دلیل پر ہوں لیکن نبی کریم ﷺ کو اللہ پاک نے لفظ قل سے خطاب فرما کر کہلوایا کہ اے محبوب ﷺ آپ فرما دیں وہ رسول بھی اپنے رب کی طرف سے روشن دلیل پر تھے اور پھر نبی کریم ﷺ کو قرآن مجید میں روشن دلیل فرما دیا۔

یہ خدا کی نبی کریم ﷺ پر عنایات ونوازشات اس لیے ہیں کہ:

۔۔۔فَاِنَّکَ بِاَعۡیُنِنَا۔۔۔ ﴿۴۸﴾ (الطّور)

''پس بے شک آپ ہماری نگہداشت میں ہیں''۔

جو بات باقی انبیاء نے خود سے فرمائی وہی بات اللہ تعالیٰ نے لفظ قل سے خطاب فرما کر اور الفاظ عطا فرما کر نبی کریم ﷺ سے کہلوائی۔

اب اسی بات کو ایک اور انداز میں پیش کیا جاتا ہے۔

تیسری آیت حضرت شعیب علیہ السلام کیلیے

قَالَ الۡمَلَاُ الَّذِیۡنَ اسۡتَکۡبَرُوۡا مِنۡ قَوۡمِہٖ لَنُخۡرِجَنَّکَ یٰشُعَیۡبُ وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَکَ مِنۡ قَرۡیَتِنَاۤ اَوۡ لَتَعُوۡدُنَّ فِیۡ مِلَّتِنَا۔ ﴿۸۸﴾ (الاعراف)

''اس کی قوم کے متکبر سردار بولے اے شعیب قسم ہے کہ ہم تمھیں اور تمھارے ساتھ والے مسلمانوں کو اپنی بستی سے نکال دیں گے یا تم ہمارے دین میں آجاؤ''۔

حضرت شعیب علیہ السلام سے کفار نے کہا کہ آپ ہمارے دین میں آجائیں تو حضرت شعیب علیہ السلام نے خود سے جواب دیا:

۔۔۔قَالَ اَوَلَوۡ کُنَّا کٰرِہِیۡنَ ﴿۸۸﴾ قَدِ افۡتَرَیۡنَا عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا اِنۡ عُدۡنَا فِیۡ مِلَّتِکُمۡ بَعۡدَ اِذۡ نَجّٰنَا اللّٰہُ

مِنۡهَا۔۔۔﴿۸۹﴾(الاعراف)

''(حضرت شعیب علیہ السلام نے)فرمایا کیا اگر چہ ہم بیزار ہوں O ضرور ہم اللہ پر جھوٹ باندھیں اگر ہم تمھارے دین میں آجائیں بعداس کے کہ اللہ نے ہمیں اس سے بچایا ہے''۔

نبی کریم ﷺ کیلیے خاص اسلوبِ وحی

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ یہاں کفار کی طرف سے سوال بھی وہی ہے جومشرکین نے نبی کریم ﷺ سے کیا تھا کہ آپ ہمارے دین میں آجائیں جیسا کہ سورۃ الکٰفرون کے شان نزول میں ہے۔لیکن اس کے جواب میں حضرت شعیب علیہ السلام نے خود جواب دیا لیکن اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی معاونت اپنے الفاظ میں لفظ قل سے خطاب فرما کراور جواب کے الفاظ عطا فرما کر کی۔

اور جب یہی بات مشرکین نے نبی کریم ﷺ سے کی تو نبی کریم ﷺ نے خود سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے جواب کے الفاظ لفظ قل فرما کر عطا فرمائے اورایسا سوال کرنے والوں پر کفر کی مہر فرما دی۔

سورۃ کافرون کا شان نزول ہے کہ کفار میں سے ولید بن مغیرہ، عاص بن وائل، اسود بن عبدالمطلب اور امیہ بن خلف، رسول اللہ ﷺ سے ملے اور کہا: اے محمد! آؤ ہم اس کی عبادت کرتے ہیں جسکی تم عبادت کرتے ہواور تم اس کی عبادت کرو جسکی ہم عبادت کرتے ہیں ہم اور تم سب اپنے امر میں شریک ہو جاتے ہیں اگر وہ چیز جو تم لائے ہو وہ اس سے بہتر ہے جو ہمارے پاس ہے تو ہم نے اس میں تمھارے ساتھ شرکت کر لی اور ہم نے اس سے اپنا حصہ لے لیا۔اگر وہ چیز جو ہمارے پاس ہے وہ اس سے بہتر ہے جو آپ لائے ہیں تو تم ہمارے معاملے میں شریک ہو جاؤ گے اور اس میں سے اپنا حصہ لے لوگے تو اللہ تعالیٰ نے سورۃ کافرون نازل فرمائی۔

(تفسیر قرطبی۔جلد۱۰۔صفحہ۵۲۶)

(تفسیر ابن عباس۔جلد۳۔صفحہ۴۹۸)

(تفسیر در منثور۔جلد۶۔صفحہ۱۱۵۲)

یہ تھا سورۃ کافرون کا شان نزول، اب اس سورۃ کا متن ملاحظہ ہو

قُلۡ يَٰٓأَيُّهَا ٱلۡكَٰفِرُونَ۔۔اس مسئلہ کو سمجھنے کیلیے یہی ایک آیت کافی ہے۔

ایک تو یہ کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی طرف سے جواب ارشاد فرمایا اور لفظ قل سے حکم فرما کر جواب کے الفاظ عطا فرما دیئے اور دوسرا یہ کہ:

تفسیر قرطبی میں ہے الکفرون پر جو۔الف اور لام۔ہے اس سے مراد معین کافر ہیں نہ کہ تمام کفار۔اگر چہ اس کی صفت

ہونے کے بنا پر یہ جنس کیلیے ہیں کیونکہ اس میں ان لوگوں سے خطاب کیا جا رہا ہے جن کے بارے اللہ تعالیٰ کی طرف سے طے تھا کہ یہ کفر پر مریں گے تو یہ وہ خاص ہے جو عام لفظ کے ساتھ واقع ہوا ہے اس کی مثل ماوردی سے مروی ہے کہ یہ کلام جواب کے طور پر واقع ہوا اور کافروں سے مراد معین لوگ ہیں تمام کافر مراد نہیں کیونکہ کافروں میں سے کچھ ایمان لے آئے تھے اور مسلمان ہوئے اور کچھ ان میں سے کفر پر مرے یا قتل ہوئے۔ وہی لوگ اس خطاب کے مخاطب ہیں۔

(تفسیر قرطبی۔ جلد ۱۰۔ صفحہ ۵۲۶)

قُلْ يٰاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ O اس کے مخاطب مخصوص کافر ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ وہ ایمان نہ لائیں گے۔

(تفسیر مدارک۔ جلد ۳۔ صفحہ ۱۱۶۸)

تو معلوم ہوا کہ ہمارے نبی مکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام سے ہی باقی انبیاء علیھم السلام پر برتری واضح کر دی۔

کیونکہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

۔۔۔فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا۔۔۔﴿۴۸﴾ (الطّور)

''بے شک (اے محبوب ﷺ) آپ ہماری نگہداشت میں ہیں''۔

اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ﴿۹۵﴾ (الحجر)

''بے شک ان ہنسنے والوں پر ہم تمھیں کفایت کرتے ہیں''۔

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ۔۔۔﴿۳۶﴾ (الزمر)

''کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندے (محمد مصطفیٰ ﷺ) کو کافی نہیں''۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

قُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ۔۔۔﴿۳۸﴾ (الزمر)

''(اے محبوب ﷺ) فرما دیں مجھے اللہ کافی ہے''۔

دشمنوں کے مقابلے مدد کرنے کا اعادہ ایک اور آیت میں بھی فرمایا گیا

وَكَفٰى بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّ نَصِيْرًا ﴿۳۱﴾ (الفرقان)

''اور تمھارا رب کافی ہے ہدایت کرنے اور مدد دینے کو''۔

ایک اور جگہ فرمایا:

وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا ﴿۱۰﴾ وَذَرْنِيْ وَالْمُكَذِّبِيْنَ اُولِي النَّعْمَةِ وَ

مَهِّلْهُمْ قَلِيْلاً ﴿ ١١ ﴾ (المزمل)

''اوران (کافروں) کی باتوں پر صبر فرماؤ اور انہیں اچھی طرح چھوڑ دو O اور مجھ پر چھوڑ وان جھٹلانے والے مالداروں کو اور انہیں تھوڑی مہلت دو O''۔

یہ آیت بھی سبب نزول لفظ قل کو بیان فرما رہی ہے۔

اب اسی بات کو دوسرے انداز سے پیش کیا جاتا ہے کہ:

ایسا نہیں اللہ تعالیٰ نے خود تو اپنے کلام میں نبی کریم ﷺ سے متعلق سابقہ انبیاء کرام سے اسلوب کلام مختلف رکھا لیکن نبی کریم ﷺ کے پیروکار وہی اسلوب استعمال کرتے جو سابقہ انبیاء علیھم السلام کے امتی انہیں بلاتے تھے۔ جیسا کہ حضرت ہود علیہ السلام کے بارے ہے:

يٰاهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَة ﴿ ۵۳ ﴾ (سورة هود)

''اے ھود تم ہمارے پاس کوئی واضح دلیل نہیں لائے''۔

دوسری آیت میں حضرت صالح علیہ السلام کی قوم نے انہیں پکارا:

یا صالح قد کنت فینا مرجوا قبل هذا ﴿ ٦٢ ﴾ (سورة هود)

''اے صالح اس س قبل تو تم ہمارے لیے امیدوں کا مرکز تھے''۔

تیسری آیت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے انہیں پکارا:

یا موسی اجعل لنا الها کما لهم الهة ﴿ ١٣٨ ﴾ (سورة الاعراف)

''اے موسیٰ ہمارے لیے معبود بناؤ جیسا کہ ان لوگوں کیلیے معبود ہیں''۔

چوتھی آیت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کی قوم نے کہا:

یموسیٰ هل یستطیع ربك ان ینزل علینا مائدة من السماء ﴿ ١١٢ ﴾ (سورة المائدة)

''اے عیسیٰ بن مریم کیا تمھارا رب اس امر کی استطاعت رکھتا ہے کہ ہمارے لیے آسمان سے دستر خوان نازل فرمائے''۔

الغرض ہر نبی کو ان کی قوم نے بوقت خطاب ان کے ذاتی نام سے پکارا لیکن جب حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی باری آئی تو اللہ تعالیٰ نے اعلان فرما دیا:

ولا تجعلوا دعاء الرسول بینکم کدعاء بعضکم بعضا ﴿ ٦٣ ﴾ (سورة النور)

''رسول کو اس طرح نہ پکارو جیسا تم ایک دوسرے کو پکارتے ہو''۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے اس آیت مقدسہ سے مراد یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کو یا محمد کہہ کر نہ

پکارو بلکہ یارسول اللہ ﷺ کہہ کر پکارو۔
(الوفاء باحوال المصطفیٰ ﷺ ۔صفحہ ۴۰۸)

امام ابن جوزی ایک اور جگہ پہ فرماتے ہیں:

ساتویں وجہ تقدیم وتشریف اور فوقیت وفضیلت یہ ہے کہ پہلے انبیاء کرام اپنی امم کافرہ کے طعن وتشنیع اوراعتراضات کا جواب خود دیتے تھے لیکن نبی کریم ﷺ کی طرف سے اللہ تعالیٰ نے جواب دیا۔
(الوفاء باحوال المصطفیٰ ﷺ ۔صفحہ ۴۰۸)

نکتہ:

اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتے ہیں:

يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۷۴﴾ (ال عمران)
''اپنی رحمت سے خاص کرتا ہے جسے چاہے، اور اللہ بہت بڑے فضل والا ہے''۔

اس آیت میں رحمت سے مراد نبوت اور رسالت ہے۔اس آیت میں اگر چہ رحمت کا ذکر اللہ کے فضل سے پہلے ہے لیکن آیت میں رحمت کو اللہ کا فضل قرار دیا گیا ہے۔

ایک اور آیت میں ہے:

وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ۔۔۔﴿۶۷﴾ (المائدۃ)
''اور اللہ تمھاری نگہبانی کرے گا لوگوں سے''۔

اس آیت میں اللہ کے عظیم فضل کا بیان ہے۔اللہ تعالیٰ کی رحمت یعنی نبوت ورسالت اللہ تعالیٰ کے بڑے فضل سے ہے اور فضل کو رحمت پر مقدم رکھا گیا ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے۔

وَلَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ ﴿۱۱۳﴾ (سورۃ النساء)

اللہ تعالیٰ کا فضل اسکی رحمت سے پہلے آیا ہے۔اوراس نبوت اور رسالت کا تاج تو اللہ تعالیٰ کے بہت سے بندوں کے سر سجا ۔لیکن دیکھا جائے گا کہ سب سے زیادہ رحمت کس پر ہوئی یعنی یوں کہہ لو کہ رحمت میں تو بہت بندوں نے اپنا اپنا حصہ لیا اللہ تعالیٰ کا عظیم فضل کسے ملا تو اس پر یہ آیت دلالت کرتی ہے۔

:وَ كَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا۔۔اور آپ ﷺ پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل ہے۔

تو اگر کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کا اپنے نبی کریم ﷺ کی طرف سے جواب دینا بھی اسی فضل سے ہے تو غلط نہ ہوگا۔کیونکہ نبی کریم ﷺ کا اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بزرگ وبرتر ہونا اللہ تعالیٰ کے کلام سے واضح ہے۔اور پھر فرمایا اب جب کہ اللہ تعالیٰ

کا سب سے بڑا فضل نبی کریم ﷺ پر ہے تو اللہ تعالیٰ نے پھر وہی قل ھو اللہ احد والا اسلوب استعمال کرتے ہوئے فرمایا:

قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ ﴿۷۳﴾ (سورۃ ال عمران)

''(اے محبوب ﷺ) آپ فرما دیں کہ فضل تو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے''۔

کیا ہم اس بات پر بحث کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب نبی ﷺ کو اپنی تمام مخلوق پر برتری دی اور نبی کریم ﷺ کی شان کو کلام الٰہی سے واضح کرنے کیلیے دلائل دینے پڑتے ہیں اور لفظ قل سے نبی کریم ﷺ کے واسطے اور وسیلے کے استدلال پر اعتراض کیے جاتے ہیں حالانکہ ہم جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے قرآن میں اس بات کی وضاحت کر دی۔

وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ ﴿۳﴾ (القلم)

''اور ضرور تمھارے لیے بے انتہا ثواب ہے''۔

اللہ تعالیٰ نے ایک نہ ختم ہونے والے ثواب کو نبی کریم ﷺ سے مختص فرمایا ہے۔ اگر ہم جانتے ہوتے کہ اللہ تعالیٰ کا نہ ختم ہونے والا ثواب کیا ہے تو ہم نبی کریم ﷺ کے اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے واسطے پر بحث ہی نہ کرتے کیونکہ اسی نہ ختم ہونے والے ثواب میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم ﷺ کے ذکر کو بلند کرنے کیلیے لوگوں کو نبی کریم ﷺ سے ذریعے سے خود تک پہنچنے کا فرمایا ہے۔ اس پر مدلل بحث گزر چکی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا اپنے نبی کریم ﷺ کو بے انتہا ثواب کا وعدہ زیر بحث لانا ضروری ہے۔

کیا آپ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بے انتہا چیز کی حیثیت کیا ہے؟

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اِنَّهُمْ يَرَوْنَهٗ بَعِيْدًا ﴿۶﴾ وَّ نَرٰهُ قَرِيْبًا ﴿۷﴾ (المعارج)

''بے شک وہ اسے دور سمجھ رہے ہیں O اور ہم اسے نزدیک دیکھ رہے ہیں''۔

قیامت اللہ تعالیٰ کیلیے نزدیک چیز ہے اور یہی بات اللہ پاک نے کئی انبیاء سے فرمائی۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا:

اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ۔۔۔ ﴿۱۵﴾ (طٰہٰ)

''(اے موسیٰ) بے شک قیامت آنے والی ہے''۔

دوسری آیت میں ہے:

اِنَّا اَنْذَرْنٰكُمْ عَذَابًا قَرِيْبًا ﴿۴۰﴾ (النباء)

''بے شک ہم تمھیں ایک عذاب سے ڈراتے ہیں کہ قریب آ گیا''۔

اللہ تعالیٰ کے نزدیک قیامت اور عذاب آخرت قریب ہے اور یہ کم وبیش چودہ سو سال پہلے کی باتیں ہے اور نہیں معلوم کہ قیامت کب آئے گی اور عذاب آخرت تو اس کے بعد کی بات ہے۔ تو سمجھنا چاہیے کہ اللہ کا قریب اتنا دور ہے تو اس کا بے انتہا اور بہت زیادہ ثواب جس کا وعدہ نبی کریم ﷺ سے ہے وہ کتنا ہوگا۔ اور اگر اسی بے انتہا ثواب میں سے ایک یہ بھی ہو کہ اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے لیکن اپنے نبی کریم ﷺ کا ذکر بلند کرنے کیلیے اللہ تعالیٰ نے خود تک پہنچنے کا ذریعہ اپنے نبی کریم ﷺ کو بنایا تو اس میں شک کی کیا گنجائش ہے؟۔

تو جس پر اللہ تعالیٰ کا فضل عظیم ہے تو لازم ہے کہ جو انعامات اس ذات پر ہوں وہ کسی اور پر نہ ہوں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ کے قرآن مجید میں بیان کردہ لفظ قل کے ساتھ جواب کے الفاظ عطا کرنا صرف نبی کریم ﷺ سے مختص ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس فضل عظیم کا حصہ ہے۔

چودہویں فصل

اللہ تعالیٰ فرما سکتے تھے کہ یایھا الناس، یا فرما سکتے تھے: یا یھا المشرکین ، یا کسی اور نام سے کفار سے خطاب کر سکتے تھے لیکن اپنے نبی کریم ﷺ کے توسط سے کفار کو جواب دینے کا مطلب ہے وَ رَفَعۡنَا لَکَ ذِکۡرَکَ ﴿۴﴾ (الانشراح) ''اور ہم نے آپ کیلیے آپ کا ذکر بلند کر دیا''۔ اگر کسی کے ذہن میں یہ خیال آئے کہ اللہ اس چیز سے بے نیاز ہے کہ کسی کے واسطہ سے اپنی ذات وصفات کا اظہار فرمائے۔

تو اس پر دلیل یہ آیت ہے:

وَاسۡتَغۡفِرۡ لَهُمُ اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۶۲﴾ (النور)

''اور ان کے لیے اللہ سے معافی مانگیں بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے''۔

اللہ تعالیٰ بخشنے والی ذات ہے اور کسی کی محتاج نہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے بخشنے کے قاعدے ہیں اور انہیں قاعدوں کو اس آیت میں بیان کیا گیا ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے لیکن اللہ تعالیٰ نبی کریم ﷺ کے وسیلے سے معاف فرمائیں گے ورنہ نبی کریم ﷺ کا مسلمانوں کی بخشش مانگنے کا کیا مطلب؟ بالکل اسی طرح اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ وہ براہ راست اپنی معرفت پہنچائے لیکن اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں کہ ہر انسان اس ذات تک پہنچ سکے اسی بات کو لفظ قل میں پوشیدہ کر دیا گیا ہے کہ جیسے لوگوں کے گناہ نبی کریم ﷺ کے واسطے سے معاف کیے جاتے ہیں اسی طرح انہیں اللہ احد کی طرف رہنمائی بھی نبی کریم ﷺ کے واسطے سے کی جاتی ہے۔

یہ حدیث بھی اس پر دلالت کرتی ہے:

سعید بن میناء کا بیان ہے کہ میں نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ کچھ فرشتے نبی کریم رؤف رحیم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے جبکہ آپ ﷺ سوئے ہوئے تھے ان میں سے ایک نے کہا کہ یہ تو سوئے ہوئے ہیں، دوسرے نے کہا کہ ان کی آنکھ سوتی اور دل جاگتا رہتا ہے۔ پس انہوں نے کہا کہ آپ کے ان صاحب کی مثال ہے لہٰذا وہ مثال بیان کرو۔ ایک نے کہا کہ وہ تو سوئے ہوئے ہیں دوسرے نے کہا کہ آنکھ سوتی اور دل بیدار رہتا ہے۔ پس انہوں نے کہا کہ ان کی مثال اس آدمی جیسی ہے جس نے ایک گھر بنایا اور اس میں دسترخوان بچھایا اور بلانے والے کو بھیجا پس جس نے دعوت قبول کر لی وہ گھر میں داخل ہوا اور دسترخوان سے کھانا کھایا اور جس نے دعوت قبول نہ کی وہ نہ گھر میں داخل ہوا اور نہ دسترخوان سے کھانا کھا سکا۔ ایک نے ان میں سے کہا کہ اس کا مطلب بیان کیجیے تا کہ بات سمجھ میں آ جائے چنانچہ ان میں سے ایک نے کہا یہ تو سوئے ہوئے ہیں دوسرے نے کہا آنکھ سوتی ہے دل بیدار رہتا ہے۔ پس انہوں نے کہا کہ گھر سے مراد جنت ہے اور بلانے والے محمد مصطفیٰ ﷺ مراد ہیں پس جس نے محمد مصطفیٰ ﷺ کی اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اور جس نے محمد مصطفیٰ ﷺ کی نافرمانی کی تو اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی۔ رسول اللہ ﷺ اچھے اور برے لوگوں میں فرق کرنے والے ہیں۔

اس حدیث کا ظاہری اور سادہ مفہوم بھی یہ ثابت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عطا نبی کریم ﷺ کے وسیلے سے ملتی ہے۔
اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت حاصل ہی نہیں ہو سکتی جب تک لفظ قل کے مفہوم کو نہ سمجھا جائے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے محبوب ﷺ آپ فرما دیں تا کہ لوگوں کو پتا چل جائے کہ اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کیلیے نبی کریم ﷺ کی فرمانبرداری کرنی ہو گی۔
ایک اور عام فہم دلیل پیش کی جاتی ہے کہ اگر اللہ پاک کی سنت یہ ہوتی کہ زمین و آسمان کے تمام امور بغیر کسی واسطہ کے اللہ ہی نے انجام دینے ہیں اور غیر اللہ کا اس میں دخل نہیں تو انہیں سمجھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اپنی فوج فرشتوں کے ذریعے زمین و آسمان کے امور نہ نبٹاتا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَالْمُدَبِّرَاتِ اَمْرًا ﴿۵﴾ (النازعات)۔۔ ''پھر ہر کام کا انتظام کرنے والے (فرشتے) ہیں''۔ بادشاہ اپنے وزیر کو احکامات جاری کرتا ہے اس کا یہ ہرگز مطلب نہیں ہوتا کہ وہی حکم وہ بادشاہ نہیں دے سکتا۔ کسی کے ذہن میں یہ خلل نہیں آنا چاہیے کہ خدا کسی کے واسطے سے کام کرتا ہے۔ ہر وہ کام جو واسطے سے ہو یا بلاواسطہ اس کا کرنے والا اللہ ہی ہے اگر اللہ نہ چاہے تو کچھ نہیں ہو سکتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی سنت پر اعتراض اٹھانا درست نہیں۔

جیسا کہ ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہ نے المقدمہ ابن خلدون میں لکھا ہے:
''اللہ تعالیٰ نے بعض انسان منتخب فرما کر انہیں اپنے خطاب کی فضیلت کی سعادت سے نوازا ہے اور انہیں شروع ہی سے اپنی معرفت کی توفیق عطا فرمائی ہے اور انہیں اپنے بندوں کے درمیان واسطہ قرار دے دیا ہے جو لوگوں کو مفید کاموں کا شوق

دلاتے ہیں اوران کی رہنمائی فرماتے ہیں اوران کی کمریں پکڑ پکڑ کرانہیں جہنم کی آگ سے بچاتے ہیں اورانہیں راہ نجات بتاتے ہیں اوراللہ تعالیٰ جو معارف ان کے دلوں میں ڈالتا ہے اور جو خلاف عادت باتیں ان کے ہاتھوں سے ظاہر فرماتا ہے اورغیب کی جو خبریں ان کی زبانوں پر جاری فرماتا ہے ،کوئی شخص انہیں ان خاص انسانوں کے واسطے کے بغیر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جان نہیں سکتا اور وہ خاص انسان بھی ان باتوں کو اللہ تعالیٰ کی تعلیم کے بغیر نہیں جانتے ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کان کھول کر سن لو میں وہی جانتا ہوں جو مجھے اللہ تعالیٰ نے سکھا دیا ہے"۔

(المقدمہ ابن خلدون ۔ چھٹا مقدمہ ۔صفحہ ۱۹۹)

پندرہویں فصل

اللہ تعالیٰ نے سورۃ اخلاص میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم گرامی احمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات بیان کی ہیں اگر قرآن مجید کی ہر سورۃ کو دیکھا جائے تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی جو تعریف سورۃ اخلاص میں کی ہے وہ کسی اور سورۃ میں نہیں ہے ۔سورۃ کے آغاز میں لفظ قل اس بات کو بھی ظاہر کر رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جو تعریف میرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کر سکتے ہیں وہ کوئی نہیں کرسکتا اور اسی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک نام احمد ہے جس کا مطلب ہے اللہ تعالیٰ کی سب سے زیادہ تعریف کرنے والا ۔اور یہ سورۃ اخلاص سے ثابت ہے۔

اگر کسی کی تعریف ان الفاظ میں کی جائے جو مقبول عام ہو تو کوئی کہہ سکتا ہے کہ ایسی تعریف تو میں اللہ تعالیٰ کے بارے سن چکا ہوں لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر وہ تعریف جاری فرمائی جسے کوئی نہیں کرسکتا تھا۔

ایک دوسری بات جو یہاں بیان کرنا بہت ضروری ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اللہ تعالیٰ کی وہ تعریف کرنا کہ جو کوئی دوسرا نہیں کرسکتا ،اس بات کی دلیل ہے کہ

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف تمام مخلوق میں سب سے جدا ہے۔اس بات کو سمجھنا چاہیے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وہ ذات ہیں کہ جو سب سے الگ اور سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی حمد کرنے والے ہیں۔مثال کے طور پر اگر کوئی ایسی چیز کہ جس کے بارے ایسی بات کہ جو ہر کوئی نہیں جانتا ،مگر کوئی شخص اس چیز کی خوبی عیاں کرتا ہے تو ہر کوئی یہی کہے گا کہ یہ شخص اس چیز بارے سب سے زیادہ جاننے والا ہے۔اور اس شخص کا اس چیز بارے دوسروں سے زیادہ جاننا ہی اس کی انفرادیت کو ظاہر کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے اپنی ان صفات کا اظہار کہ جو کوئی نہیں جانتا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ احمد صلی اللہ علیہ وسلم کہ جن کی بشارت پہلے انبیاء نے دی ہے وہ یہی ہیں اور اس بات کا ثبوت یہ ہے کہ میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے سامنے وہ بات بیان کرتے ہیں جو اللہ کے بارے کسی کو معلوم نہیں۔

روز قیامت اس کی مثال اس حدیث میں ہے کہ:

اَنَا حَامِلُ لِوَاءِ الۡحَمۡدِ یَوۡمَ الۡقِیَامَۃِ۔

''میں قیامت کے دن حمد کا جھنڈا اٹھانیوالا ہوں''۔

(جامع ترمذی۔جلد۲۔صفحہ۶۷۰)

قیامت کے دن کہ جس دن کوئی بھی بغیر اذن خداوندی کے کلام نہ کر سکے گا۔

یَوۡمَ یَاۡتِ لَا تَکَلَّمُ نَفۡسٌ اِلَّا بِاِذۡنِہٖ۔۔۔﴿۱۰۵﴾(ھود)

''جب وہ دن آئے گا کوئی بھی بے حکم خدا بات نہ کر سکے گا''۔

تو کیا شان ہے محمد مصطفیٰ ﷺ کی کہ جس دن کوئی بات نہیں کر سکے گا تو نبی کریم ﷺ اللہ تعالیٰ کی وہ تعریف کریں گے جو کسی نے نہیں کی ہوگی جس سے پتا چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ مقرب نبی کریم ﷺ ہیں تو جو سب سے زیادہ مقرب ہے وہی خدا کی بارگاہ میں سب سے بڑا وسیلہ ہیں۔اسی بات کی وضاحت اس امت کی تعلیمات کیلیے اس آیت میں کی گئی۔

اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ یَدۡعُوۡنَ یَبۡتَغُوۡنَ اِلٰی رَبِّہِمُ الۡوَسِیۡلَۃَاَیُّہُمۡ اَقۡرَبُ۔۔۔﴿۵۷﴾(بنی اسرائیل)

''وہ مقبول بندے جنہیں یہ کافر پوجتے ہیں وہ آپ ہی اپنے رب کی طرف وسیلہ ڈھونڈتے ہیں کہ ان میں کون زیادہ مقرب ہے''۔

اس آیت کی تشریح میں حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ ان مقبول بندوں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام،حضرت عزیر علیہ السلام اور ملائکہ مراد ہیں۔

(تفسیر درمنثور۔جلد۴۔صفحہ۴۹۹)

اور وہ مقرب بندے بھی اللہ تعالیٰ کی طرف اس کا وسیلہ ڈھونڈتے ہیں جو سب سے زیادہ مقرب ہو۔اور اسلوب قل ھواللہ احد بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کلام سے ہی ظاہر فرماتا ہے کہ کون اس کے زیادہ قریب ہے۔دنیا میں اپنے اذن سے اپنی ذات و صفات کی تعریف کرائی اور آخرت میں لواء الحمد عطا فرما کر۔اور یہی بات ہمیں بتاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی سب مخلوق سے زیادہ مقربِ بارگاہِ خدا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں تو ضروری ہے کہ وسیلہ بھی نبی کریم ﷺ کا اختیار کیا جائے تاکہ اللہ تعالیٰ کو راضی کیا جائے۔اسی آیت کی تشریح آپ کے سامنے ایک دوسرے انداز سے پیش کی جاتی ہے۔جامع ترمذی کی حدیث میں ہے کہ:

نبی کریم ﷺ نے روز قیامت کا حال بیان کرتے ہوئے فرمایا:سورج ان (لوگوں) کے قریب ہوگا اس حالت میں لوگوں کو اس قدر غم اور تکلیف پہنچے گی جس کی انہیں طاقت نہیں ہوگی اور وہ اسے برداشت نہ کر سکیں گے ایسے میں لوگ ایک دوسرے کو کہیں گے۔دیکھتے نہیں تمھیں کس قدر تکلیف پہنچی کیا تم (اللہ تعالیٰ کی بارگاہ) میں کوئی سفارشی نہیں تلاش کرتے جو تمھارے

لیے بارگاہ الٰہی میں سفارش کرے (اب اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وسیلہ اور اللہ تعالیٰ کی سب سے زیادہ مقرب ہستی ڈھونڈنا شروع کرتے ہیں جیسا کہ آیت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مقرب بندے بھی اس کی بارگاہ میں وسیلہ ڈھونڈتے ہیں کہ کون زیادہ مقرب ہے گویا وسیلہ اس کا دیا جائے جو سب سے زیادہ مقرب ہو تو اہل قیامت اسی کی تلاش شروع کرتے ہیں تو سوچنا چاہیے کہ روز قیامت کون ہستی سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی مقرب ہوگی یقیناً وہی جو دنیا میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں اور جنہیں آخرت میں لواء الحمد سے سرفراز فرمایا گیا) تو وہ لوگ سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کے پاس جائیں گے تو حضرت آدم علیہ السلام انہیں حضرت نوح علیہ السلام کی طرف بھیجیں گے، حضرت نوح علیہ السلام انہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو وسیلہ بنانے کی تلقین کریں گے، حضرت ابراہیم علیہ السلام انہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف بھیجیں گے، حضرت موسیٰ علیہ السلام انہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنا سفارشی بنانے کا فرمائیں گے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان سب لوگوں کو نبی آخر الزماں ﷺ کے پاس آپ ﷺ کو سفارشی بنانے کا فرمائیں گے تو وہ نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہونگے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سفارش کرنے کیلیے فرمائیں گے تو آپ ﷺ عرش الٰہی کے نیچے اپنے رب کے حضور سجدہ ریز ہو جائینگے آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ پھر اللہ تعالیٰ مجھ پر اپنی تعریفوں اور خوبیوں کا دروازہ کھول دیگا جو اس نے مجھ سے پہلے کسی پر نہیں کھولا۔

(جامع ترمذی۔ جلد۲۔ صفحہ۱۴۰)

اس حدیث پاک کی روشنی میں یہ واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں بھی اپنے نبی مکرم ﷺ سے اپنی تعریف خود الفاظ تعریف عطا فرما کر کروائی اور روز قیامت بھی اللہ تعالیٰ نبی کریم ﷺ سے اپنی وہ تعریف کروائیں گے جو کسی نے نہ کی ہوگی۔

ایک اور آیت میں ہے:

قُلْ لِّعِبَادِیْ یَقُوْلُوا الَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ۔۔۔﴿۵۳﴾ (بنی اسرائیل)

"(اے محبوب ﷺ) آپ میرے بندوں سے فرما دیں کہ وہ بات کہیں جو سب سے اچھی ہو"۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے نبی مکرم ﷺ کے واسطے سے اپنے بندوں تک ایک پیغام پہنچا رہے ہیں کہ وہ بات کرو جو سب سے اچھی ہو۔ تو یہاں غور کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو سب سے اچھی بات کرنے کا حکم فرماتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے اس کلام کے احسن ہونے کا اندازہ کون کر سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے خود حکم فرما کر اپنے نبی مکرم ﷺ سے کہلوایا اور کلام بھی ایسا کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی ذات بھی ہے اور صفت بھی۔ تو سمجھنا چاہیے کہ قل هو الله احد لواء الحمد فی الدنیا ہے اور جو حمد خدا نبی کریم ﷺ کے پاس ہے وہ کسی کے پاس نہیں۔ اسی کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَی اللّٰهِ۔۔۔﴿۳۳﴾ (حم السجدۃ)

''اوراس سے زیادہ کس کی بات اچھی جواللہ تعالیٰ کی طرف بلائے''۔

یہاں بھی حیرت کا مقام ہے کہ جہاں عقل فہم و دانش بھی محمد مصطفیٰ ﷺ کے مقام اعلیٰ کے تصور سے قاصر ہے کہ سب سے افضل قول وہ ہے کہ اللہ کی طرف بلایا جائے اور وہ ہے قل ھواللہ احد۔ لیکن صرف اسی پر اکتفاء نہیں کیا جا سکتا کیونکہ یہاں اس کہنے والے کے بارے ہے کہ جواللہ کی طرف بلائے لیکن قل ھواللہ احد میں کہا نہیں جا رہا کہلوایا جا رہا ہے تو جو خدا کے براہ راست کہنے سے نہ کہے بلکہ اللہ کی عطا کردہ طاقت سے اللہ کی طرف بلائے تو اس کی بات سب سے اچھی تو اس بات کی قدرومنزلت کوکون پا سکتا ہے جسے اللہ تعالیٰ خود کہلوائے اور وہ بات بھی اللہ تعالیٰ کی طرف بلانا ہو۔

یہاں ایک ضروری بات کو بیان کیا جاتا ہے کہ عام طور پر شیطان یہ وسوسہ ڈالتا ہے کہ نبی کریم ﷺ تو سال اس دنیا میں رہے تو کیا ۶۳ سال کی خدا کی تعریف ہمیشہ خدا کی تعریف کرنے والے فرشتوں سے زیادہ ہو جائے گی؟ پہلے انبیاء کرام علیھم السلام نے ہزار سال سے بھی زیادہ عمر پائی ہے تو کیا وہ بھی خدا کی اتنی تعریف نہ کر سکے کہ جتنی نبی کریم ﷺ نے ۶۳ سال میں کی ہے؟

اس کا سب سے پہلا جواب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے نبی کریم ﷺ کو احمد کہا تو گویا آپ ﷺ سے پہلے آنے والے انبیاء کرام بھی جانتے تھے کہ نبی کریم ﷺ ہی خدا کی سب سے زیادہ تعریف کرنے والے ہیں۔

عَنْ مُحَمَّدِ ابْنِ جُبَیْرِ ابْنِ مُطْعَمٍ عَنْ اَبِیْهِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لِی خَمْسَةُ اَسْمَاءٍ اَنَا مُحَمَّدٌ وَ اَنَا اَحْمَدُ وَ اَنَالْمَاحِیَ الَّذِیْ یَمْحُوا اللّٰهُ بِی الْکُفْرَ وَاَنَا الْحَاشِرُ الَّذِیْ یُحْشَرُ النَّاسُ عَلٰی قَدَمِیْ وَ اَنَا الْعَاقِبُ۔

(صحیح بخاری۔کتاب الانبیاء۔جلد۲۔صفحہ۳۵۲)

حضرت جبیر بن مطعم اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا میرے پانچ نام ہیں میں محمد ہوں میں اور احمد ہوں اور میں ماحی ہوں کہ میرے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کفر کو مٹاتا ہے اور میں حاشر ہوں کہ لوگوں کا حشر میرے قدموں میں فرمایا جائے گا اور میں عاقب ہوں۔

اس حدیث پاک سے نبی کریم ﷺ کا احمد یعنی خدا کی سب سے زیادہ تعریف کرنے والا ثابت ہے۔

اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ خدا کی تعریف کرنے پر نبی کریم ﷺ کی صرف ظاہری حیات مبارکہ نہ لی جائے بلکہ دنیا میں جلوہ گر ہونے سے پہلے اور ظاہری پردہ فرمانے کے بعد بھی نبی کریم ﷺ خدا کی حمد کرتے ہیں۔ دنیا میں آنے سے پہلے قالوا بلی اس پر شاہد ہے اور دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد وللاٰخرت خیر لک من الاولیٰ اور حدیث پاک ہے کہ امتیوں کے اعمال پیش ہونے پر اچھے اعمال پر نبی کریم ﷺ خدا کی حمد کرتے ہیں، شاہد ہے۔

تیسری اور جامع مثال یہ حدیث پاک ہے کہ:

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت داؤد علیہ السلام پر قرآن آسان فرمادیا گیا تھا۔ یہ اپنی سواری کو تیار کرنے کا حکم دیتے اور سواری پر زین کس دی جانے سے پہلے ساری زبور پڑھ لیتے تھے۔
(صحیح بخاری۔ جلد۲۔ صفحہ ۳۱۰)

یہ حضرت داؤد علیہ السلام کا کمال تھا تو تصور کریں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات کا کیا مقام ہوگا؟ جن کے بارے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ عَلَّمَ الْقُرْاٰن ۔ اس نے (اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم) کو قرآن سکھایا۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت داؤد علیہ السلام کی طرز کی حمد خدا کرنا تو قرآن کی ایک آیت سے ہی ثابت ہے کہ ھو اللہ احد۔ اللہ تعالیٰ احد ہے۔ اور اللہ تو اپنی ہر صفت میں احد ہے تو گویا ہر صفت خدا کو احد کہا گیا یعنی خدا کی وہ تعریف کی گئی جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کے مطابق تھی اور اس تک ہماری رسائی ممکن نہیں۔ اور یہ کمال خدا کا عطا کردہ ہے جیسے حضرت داؤد علیہ السلام کو اللہ نے کمال عطا فرمایا اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمایا اور اس پر دلیل لفظ قل ہے۔

اس پر متزلزل یہ کہہ سکتا ہے کہ پھر تو جو امتی یہ پڑھے گا وہ بھی اتنی ہی خدا کی تعریف کرے گا تو اس کا جواب یہ ہے کہ جو بھی ھو اللہ احد کہے گا تو وہ باطنی طور پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تعریف کرنا بھی شمار ہوگا کیونکہ ہمیں خدا کی معرفت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے۔

تو سمجھنا چاہیے جو بابرکت ذات خدا کو سب سے زیادہ جانتی ہے اور سب سے زیادہ اس خدا کی تعریف کرتی ہے اسی ذات کا سہارہ لیا جائے تا کہ خدا کو زیادہ سے زیادہ پہچانا جا سکے۔

سولہویں فصل

جیسے اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک نام احمد کو سورۃ اخلاص سے ظاہر فرمایا ہے اسی طرح اسم مبارک محمّد بھی سورۃ اخلاص سے عیاں ہے۔ اس کے لیے بھی وہی مثال سمجھنے کیلیے کافی ہے کہ اگر کوئی شخص کسی محفل میں ایسی بات آپ کے سامنے رکھ دے کہ جس میں سب کی بھلائی ہو اور اس کے بتانے سے پہلے کسی کو وہ بات معلوم نہ ہو تو آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اس محفل میں اگر ایک ہزار آدمی جمع ہونگے تو شاید ہی کوئی اس کی تعریف سے لب کشا نہ ہو۔ ایسے ہی سورۃ اخلاص میں اللہ تعالیٰ کا اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فرمانا کہ: اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ فرما دیں کہ وہ اللہ اکیلا ہے، اللہ بے نیاز ہے: اور مخلوق کا خدا کی ایسی تعریف سننا جو انہوں نے کبھی نہ سنی ہو۔ خدا کی تعریف تو ہوگی ہی، ساتھ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر بھی اس انداز سے ضرور ہوگا کہ کیا شان محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی کہ خدا کے سب سے زیادہ جاننے والے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا قل فرمانا اشارہ ہے کہ میری وہ صفات کہ جو تم نہیں جانتے لیکن میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم انہیں صفات سے میری تعریف کرتے ہیں۔ وہی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

اور ضروری ہے کہ اس ہستی کی تعریف کے ذریعے اس کا قرب حاصل کیا جائے جو سب سے زیادہ خدا کو جاننے والے ہیں۔ وہی محمد ﷺ کہلاتے ہیں۔اس ضمن میں یہ حدیث بھی ہے۔:حضرت جبیر بن مطعم سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میں محمد ہوں اور میں احمد ہوں اور میں ماحی ہوں کہ میرے ذریعے اللہ تعالیٰ کفر کو مٹاتا ہے اور میں حاشر ہوں کہ لوگوں کا حشر میرے قدموں میں فرمایا جائے گا اور میں عاقب ہوں۔

روز قیامت اپنے مقام بارے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ:

اَنَا حَامِلُ لِوَاءِ الْحَمْدِ یَوْمَ الْقِیَامَۃ۔

''میں قیامت کے دن حمد کا جھنڈا اٹھانیوالا ہوں''

(جامع ترمذی۔جلد۲۔صفحہ۶۷۰)

اسی لیے آپ ﷺ کا مرتبہ دیکھ کر ہر کوئی آپ ﷺ کی تعریف کرے گا اسی بات کو اس آیت میں بیان فرمایا گیا:

۔۔۔عَسٰی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ﴿۷۹﴾ (بنی اسرائیل)

''قریب ہے کہ تمھیں تمھارا رب ایسی جگہ کھڑا کرے جہاں سب تمھاری حمد کریں''۔

امام احمد، ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابن حبان، حاکم اور ابن مردویہ نے کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: لوگ قیامت کے دن اٹھیں گے تو میں اور میری امت ایک ٹیلے پر ہوں گے میرا رب مجھے سبز جوڑا پہنائے گا پھر مجھے وہ کلمات کہنے کی اجازت دے گا جو وہ چاہے گا کہ میں کہوں۔پس وہ مقام محمود ہے۔

(تفسیر درمنثور۔جلد۴۔صفحہ۵۱۷)

یہ روز قیامت کے احوال ہیں تو اگر دنیا میں اللہ تعالیٰ اپنے نبی کریم ﷺ کو اپنی ذات وصفات کی حمد کرنے کا فرماتا ہے اور حمد کے الفاظ بھی عطا فرماتا ہے اور نبی کریم ﷺ کے سوا کسی کو اللہ تعالیٰ نے یہ مقام ومرتبہ نہ دیا تو کہنا پڑے گا کہ قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ ۔دنیا میں نبی کریم ﷺ کے مقام محمود کا ایک عکس ہے اور یہی بات اس آیت میں بیان کی گئی ہے:

لَہُ الْحَمْدُ فِی الْاُوْلٰی ﴿۷۰﴾ (القصص)

''اسی کی تعریف ہے دنیا میں''۔

کیونکہ اِنَّ اللّٰہَ یَحْکُمُ مَا یُرِیْد کے تحت اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ میرے محبوب ﷺ فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ احد ہے جیسا کہ روز قیامت میں اللہ تعالیٰ نبی کریم ﷺ سے اپنی حمد کروائیں گے۔

سترہویں فصل

لفظ قل فعل امر کا صیغہ ہے۔یعنی اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو حکم فرمایا کہ آپ ان کفار سے فرمادیں۔سنت خداوندی کی شان

اور مقام مصطفیٰ ﷺ کا نظارہ کریں کہ کفار نے اللہ پر طعن کیا تو اپنے نبی ﷺ سے فرمایا اے محمد ﷺ آپ ان کفار کو جواب دیں اور جواب کس طرز سے دیا کہ پہلے اپنے محبوب ﷺ سے فرمایا کہ آپ ان سے فرمائیں کہ وہ اللہ اکیلا ہے یعنی پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنی تعریف کروائی پھر نبی کریم ﷺ سے ان کفار کا جواب واضح فرمایا۔ اللہ پر طعن کرنے والے کو نبی کریم ﷺ کے ذریعے جواب دلوایا اور جب نبی کریم ﷺ پر طعن کیا گیا اللہ تعالیٰ نے کیسے جواب دیا۔ دیکھیں سورۃ المنافقون کی پہلی آیت مبارکہ: اِذَا جَاءَ كَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ، وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ﴿١﴾ (المنافقون)۔

''(اے نبی مکرم ﷺ) جب منافق آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں، اللہ تعالیٰ بھی جانتا ہے کہ ضرور آپ اللہ کے رسول ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ منافق قطعی جھوٹے ہیں''۔

سورۃ اخلاص اور سورۃ المنافقون کی پہلی آیت کے پیش نظر چند نکات ہیں:

سورۃ اخلاص میں نبی کریم ﷺ سے اللہ کی تعریف کرائی گئی اور پھر کفار کے سوال کا جواب دیا گیا۔

ایسے ہی سورۃ المنافقون میں منافقین کی بری نیت کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے پہلے اپنے نبی کریم ﷺ کی تعریف فرمائی اور گواہی دی اور پھر منافقین کی سرزنش فرمائی اور انہیں جھوٹا قرار دیا۔

سورۃ اخلاص میں کفار نے بظاہر اللہ پر طعن کیا۔

سورۃ المنافقون میں منافقین نے بظاہر نبی کریم ﷺ کی رسالت کی تصدیق کی۔

جب اللہ پر طعن کیا گیا تو نبی کریم ﷺ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے محبوب ﷺ آپ ان کو جواب دیں۔ یہ محبت کے اعلیٰ درجات میں سے ہے۔

لیکن جب نبی کریم ﷺ پر بظاہر نہیں بلکہ بری نیت سے تمسخر کیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے خود جواب مرحمت فرمایا اور یہاں سورۃ اخلاص کی طرح یہ نہ فرمایا گیا اے محبوب ﷺ آپ ان کو جواب مرحمت فرمائیں۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ کا دشمن نبی کریم ﷺ کا دشمن ہے اور نبی کریم ﷺ کا دشمن اللہ کا دشمن ہے۔

تو لفظ قل میں چھپی حکمت بھی ظاہر ہوگئی کہ اللہ پر طعن ہوگا تو نبی کریم ﷺ جواب دیں گے تاکہ لوگوں کو پتا چل جائے کہ نبی کریم ﷺ خود نہیں بولتے بلکہ اللہ انہیں الفاظ عطا فرماتا ہے اور اگر نبی کریم ﷺ پر طعن ہوگا تو اللہ تعالیٰ خود جواب مرحمت فرمائے گا۔

لفظ قل میں اشارہ ہے کہ اگر نبی کریم ﷺ سے سوال کیا جائے گا تو رہنمائی کی جائے گی اور اگر نبی کریم ﷺ کا واسطہ چھوڑ دیا

جائے گا تو عذاب وعتاب میں جکڑ دیا جائے گا۔اس کی وضاحت بھی سورۃ المنافقون کی پہلی آیت اور سورۃ اخلاص کررہی ہے۔سورۃ اخلاص کے شان نزول میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ جواب دلوایا جس میں معرفت خدا ہے اور معرفت خدا ہدایت ہے۔لیکن سورۃ المنافقون جب منافقین نے ظاہری تصدیق رسالت اور باطنی نفاق کیا تو گویا وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جدا ہو گئے۔اوراس کے بدلے ان پر اللہ کی طرف سے ہدایت نہیں بلکہ عتاب کیا گیا اور عذاب کے مستحق ٹھہرے۔

اٹھارہویں فصل

کفار کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ کے نسب اور بناوٹ کے بارے پوچھنا اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے یہ سوچتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کو نہیں جانتے۔معاذ اللہ۔ظاہر ہے جب وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا نبی نہیں مانتے تو ان کا یہ ماننا کیسے درست ہوسکتا ہے کہ وہ کہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کو جانتے ہیں۔تو ان کے رد میں اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب کی ابتداء لفظ قل سے فرمائی۔اوراس بات پر دلیل اس آیت سے لی جاسکتی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق عہد لیا تو فرمایا:۔انا معکم من الشاھدین۔۔یعنی میں بھی اس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی گواہی دینے والوں میں سے ہوں ۔اِنَّکَ لَمِنَ الۡمُرۡسَلِیۡنَ ﴿۳﴾ (یٰسین)۔۔وارسلنٰك للنا س رسولا و کفیٰ بالله شهيدا ۔۔اسی کی وضاحت ہے۔اس آیت کی وضاحت سورۃ اخلاص میں قل کے ذریعے کی جاتی ہے کہ اے کافرو!تم یہ مت سمجھنا کہ میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مجھے نہیں جانتے۔بلکہ مجھے جانتے بھی ہیں اورانہیں میری وہ معرفت حاصل ہے جو کسی کو نہیں۔کیونکہ لفظ احد سے کوئی بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ واقف نہ تھا۔یعنی اللہ تعالیٰ نے کفار کے سامنے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کی گواہی دی۔کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی گواہی کافروں تک پہنچی۔اور لفظ قل میں اشارہ ہے کہ گواہی میری ہے لیکن میری معرفت میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہے۔

دوسری آیت میں ہے کہ:

قُلۡ اِنِّیۡۤ اُمِرۡتُ اَنۡ اَکُوۡنَ اَوَّلَ مَنۡ اَسۡلَمَ ﴿۱۴﴾ (الانعام)

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمادیں مجھے حکم ہوا ہے کہ سب سے پہلے گردن رکھوں''۔

اس آیت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرنا واضح ہے تو سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری تو تب ہوگی جب سب سے پہلے اس ذات کو اللہ تعالیٰ کی معرفت عطا ہو اور سب سے پہلے اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو معرفت خدا حاصل ہوئی تو کون ہے جو اللہ تعالیٰ سے بغیر واسطہ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے معرفت حاصل کر سکے۔سمجھنا چاہیے کہ جب ایک ذات ہی فرمانبردارِ خدا ہے تو ظاہر ہے کہ وہ ذات اللہ تعالیٰ سے براہ راست کمالات پانے والی ہے۔تو اگر کوئی کہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

کے بغیر بھی ہدایت حاصل کی جاسکتی ہے تو پھر اس آیت کے کیا معنی؟

ایک اور آیت میں ہے کہ:

وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۱۶۳﴾ (الانعام)

''اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں''۔

یا اس اعتبار سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اول مخلوق ہیں تو ضرور اول المسلمین ہوئے۔

(تفسیر خزائن العرفان)

اول مخلوق ہی اول عارف باللہ بن سکتی ہے۔

اُنیسویں فصل

لفظ قل عین الجمع سے امر ہے وارد ہے مظہر التفصیل پر۔ اس میں اشارہ ہے شهد الله انه لا اله الا هو والملئكة و اولوا العلم کے سرّ کی طرف۔ گویا وہ کہتا ہے میں نے گواہی دی وحدۃ اھویۃ کی مقام الجمع میں تو تم بھی گواہی دو اسی وحدۃ مقام الفرق میں تاکہ احدیۃ والا احدیۃ کا راز ظاہر ہو اور ان کے مابین جمعاً وتفصیلاً کا تطابق ہو۔

(تفسیر روح البیان۔ سورۃ الاخلاص)

گویا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا جا رہا ہے کہ میری ذات اور صفات کی گواہی دو تاکہ میری ذات اور صفات میری مخلوق پر ظاہر ہوں اور انہیں ہدایت ملے۔

اللہ تعالیٰ کی معرفت سب سے بڑی ہدایت ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کا علم معرفت کی بنیاد ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کو جاننے سے پہلے یہ غور کرلو کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا علم ہمیں کس ذریعے سے پہنچا۔ ہر بندے کی یہ شان نہیں کہ وہ خدا کو پالے بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی معرفت دینے کیلیے ذرائع پیدا فرمائے ہیں جیسا کہ اس آیت میں ہے کہ:

اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ یَبْتَغُوْنَ اِلٰی رَبِّهِمُ الْوَسِیْلَةَ۔۔۔ ﴿۵۷﴾ (بنی اسرائیل)

''وہ مقبول بندے جنہیں یہ پوجتے ہیں وہ آپ ہی اپنے رب کی طرف وسیلہ ڈھونڈتے ہیں''۔

اس آیت کے شانِ نزول میں ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ آیت ایک جماعت عرب کے حق میں نازل ہوئی جو جنات کے ایک گروہ کو پوجتے تھے وہ جنات اسلام لے آئے اور ان کے پوجنے والوں کو خبر تک نہ ہوئی اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

(تفسیر ابن عباس۔ جلد ۲۔ صفحہ ۱۹۰)

اس کی وضاحت آپ کو سورۃ اخلاص کی پہلی آیت سے مل سکتی ہے۔ لفظ قل اللہ تعالیٰ کی معرفت کے ذریعے اور واسطے کو ظاہر کر

رہا ہے اور هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۔ اللہ تعالیٰ کی معرفت ہے۔ اور ہدایت پانے کے لیے معرفت خدا شرط ہے۔ نبی کریم ﷺ کے ذریعے ہدایت اور اللہ تعالیٰ کی معرفت کا بیان قرآن مجید کی دوسری آیت میں ہے: وَاِنَّكَ لَتَهْدِي اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿۵۲﴾ (الشوریٰ) ۔ بے شک آپ ﷺ صراط مستقیم کی طرف رہنمائی فرماتے ہیں۔ اور هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ صراط مستقیم کا ہی نام ہے اور اسی صراط مستقیم بارے شیطان نے کہا تھا: قَالَ فَبِمَا اَغْوَيْتَنِي لَاَ قْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيمَ ﴿۱۶﴾ (الاعراف)

''بولا تو قسم اسکی کہ تو نے مجھے گمراہ کیا میں ضرور تیرے سیدھے راستے پر ان کی تاک میں بیٹھوں گا''۔

اور دوسری آیت میں ہے: عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿۴﴾ (یٰسین)

''(اے محبوب ﷺ) آپ سیدھے راستے پر ہیں''۔

ایک اور آیت میں ہے:

اِنَّ رَبِّيْ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿۵۶﴾ (ھود)

''بے شک میرا رب سیدھے راستے پر ملتا ہے''۔

تو رب ملتا ہے سیدھے راستے پر اور سیدھے راستے کی طرف رہنمائی فرماتے ہیں نبی کریم ﷺ۔ تو کون ہے جو نبی کریم ﷺ کا واسطہ چھوڑ کر سیدھا راستہ پالے؟

اسی لیے شیطان کو پتا تھا کہ نبی ہی اللہ تعالیٰ تک پہنچانے کا ذریعہ ہوتا ہے اور نبی سیدھے راستے پر ہوتا ہے اور لوگوں کو سیدھے راستے کی رہنمائی کرتا ہے تو جو نبی کی طرف آئے گا میں اس پر حملہ کروں گا۔ اسی لیے شیطان نے کہا:

قَالَ فَبِمَا اَغْوَيْتَنِي لَاَ قْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيمَ ﴿۱۶﴾ (الاعراف)

''بولا تو قسم اسکی کہ تو نے مجھے گمراہ کیا میں ضرور تیرے سیدھے راستے پر ان کی تاک میں بیٹھوں گا''۔

اسی بات کی وضاحت سورۃ الاعراف میں ہے کہ:

وَ قَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْ لَا اَنْ هَدٰنَا اللّٰهُ لَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ وَ نُوْدُوْا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾ (الاعراف)

''اور کہیں گے (مومنین جنت) سب خوبیاں اللہ تعالیٰ کو جس نے ہمیں اس کی راہ دکھائی اور ہم راہ نہ پاتے اگر اللہ تعالیٰ ہمیں راہ نہ دکھاتا، بے شک ہمارے رب کے رسول حق لائے اور ندا ہوئی کہ یہ جنت تمھیں میراث ملی، صلہ تمھارے اعمال کا''۔

جنت میں پہنچ جانے کے بعد مومنین کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں سیدھی راہ دکھائی اگر اللہ تعالیٰ سیدھی راہ نہ دکھاتا تو ہم سیدھی راہ نہ پاتے۔ اور اِنَّكَ لَتَهْدِي اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿۵۲﴾ (الشوریٰ) ۔ اسی بات کی وضاحت ہے کہ

وہ راہ جو مومنین کو دکھائی گئی اس راہ کی طرف رہنمائی محمد مصطفی ﷺ کے واسطے سے کی گئی۔ اسی آیت میں آگے اس بات کا ذکر ہے کہ بے شک ہمارے رب کے رسول حق لائے'' یعنی سیدھی راہ بلا واسطہ نہیں ملی بلکہ رسول ﷺ کے آنے سے ہمیں سیدھی راہ ملی۔ اور رسول ﷺ کے واسطے سے ملنے والی سیدھی راہ پر چلنے کے بدلے اللہ تعالیٰ نے انہیں جنت میں داخل کیا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ ۔ تاکہ لوگ سمجھ لیں کہ میرے اور مخلوق کے درمیان تعلق کا واسطہ نبی کریم ﷺ ہیں کیونکہ پہلے واسطہ قل ہے اور پھر اللہ احد کی طرف رہنمائی ہے۔ اور قُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ کا ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ اے محبوب ﷺ اللہ تعالیٰ آپ کو اجازت مرحمت فرماتا ہے کہ لوگوں سے میری پہچان کراؤ۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے لوگوں پر عتاب کرنے کی ایک شرط واضح فرما دی کہ:

۔۔۔وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ﴿۱۵﴾ (بنی اسرائیل)

''اور ہم عذاب کرنے والے نہیں جب تک رسول نہ بھیج لیں''۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کے بارے فرمایا:

اِنَّا اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ اَنْ اَنْذِرْ قَوْمَكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱﴾ (نوح)

''بے شک ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا کہ اپنی قوم کو ڈرا اس سے پہلے کہ ان پر دردناک عذاب آئے''۔

اللہ تعالیٰ نے نبی کے بھیجنے اور انہیں کے واسطے سے اللہ کی طرف بلانے کے علاوہ کوئی آپشن ہی نہیں رکھا اس کے بغیر دردناک عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔

بیسویں فصل

جب نبی کریم ﷺ سے کوئی سوال کیا جاتا تو قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا نبی کریم ﷺ کی طرف سے جواب دینا کئی طریقوں سے واضح ہے لیکن ان میں دو کا ذکر کیا جاتا ہے۔ کہ جب نبی کریم ﷺ سے مال غنیمت کے بارے سوال کیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے پہلے فرمایا۔ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالُ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ۔۔۔﴿۱﴾ (الانفال) ''(اے محبوب ﷺ) آپ سے مال غنیمت کے بارے سوال کرتے ہیں آپ ﷺ فرما دیں مال غنیمت اللہ اور اس کے رسول کیلیے ہے''۔ ایسے ہی دوسری آیت میں فرمایا گیا: يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ۔ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّىْ ﴿۸۵﴾ (الاسراء)۔

''آپ ﷺ سے روح کے متعلق پوچھتے ہیں۔ آپ ﷺ فرما دیں روح میرے رب کے حکم سے ہے''۔

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ﴿۱۸۹﴾ (البقرة)۔

''(اے محبوب ﷺ) آپ سے نئے چاند کے بارے پوچھتے ہیں''۔

اور جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا اپنے رب کا نسب بیان کرو۔ اللہ سونے کا ہے تانبے کا یا پیتل کا؟ تو اللہ تعالیٰ نے مذکورہ دو آیتوں کی طرح یہ نہ فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ کے نسب کا سوال کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے سونے، تانبے یا پیتل کا ہونے کا سوال کرتے ہیں۔ یعنی سوال کو دہرایا نہیں۔ بلکہ لفظ قل سے ہی اس کی ابتداء کی۔ تو اس میں کیا حکمت تھی کہ ان کے سوال کی وضاحت نہ کی گئی بلکہ سیدھا سیدھا جواب مرحمت فرما دیا گیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا مال غنیمت کے بارے۔ تو ان کا سوال مال غنیمت کے بارے ہی پوچھنا تھا اور کوئی مقصد نہ تھا اور اللہ تعالیٰ نے فرما دیا کہ مال غنیمت اللہ اور اس کے رسول کیلیے ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے روح کے متعلق پوچھا گیا تو ان کا سوال روح کے ہی متعلق تھا نہ کہ اس کا کوئی اور مقصد تھا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں روح کے بارے ہی انکا سوال دہرا کر جواب مرحمت فرما دیا۔ لیکن سورۃ اخلاص میں کفار کو جواب دینے کا انداز الگ ہے۔ یہاں انکا سوال دہرایا نہیں گیا۔ کیونکہ یہاں کفار کا کوئی ایک مقصد نہ تھا۔ وہ صرف جاننے کی غرض سے یہ نہیں پوچھنا چاہتے تھے کہ تا کہ ہمیں معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کا نسب کیا ہے اور وہ کس چیز سے بنا ہے۔ بلکہ اس میں ان کا ارادہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مذاق کا تھا۔ سوال کرنے والے کفار جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں مانتے تھے کیا وہ یہ پسند کرتے کہ انہیں سے ان کے رب کے خصائص سنیں۔ کیونکہ اس سوال سے ان کی مراد اللہ پر اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر طعن کرنا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اس سوال کو دوبارہ دہرایا ہی نہیں بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ الفاظ مرحمت فرما دیئے جس سے کفار کے ہر سوال کا جواب مل جائے۔ اللہ پر طعن کا جواب هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر طعن کا جواب لفظ قُل ہے۔

اکیسویں فصل

اگر صرف اس بات پر ہی اکتفاء کر لیا جائے کہ لفظ قل تو صرف بطور جواب استعمال کیا گیا ہے اور اس میں پوشیدہ فصاحت و بلاغت کے عناصر اور طریقہ اسلوب کی نظر سے دیکھنا تفسیر بالرائے کو تقویت دینے کے مترادف ہے تو انہیں یہ سمجھنا چاہیے کہ لفظ قل بطور جواب استعمال ہوا ہے

جیسے قل هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اور قُلْ يٰاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ۔ اس کی دلیل ہیں۔ یہ درست ہے لیکن لفظ قل صرف جواب کیلیے ہی استعمال نہیں ہوا۔ بلکہ بہت سے اور طرق سے بھی لفظ قل کو استعمال کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

قُلِ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ كِيْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۱۹۵﴾ (الاعراف)

”آپ فرما دیجئے! (اے کافرو) پکارو اپنے شریکوں کو پھر سازش کرو میرے خلاف اور مت مہلت دو مجھے“۔

اس آیت کی تفسیر کو دیکھا جائے تو اس کے شان نزول میں کسی کے سوال کا جواب نہیں بلکہ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا

یُرِیۡدُ﴿ ۱ ﴾(المائدۃ) کے مطابق ایک حکم ہے یعنی کفار کی عادات کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم فرمایا کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ فلاں حکم فرمادیں۔

اسی طرح سورۃ الفلق اور سورۃ الناس لفظ قل سے شروع کی گئیں لیکن کسی جواب کے طور پر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنے اسرار ورموز لفظوں کی صورت میں منکشف فرماتا ہے۔

توان آیات سے ایک شبہ تو رفع ہوا کہ لفظ قل صرف جواب کے طور پر استعمال نہیں ہوا۔

دوسری بات یہ کہ یہ بھی لازم نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیے گئے ہر سوال کے جواب میں اللہ تعالیٰ لفظ قل سے خطاب فرمائے اور یہ ہمارے اس استدلال پر دلالت کرتا ہے کہ لفظ قل فرمانے میں اللہ تعالیٰ کی حکمتیں چھپی ہیں کیونکہ پہنچانا تو نبی پر فرض ہوتا ہے تو لفظ قل فرمانے کا کیا مطلب؟

اسی بات کو اللہ تعالیٰ نے سورۃ الرحمٰن میں بیان فرمادیا کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کفار نے کہا کہ رحمٰن کون ہے؟ اہل مکہ نے کہا کہ انہیں ایک انسان سکھاتا ہے وہ یمامہ کا رحمٰن ہے وہ اس سے مسیلمہ کذاب مراد لیتے تھے۔ (تفسیر قرطبی جلد ۹۔صفحہ ۱۶۵)

جب کہا گیا کہ وما الرحمٰن یعنی رحمٰن کون ہے؟ تو سورۃ الرحمٰن نازل ہوئی۔
(تفسیر بغوی۔جلد ۶۔صفحہ ۱۷۳)

توان کے کہنے پر اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ یسئلو نک عن الرحمٰن یا جواب میں قل الرحمٰن نہیں فرمایا تو لفظ قل کے استعمال نہ کرنے سے بھی سورۃ الرحمٰن کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں تک پہنچا دیا۔تو یہاں پھر اسی بات کو دہرایا جاتا ہے کہ نہ تو اللہ تعالیٰ نے صرف جواب کے طور پر لفظ قل کو استعمال کیا اور نہ ہی یہ لازم کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہر بات پوچھنے پر لفظ قل کا استعمال کیا جائے اور باقی اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے جو چاہے کرے جیسے چاہے کرے۔ چاہے تو لوگوں کے جواب میں لفظ قل کے ساتھ جواب مرحمت فرما کر اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید کرے، چاہے تو بغیر لفظ قل کے جواب مرحمت فرمادے اور چاہے تو اپنے کلام میں کسی جگہ بھی اس لفظ کا استعمال کرے۔

لفظ قل سے متعلق ہمارا موضوع لفظ قل کا ایک خاص اسلوب کے ساتھ قرآن مجید میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیلیے استعمال کیے جانا ہے ۔اللہ تعالیٰ کے پر حکمت اور جامع کلام میں وہ اسلوب جو واسطہ سے نازل ہونے کے باوجود براہ راست خطاب کے اسلوب کو ظاہر کررہا ہے تو اس میں مخاطب کے مقام ومرتبہ کا اندازہ کون لگا سکتا ہے کہ خطاب کرنے والا وہ ہے جو رب العالمین ہے اور مخاطب رحمۃ للعالمین ہے۔

تو واضح ہوا لفظ قل صرف جواب کیلیے استعمال نہیں ہوا۔تو اگر جواب کے طور پر استعمال نہیں ہوا اور لفظ قل کے استعمال نہ

کرنے سے بھی آیات کا وہ مقصد نزول جو کہ لوگوں تک ان آیات کا پہنچ جانا ہے پورا ہوتا ہے جیسا کہ سورۃ الرحمٰن ہے کہ لفظ قل کے بغیر اللہ تعالیٰ کا پیغام نبی کریم ﷺ کے واسطے سے مخلوق تک پہنچا دیا گیا۔ تو لفظ قل کا استعمال کر کے اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق پر کونسی حکمتوں کو بیان فرمایا ہے جیسا کہ سورۃ الاخلاص ہے۔ اس بات کو واضح کرنے کا مقصد اس استدلال کو سمجھنا ہے کہ لفظ قل کے ظاہری معنی پر اکتفاء نہ کیا جائے بلکہ اس کے اسرار و رموز قرآن و احادیث کی روشنی میں واضح کیے جائیں۔

لفظ قل میں اشارہ ہے کہ نبی کریم ﷺ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ صفات کے مالک ہیں اور یہ ایک مسلمان کے بنیادی عقائد میں سے ہے۔ سورۃ اخلاص کی پہلی آیت سے واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ سے فرمایا کہ اے میرے محبوب ﷺ آپ فرما دیں وہ اللہ اکیلا ہے، اللہ بے نیاز ہے۔ اس آیت میں معرفت خدا ہے اور لفظ قل اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی معرفت نبی کریم ﷺ کو عطا فرمائی اور نبی کریم ﷺ کے واسطے سے ہمیں پتا چلا کہ اللہ اکیلا ہے اور اللہ بے نیاز ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی مرتبہ ایسا نہیں جو اللہ تعالیٰ کی معرفت کے بغیر ملا ہو۔ اللہ تعالیٰ اپنی معرفت عطا فرماتا ہے کسی بھی ہستی کو مرتبہ دینے کیلیے۔ نبی کریم ﷺ کو عطا کردہ معرفت الٰہی کا اظہار سورۃ اخلاص کی پہلی آیت میں نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کا پرچار کرنے کا حکم فرمایا جا رہا ہے۔ اور جیسا کہ پہلے نکتہ میں بیان کیا جا چکا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے خود کی پہچان بھی نبی کریم ﷺ کو دے دی تو باقی مراتب بھی خدا کے ہی عطا کردہ ہیں۔ خدا کا قرب ہی سب سے بڑی شان ہے اور نبی کریم ﷺ تمام جہانوں میں خدا کے سب سے زیادہ قریب ہیں اور هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اسی کا اعلان ہے اور قل اس چیز کا اعلان ہے کہ نبی کریم ﷺ کے اعلیٰ درجات اور شان و مرتبہ اللہ کا دیا ہوا ہے۔ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾ (الانبیاء)۔ اسی کی وضاحت ہے۔ یعنی لفظ قل واضح کر رہا ہے کہ وہ ذات جو اللہ تعالیٰ کی طرف رہنمائی کر رہی ہے وہ اس کی ذات اللہ ہونے اور صفت احد ہونے کے بارے جس کے توسط سے آگاہ کیا جا رہا ہے وہ کتنی کریم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کی معرفت سے ہم پر رحمت کی جا رہی ہے اور وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةَ الِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾ (الانبیاء)۔ سے واضح ہے کہ یہ رحمت جو نبی کریم ﷺ کے واسطے سے تم پر کی جا رہی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہے۔

دوسری آیت میں ہے: ۔۔۔وَ دَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِإِذْنِهٖ۔۔۔

''اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی طرف بلانے والا''

تو حکم لفظ قل ہے اور اللہ کی طرف بلانا ھو اللہ احد ہے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف بلانا اللہ تعالیٰ کی بے بسی کو ظاہر نہیں کرتا بلکہ مخلوق کے محدود درجات کو ظاہر کرتا ہے کہ مخلوق کے بس میں نہیں کہ نبی کریم ﷺ کے بغیر اللہ تک پہنچے اور اللہ تعالیٰ کی یہ سنت نہیں کہ نبی کے بغیر لوگوں کو اپنی راہ دکھائے تو اپنے ہی حکم سے نبی

کریم ﷺ کو اپنی طرف بلانے کیلیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۔اور وَ دَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ سے واضح کر دیا کہ یہ میرے نبی کریم ﷺ کی شان ہے کہ میری ذات اور صفات کی معرفت کے ساتھ تمھیں میری طرف بلائے۔

بائیسویں فصل

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:۔۔۔۔۔وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۵۲﴾ (الشوریٰ)۔

''اور بے شک آپ ﷺ ضرور رہنمائی فرماتے ہیں سیدھے راستے کی طرف۔اس آیت میں نبی کریم ﷺ کو رہنما فرمایا گیا جو اچھائی کی طرف گائیڈ فرماتے ہیں۔تو سیدھے راستے کی طرف تو وہی رہنمائی فرما سکتا ہے کہ جو خود سیدھے راستے پر ہو تو اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۳﴾ ۔۔عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۴﴾ (یٰسین) ۔۔۔بے شک آپ ﷺ رسولوں میں سے ہیں۔سیدھے راستے پر۔۔آیت بتاتی ہے کہ نبی کریم ﷺ سیدھے راستے پر ہیں اور دوسروں کو اسی راستے کی طرف رہنمائی فرماتے ہیں۔یہاں پھر یہ سوال اٹھتا ہے کہ سیدھا راستہ کیا ہے؟ اللہ کی توحید سیدھا راستہ ہے۔اور توحید کہاں سے ملتی ہے؟ قُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ سے۔تو پھر یہاں ایک سوال اٹھایا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ سیدھے راستے کی رہنمائی نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں اور سیدھا راستہ توحید ہے اور توحید قرآن سے مل رہی ہے اور قرآن اللہ کا کلام ہے۔تو آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ سیدھے راستے کی طرف رہنمائی فرماتے ہیں۔اسی ابہام کو دور کرنے کیلیے اللہ تعالیٰ نے توحید سے پہلے لفظ قل کو واضح طور پر فرما دیا کہ اگر قرآن کہتا ہے کہ نبی کریم ﷺ سیدھے راستے کی طرف رہنمائی فرماتے ہیں اور سیدھا راستہ اللہ کی توحید ہے تو توحید کو اس صورت میں تسلیم کیا جاسکتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی رسالت کو تسلیم کیا جائے ورنہ ایسی توحید توحید تو ہوگی لیکن سیدھا راستہ نہیں ہوگا۔قل فرما کے اس بات کی وضاحت فرمائی گئی کہ بے شک ھواللہ احد توحید ہے اور توحید ہی سیدھا راستہ ہے لیکن اس کی طرف رہنمائی اللہ تعالیٰ براہ راست نہیں فرما رہا بلکہ اپنے محبوب ﷺ کو حکم فرما رہا ہے کہ اے محبوب ﷺ آپ ھواللہ احد فرما کر لوگوں کو سیدھے راستے کی طرف رہنمائی فرمائیں۔اسی بات کی تلقین اللہ تعالیٰ نے ایک عمومی حکم میں فرما دی:

اَلرَّحْمٰنُ فَسْئَلْ بِهٖ خَبِيْرًا ﴿۵۹﴾ (الفرقان)

''بے حد مہربان تو کسی جاننے والے سے اس (اللہ) کی معرفت حاصل کر''۔

اگر لفظ قل سے دستبرداری اختیار کی جائے تو وہ توحید توحید تو ہوگی لیکن سیدھا راستہ نہیں ہوگا۔اسکی مثال ہمارے سامنے قوم یہود ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے قائل ہیں لیکن نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی توحید کی طرف رہنما نہیں مانتے اسی لیے گمراہ ہیں۔تو اس بحث کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ سیدھا راستہ توحید ہے اور رسالت توحید تک پہنچنے کا ذریعہ اور لفظ قل اس کی وضاحت ہے۔

تیئسویں فصل

سورۃ اخلاص کی پہلی آیت کے عربی گرائمر کو دیکھا جائے تو لفظ قل فعل امر ہے ھو اسم ضمیر منفصلہ مرفوعہ واحد مذکر غائب کا صیغہ ہے جو کہ مبتداء بھی ہے لفظ اللہ خبر ہے اور لفظ احد اس سے بدل ہے خالص نکرہ کو معرفہ بدل بنانا جائز ہے جب اس سے کوئی فائدہ حاصل ہو۔

(تفسیر روح البیان۔سورۃ الاخلاص۔صفحہ ۱۱۰۶)

اب سادہ انداز میں سمجھیں۔لفظ قل مخبر کو ظاہر کر رہا ہے جو اشارہ ہے کہ پیغام کسی اور کا ہے اور پہنچانے والے وہ ہیں جن سے فرمادینے کا کہا گیا ہے۔اسم ضمیر کا صیغہ ھو اور اللہ احد پر بعد میں بحث ہوگی۔ یہاں صرف یہ واضح کرنا ہے کہ لفظ قل سے مراد وہ ذات ہے جس کے واسطے سے ہمیں خدا کی پہچان ہوئی اور غیب کی خبر ملی اور اس کے بغیر ہم تک یہ خبر نہ پہنچتی۔غور کیا جائے تو ہمیں پتا چلتا ہے کہ اللہ احد کوئی عام خبر نہیں اور نہ ہی عام فہم ہے بلکہ خبر بھی خاص ہے اور ہے بھی خبر غیب۔ابھی اسے سمجھنا اور آسان ہوگیا کہ آیا کون سی ایسی ہستی ہے جو ہم تک غیب کی خبریں پہنچائے۔تو اس کے لیے قرآن کی دوسری آیت پر غور کریں
۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ذٰلِكَ مِنۡ اَنۡۢبَآءِ الۡغَيۡبِ نُوۡحِيۡهِ اِلَيۡكَ۔۔﴿۴۴﴾(ال عمران)

''اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں۔۔''

اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ یہاں قل سے مراد وہ ہستی ہے جو خدا کی مخبر ہے اور جو خبر ہم تک پہنچ رہی ہے وہ خبر غیب ہے۔جس کا مطلب یہ ہوا کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم (غیب کی خبریں دینے والے) آپ فرمادیں کہ اللہ اکیلا ہے۔اور دوسری آیت میں اللہ کہتا ہے کہ غیب کی خبر صرف نبی کو ہوتی ہے۔تو اگر یہاں یہ کہا جائے کہ اللہ کے متعلق غیب جاننے کیلیے ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے کی ضرورت نہیں؟۔تو اگر واسطہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لیے لازم ہے تو پھر یہ کیوں نہیں کہا جاسکتا کہ سورۃ اخلاص میں لفظ قل سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے ہم تک اپنی معرفت پہنچاتا ہے۔اگر کہا جائے کہ اگر لفظ قل نہ ہوتا تو پھر بھی ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ انسانوں تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے ہی پہنچتا کیونکہ وحی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ہی نازل ہوتی تھی۔تو اس کا جواب یہی کہا جاسکتا ہے کہ آخر لفظ قل میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیا حکمت تھی کہ خاص اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم فرمایا کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم میری ذات اور صفات کی معرفت کا اعلان فرمادو۔اسی لیے ہمیں سمجھنا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے غیب کی خبر سے آگاہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے کے بغیر ممکن نہیں اور اسی بات کو اشارۃً لفظ قل سے ظاہر فرمایا گیا ہے اور کوئی بھی مومن اللہ کے طریقہ پر اعتراض نہیں کرسکتا کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخبر کیوں بنایا۔ یہ اللہ تعالیٰ

کی سنت ہے کہ وہ اپنے کام کیسے سرانجام دیتا ہے۔

ایک آیت پیش کی جاتی ہے:

قُلْ لِّعِبَادِیْ یَقُوْلُوا الَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ۔۔۔﴿۵۳﴾(بنی اسرائیل)

''(اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم) آپ میرے بندوں سے فرمادیں کہ وہ بات کہیں جوسب سے اچھی ہو''۔

سب سے پہلی بات یہ کہ اس آیت میں جن بندوں کا ذکر کیا گیا ہے اس سے مومنین مراد ہیں نہ کہ کافر۔مومنین سے بھی بواسطہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم خطاب کیا جارہا ہے تو کسی گمراہ اور کافر کو ہدایت بغیر واسطہ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے کیسے مل سکتی ہے؟۔

تفسیر قرطبی میں حضرت حسن بصری آیت وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدىٰ کے بارے فرماتے ہیں:

''تجھے ایک گمراہ نے پالیا تو وہ تیری وجہ سے ہدایت پا گیا''۔

(تفسیر قرطبی۔جلد۱۰۔صفحہ۳۹۷)

اس آیت میں وجد فعل ماضی واحد مذکر غائب کا صیغہ ہے۔اسی لیے یہاں یہ گمان نہ ہونا چاہیے کہ شاید یہ آیت کسی مخصوص شخص کے لیے ہے کہ جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ سے ہدایت پائی تو یہ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خاصیت تو نہ ہوئی۔ بلکہ تبلیغ سے تو کسی کو بھی ہدایت مل سکتی ہے؟۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ مذکورہ آیت میں لفظ وَجَدَ قرآن مجید کے اس اسلوب پر ہے جو سورۃ زلزلٰت میں بیان ہوا ہے۔وَ قَالَ الْاِنْسَانُ مَا لَهَا۔اورانسان کہے گا کہ اسے (زمین کو) کیا ہو گیا۔

یہ قیامت کے دن کی بات ہے کہ جب قیامت کا زلزلہ واقع ہوگا تو ہر طرف تباہی دیکھ کر انسان کہے گا کہ زمین کو کیا ہو گیا ہے یہ اتنا کیوں ہل رہی ہے؟۔تو اس آیت میں بھی الناس استعمال نہیں کیا گیا بلکہ لفظ انسان استعمال کیا گیا ہے تو کیا اس سے بھی یہی مراد لیا جائے گا کہ صرف ایک انسان یہ کہے گا کہ زمین کو کیا ہو گیا ہے یہ کیوں ہل رہی ہے؟ نہیں، بلکہ انسان کے ان احساسات کو بیان کیا گیا ہے کہ جب وہ قیامت کے دن زلزلہ دیکھے گا تو گمان کرے گا کہ زمین کو کیا ہو گیا ہے کہ اتنی شدت سے متزلزل ہے۔

اسی طرح دوسری آیت ہے:

هَلْ اَتٰی عَلَی الْاِنْسَانِ حِیْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ یَكُنْ شَیْأً مَّذْكُوْرًا۔

''بے شک انسان پر ایک وقت وہ گزرا کہ کہیں اس کا نام بھی نہ تھا''

اس آیت میں بھی لفظ انسان استعمال ہوا ہے تو کیا یہاں بھی یہی مراد لیا جائے گا کہ اس سے صرف ایک انسان مراد ہے۔

اسی طرح وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدىٰ میں بھی اگرچہ واحد کا صیغہ استعمال کیا گیا لیکن مفہوم آیت یہ ہوگا کہ جس نے بھی تجھے

پالیا اور وہ گمراہ تھا تو ہدایت پا گیا کیونکہ ہدایت ہر گمراہ کیلیے ہے۔

وَوَجَدَكَ سے مراد رسالت پر ایمان ہے اور ا فَهَدىٰ سے مراد توحید پر ایمان۔ اور یہ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰه کے مفہوم پر ہے۔

یہاں ایک سوال اٹھایا جا سکتا ہے کہ ایک شخص نے کسی بندے کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا تو اس میں اس بندے کا ذریعہ تو آئے، واسطہ محمد مصطفیٰ ﷺ کا کیا معنیٰ؟۔

اس کے تین جوابات ہیں۔

ا۔ جس بندے کے ہاتھ پر وہ مسلمان ہوا وہ مسلمان کیسے رہا؟ کیا قرآن اور حدیث کے بغیر اسے ہدایت ملی؟ اگر نہیں تو قرآن و حدیث تو نبی کریم ﷺ کے واسطے سے ہم تک پہنچا۔

۲۔ یہ درست ہے کہ اس میں اس بندے کا واسطہ ضرور آتا ہے جس کے ہاتھ پر کوئی مسلمان ہوا۔ تو کیا یہاں اس بندے جو کہ نبی کریم ﷺ کا امتی ہے اس کے واسطے کو تو تسلیم کیا جا رہا ہے لیکن نبی کریم ﷺ کہ جن سے اللہ کے دین کا بول بالا ہوا، کا واسطہ تسلیم نہیں کیا جائے گا؟

۳۔ اسلام قبول کرانے والے بندے کے واسطے کو بھی مان لیا اور وہ آدمی مسلمان بھی ہو گیا تو اب اس کی ہدایت کیلیے ضروری ہے کہ وہ دین کی تعلیمات سیکھے۔ تو وہ کہاں سے سیکھے گا جب کہ قرآن اور حدیث کہ جن میں ہدایت ہے، نبی کریم ﷺ کے واسطے سے ہم تک پہنچے۔

تو یہاں پھر وضاحت کی جاتی ہے کہ واسطہ محمد مصطفیٰ ﷺ سے فرار ممکن ہی نہیں۔

ہاں ایک بات ہے کہ اللہ تعالیٰ مخلوق تک اپنے احکامات بغیر واسطہ محمدی ﷺ کے پہنچاتا جو کہ اللہ تعالیٰ نہیں کرتا، یہاں یہ نہیں کہا جائے گا کہ اللہ نہیں کر سکتا، بلکہ اللہ ایسا کرتا ہی نہیں۔ تو جب اللہ ایسا نہیں کرتا تو لازم ہے کہ اس واسطے کو اپنایا جائے جس کی تلقین اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

دوسرا یہ کہ اللہ تعالیٰ اس آیت میں بتا رہا ہے کہ اے لوگو دیکھو کہ تمھارے اور میرے درمیان میرا ایک ایسا بندہ ہے جو مجھ سے وابستہ ہے وہ براہ راست مجھ سے لیتا ہے اور تمھیں اگر مجھ تک پہنچنا ہے تو اس بندے سے وابستہ ہو جاؤ تم مجھے پا لو گے۔ اگر اللہ تعالیٰ کو بغیر واسطہ محمدی ﷺ کے پایا جا سکتا ہوتا تو اللہ تعالیٰ براہ راست اپنے بندوں سے خطاب فرماتے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی مکرم ﷺ کو حکم فرمایا کہ آپ میرے بندوں کو فرما دیں۔

نیک اعمال کی تلقین بھی نبی کریم ﷺ کے واسطے سے کی گئی اور برے اعمال کی بخشش بھی نبی کریم ﷺ کے واسطے سے عطا کی جاتی ہے۔ یہ آیت دیکھیے۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْظَّلَمُوْااَنْفُسَهُمْ جَاءُ وْ كَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَلَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوااللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴿٦٤﴾ (النساء)

''اوراگروہ اپنی جانوں پرظلم کریں تواے محبوب ﷺ آپ کے حضور حاضر ہوں اور پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول ان کی شفاعت فرمائے تو ضرور اللہ کوتوبہ قبول کرنے والا،مہربان پائیں''۔

اللہ تعالیٰ بخشتا ہے لیکن اس آیت میں اپنی بخشش کو نبی کریم ﷺ کی شفاعت سے جوڑ دیا۔یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں تواب اوررحیم تب ہوں جب میرے نبی کریم ﷺ کی اطاعت کواپنے اوپرلازم کیاجائے۔

ایک اورآیت ہے:

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْلَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ۔۔۔﴿٥﴾ (المنٰفقون)

''اور جب ان سے کہاجاتا ہے کہ آؤرسول اللہ ﷺ تمھارے لیے(اللہ) سے معافی مانگیں''۔

شانِ نزول:

اکثر تفاسیر میں یہ بات ہے کہ یہ آیت عبداللہ بن ابی منافق کے بارے نازل ہوئی جب اس سے اس کی منافقت کے بدلے صحابہ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کے پاس جاتا کہ نبی کریم ﷺ تیرے لیےاللہ تعالیٰ سے بخشش مانگیں تواس نے سرہلادیا۔

صحیح ترین روایات سے یہ دلیل ہے جوکہ قرآن سے ہے۔صحابہ کرام کاعقیدہ بھی یہی تھا کہ بے شک بخشنے والی ذات اللہ تعالیٰ کی ذات ہے لیکن نبی کریم ﷺ سے وسیلہ اس کا ذریعہ ہے۔اگر وسیلہ درست نہ ہوتا تو صحابہ کیوں فرماتے کہ نبی کریم ﷺ کے پاس جاتا کہ نبی کریم ﷺ تیرے لیے اللہ سے بخشش چاہیں،صحابہ فرما سکتے تھے کہ اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ تاکہ وہ تجھے بخش دے۔

یہی بات لفظ قل کے متعلق ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جیسے میں میری بخشش کو پانے والے کے لیے وسیلہ نبی مکرم ﷺ کی تلقین کرتاہوں اسی طرح لفظ قل سے یہ بتایاجارہاہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اللہ اورصفات کو جاننے کیلیے نبی کریم ﷺ کا دامن تھام لو۔کیونکہ اگر نبی کریم ﷺ کے واسطے سے گناہ بخشے جاتے ہیں تو نبی کریم ﷺ کے واسطے سے معرفت خدا بھی عطا کی جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی عادت یہ نہیں کہ وہ کسی خاص حکم میں تبدیلی لائے یعنی اگر اللہ تعالیٰ نبی کریم ﷺ کے ذریعے اپنے کلام کوانسانوں تک پہنچاتا ہے تو ایسا نہیں کہ وہ کبھی بغیر نبی کریم ﷺ کے قرآن انسانوں تک پہنچادے اوراگر قرآن نبی کریم ﷺ کے بغیر ہم تک نہیں پہنچتا تو ہدایت تو قرآن ہے۔ذلك الكتب لاريب فيه هدى اللمتقين۔اوراللہ تعالیٰ کے اٹل فیصلے کی تصدیق وتفصیل آپ قرآن کی اس آیت سے پاسکتے ہیں۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ: وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا

(الاحزاب۔ ۶۲)(الفتح۔ ۲۳) ۔۔اور ہر گز اللہ تعالیٰ کی سنت تبدیل نہیں ہوتی ۔۔اور دوسری آیت میں فرمایا: لَا تَبْدِيلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۔۔﴿۶۴﴾ (یونس) اللہ تعالیٰ کی باتیں بدل نہیں سکتیں۔اس سے اللہ تعالیٰ کی شان میں کمی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔اگر حاکم اپنے محکوم کو کہے کہ فلاں کام کرو تو اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں ہوگا کہ وہ حاکم وہ کام کرنے سے عاجز ہے بلکہ حاکم کی یہ شان ہے کہ محکوم اس کا کام کریں۔تو اللہ تعالیٰ تو احکم الحاکمین ہے اگر اللہ تعالیٰ اس جہاں کے کام فرشتوں کے سپرد کرتا ہے تو اس میں اللہ تعالیٰ کی اعلیٰ شان کا اظہار ہوتا ہے۔اسی بات کو سورۃ البقرۃ میں اس انداز سے بیان فرمایا گیا ہے۔

وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۶۰﴾ (البقرۃ)

ترجمہ: اور یاد کرو جب موسیٰ نے اپنی قوم کیلیے پانی کی دعا مانگی تو ہم نے فرمایا مارو اپنا عصا فلاں چٹان پر، فوراً بہہ نکلے اس چٹان سے بارہ چشمے، پہچان لیا ہر گروہ نے اپنا گھاٹ، کھاؤ اور پیو اللہ کے دیئے ہوئے رزق سے اور زمین میں فساد برپا کرتے نہ پھرو۔۔

اللہ تعالیٰ کی سنت تبدیل نہیں ہوتی۔اس آیت میں بھی سنت خداوندی کو ظاہر فرمایا گیا ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے پانی کی دعا فرمائی تو اللہ تعالیٰ خود بھی اس چٹان سے پانی جاری فرما سکتا تھا لیکن نہ تو بنی اسرائیل نے اللہ تعالیٰ سے بغیر کسی واسطہ کے پانی مانگا اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کی سنت تبدیل ہوتی ہے تو اسی لیے اللہ تعالیٰ نے پانی تو خود جاری فرمایا لیکن اس میں واسطہ موسیٰ کو قائم رکھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا کہ اس چٹان پر اپنا عصا مارو تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا مارنے سے چٹان سے پانی جاری ہوگیا۔تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اگر انسانوں کی جسمانی غذا یعنی پانی بغیر واسطہ کے انسانوں تک نہیں پہنچتا تو کیا اللہ تعالیٰ انسان کی روحانی غذا اور طاقت یعنی اپنی معرفت بغیر واسطہ کے عطا کرنا پسند کرے گا؟ اگر معرفت بغیر واسطہ کے عطا نہیں کرتا تو پھر لفظ قل سے واسطہ نبی مکرم ﷺ مراد لینا کیسے غلط ہو سکتا ہے۔

مدارج النبوۃ میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ بیان فرماتے ہیں کہ: بعض روایتوں میں آیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب توریت کی تختیوں میں امت نبی آخر الزماں ﷺ کی تقریباً ستر صفات کو پڑھا تو انہوں نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا: اے خدا! اس امت کو میری امت بنا دے۔فرمان خدا آیا کہ اے موسیٰ! اس امت کو تمھاری امت کیسے بناؤں وہ امت تو نبی آخر الزماں ﷺ کی امت ہے۔حضرت موسیٰ نے عرض کیا اے خدا! تو مجھے ہی امت محمدیہ میں بنا دے۔اس پر حق تعالیٰ نے انہیں اپنے اس ارشاد میں دو خوبیاں عطا فرمائیں۔چنانچہ فرمایا:

قَالَ يٰمُوْسٰى اِنِّى اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِىْ وَ بِكَلَامِىْ فَخُذْ مَا اٰتَيْتُكَ وَكُنْ مِّنَ

الشَّاكِرِيۡنَ O

ترجمہ: فرمایا اے موسیٰ میں نے تمھیں لوگوں پر اپنی رسالت اور اپنے کلام کے ساتھ برگزیدہ فرمایا تو تم لو جو میں نے تمھیں دیا اور شکر گزاروں میں ہو جاؤ۔

(مدارج النبوۃ: جلد ا۔ صفحہ ۱۳۹)

اس روایت سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس موسیٰ علیہ السلام کے ذریعے ان کی امت کو رزق عطا فرمایا جو نبی کریم ﷺ کے امتی ہونے کی تمنا کرتے تھے تو امتی ہونے کا تمنائی وسیلہ رزق ہے تو کون ہے جو یہ اندازہ کر سکے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی مکرم ﷺ سید الانبیا ﷺ کے وسیلے سے انسان کو کیا کیا عطا فرما سکتا ہے؟ اسی حکمت کو لفظ قل میں چھپا دیا گیا ہے کہ ایک انسان کیلیے سب سے بڑی چیز خدا کی معرفت ہے اور وہ رحمت جو انسان کیلیے سب سے بڑی ہے وہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی مکرم ﷺ کے توسط سے یہ فرما کر عطا فرمائی کہ قل هو الله احد۔ اے محبوب ﷺ آپ فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ اکیلا ہے۔۔

تیسری بات جو اس آیت سے ثابت ہے کہ چاہے وہ چٹان سے نکلنے والے چشمے حضرت موسیٰ کے عصا مارنے سے جاری ہوئے لیکن یہ نہ کہا جائے گا کہ یہ حضرت موسیٰ کا دیا ہوا رزق ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

كُلُوۡاوَاشۡرَبُوۡامِنۡ رِّزۡقِ اللّٰهِ وَلَا تَعۡثَوۡا فِى الۡاَرۡضِ مُفۡسِدِيۡنَ ﴿۶۰﴾ (البقرۃ)

ترجمہ: کھاؤ اور پیو اللہ کے دیئے ہوئے رزق سے اور زمین میں فساد برپا کرتے نہ پھرو۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ بنی اسرائیل جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے وسیلہ سے عطا فرماتا ہے اسی لیے وہ حضرت موسیٰ سے عرض کرتے۔

وَاِذۡقُلۡتُمۡ يٰمُوۡسٰى لَنۡ نَّصۡبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادۡعُ لَنَا رَبَّكَ يُخۡرِجۡ لَنَا مِمَّا تُنۡبِتُ الۡاَرۡض۔۔﴿۶۱﴾ (البقرۃ)

''اور یاد کرو جب تم نے کہا اے موسیٰ! ہم صبر نہیں کر سکتے ایک ہی طرح کے کھانے پر سو آپ دعا کیجئے ہمارے لیے اپنے پروردگار سے کہ نکالے ہمارے لیے وہ جن کو زمین اگاتی ہے''۔

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی ان کو منع نہیں فرمایا کہ اے بنی اسرائیل تم جو کچھ بھی مانگتے ہو اللہ تعالیٰ سے خود مانگ لو۔ بلکہ فرمایا:

۔۔۔اِهۡبِطُوۡا مِصۡرًا فَاِنَّ لَكُمۡ مَّا سَاَلۡتُمۡ۔۔۔﴿۶۱﴾ (البقرۃ)

''جا رہو کسی شہر میں تمھیں مل جائے گا جو تم نے مانگا''

اثبات توسط کے ساتھ ساتھ ان آیات میں ان بہنے والے چشموں کو اللہ کا رزق قرار دیا گیا ہے بالکل ایسے ہی اللہ تعالیٰ کے حکم

قل سے نبی کریم ﷺ کو حکم فرمانے کا مفہوم یہ ہے کہ چاہے یہ آیت نبی کریم ﷺ سے کہلوائی گئی ہے لیکن یہ کلام تو خدا کا ہے لیکن واسطہء اظہارِ کلام نبی مکرم ﷺ ہیں۔

حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب الشفاء میں آیت: ولسوف یعطیك ربك فترضیٰ کی تفسیر بیان فرماتے ہیں کہ: اس قول کی تفسیر میں ایک قول یہ ہے کہ ''کیا تمھیں ایسی حالت میں نہ پایا کہ تمھارے ذریعے گمراہ کو ہدایت دی، کنگال کو غنی کیا اور یتیم کو ٹھکانہ بخشا''۔

(الشفاء۔ جلد۱۔ صفحہ۸۰)

ایک اور آیت میں ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۶۴﴾ (ال عمران)

''بے شک اللہ کا بڑا احسان ہوا کہ ان میں انہیں میں سے ایک رسول بھیجا جو ان پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت سکھاتا ہے اور وہ ضرور اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے''۔

آیت واضح کررہی ہے کہ ہدایت نبی کریم ﷺ کی آغوش سے ملتی ہے اور نبی کریم ﷺ کے بغیر گمراہی ہے۔

اسی واسطے اور وسیلے کا اظہار حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ، نے نجاشی کے دربار میں کیا: ''جب نجاشی نے نبی کریم ﷺ کے متعلق دریافت کیا تو حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ ہم جاہل تھے، بتوں کی پوجا کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے اپنا ایک رسول ہماری طرف بھیجا جن کے حسب ونسب کے کمال وعمدگی کو ہم سب جانتے تھے انہوں نے ہمیں ایک خدا کی طرف بلایا اور دین اسلام کی طرف رہنمائی فرمائی''۔

(معارج النبوۃ۔ جلد۲۔ صفحہ۲۷۳)

ایک اور حدیث سے نبی کریم ﷺ کے وسیلے سے بیٹا عطا ہونا۔

حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ حضرت ابوطلحہ کا ایک لڑکا بیمار تھا۔ جب حضرت ابوطلحہ باہر گئے تو لڑکا وفات پا گیا۔ جب حضرت ابوطلحہ واپس آئے تو پوچھا بچے کا حال کیسا ہے؟ حضرت ام سلیم نے کہا وہ پہلے سے بہتر ہے۔ پھر انہوں نے رات کا کھانا پیش کیا۔ کھانا کھا کر انہوں نے ان کے ساتھ صحبت کی۔ جب فارغ ہوگئے تو حضرت ام سلیم نے کہا لڑکے کو دفن کرآؤ ۔حضرت ابوطلحہ صبح کے وقت رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ سے واقعہ عرض کیا۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ کیا آج تم نے ہمبستری کی ہے؟ عرض کی، ہاں۔ زبان حق ترجمان پر یہ الفاظ جاری ہوئے

اے اللہ ان دونوں کو برکت دے۔

حضرت ابوطلحہؓ فرماتے ہیں پس میرے ہاں لڑکا پیدا ہوا۔
(صحیح بخاری: جلد نمبر:۳)

ایک اور حدیث میں ہے:

ابوالمنہال کا بیان ہے کہ انہوں نے سنا کہ حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بے شک تمھیں اللہ تعالیٰ نے اسلام اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے غنی کر دیا۔

اور اسی بات کی وضاحت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان عالی شان میں ہے کہ۔ میں ماحی ہوں اللہ تعالیٰ میرے واسطے سے کفر کو مٹاتا ہے۔۔ یہی لفظ قل کی حقیقت کا عکس ہے۔ تو پھر اگر اب بھی کوئی شان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو ظاہر کرنے میں تردد سے کام لے تو یہ اس کی کم عقلی ہی ہو سکتی ہے اور کوئی بھی ذی فہم اس حقیقت سے بے خبر نہیں رہ سکتا۔

چوبیسویں فصل

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے کہ:

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰہ، قُلْ فَاتوبعشر سورمثله مفتر يت وادعوامن الستطعتم من دون الله ان كنتم صادقين۔

''کیا وہ کہتے ہیں کہ اس نے یہ (قرآن خود) گھڑ لیا ہے، آپ فرمایئے! تو تم بھی لے آؤ دس سورتیں اس جیسی گھڑی ہوئی اور بلا لو جس کو بلا سکتے ہو اللہ تعالیٰ کے سوا اگر تم سچے ہو''۔۔

یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی لفظ قل کے بغیر نازل ہوتی تو کافر کہہ سکتے تھے کہ یہ تو آپ نے گھڑ لیا ہے، یہ خدا کا کلام نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قل کے ساتھ حکم ہی اس وقت فرمایا جب کفار نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے قرآن کو گھڑنے کا کہا۔ اللہ تعالیٰ نے قل فرما کر انہیں بتا دیا کہ یہ قرآن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں گھڑا بلکہ یہ اس ذات سے ہے کہ جس کا اتارا ہوا قرآن کبھی بھی کسی کے کلام کے برابر نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ پہلے نکات میں بیان کیا گیا تھا کہ اگر سورۃ اخلاص میں اللہ تعالیٰ لفظ قل کے ساتھ حکم نہ فرماتا اور هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ سے وحی نازل ہوتی تو وہ لوگوں تک تو پہنچ جاتی لیکن کافر کہہ سکتے تھے کہ یہ تو خدا کا کلام نہیں ہے۔ قل فرما کر اللہ تعالیٰ نے کافروں پر واضح کر دیا کہ قرآنی احکام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے نہیں بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے تم تک پہنچنے والے احکام خدا کی طرف سے ہیں۔

پچیسویں فصل

اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے لفظ قل فرما کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جواب دلوایا جیسا کہ سورۃ رعد میں ہے

۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلًا قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنِيْ وَ بَيْنَكُمْ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ ﴿۴۳﴾(الرعد)۔

''اور کفار کہتے ہیں کہ آپ ﷺ رسول نہیں، فرمایئے: اللہ تعالیٰ بطور گواہ کافی ہے میرے اور تمھارے درمیان اور وہ لوگ جن کے پاس قرآن کا علم ہے''۔

اگر خدا پر اعتراض کیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے لفظ قل فرما کر نبی کریم ﷺ سے جواب دلوایا جیسا کہ سورۃ رعد میں دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:۔۔۔۔وَهُمْ يَكْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِ، قُلْ هُوَ رَبِّيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عليه توكلت و اليه متاب ﴿۳۰﴾(الرعد)۔۔''اور وہ کفار انکار کر رہے ہیں رحمٰن کا: فرما دیجئے: وہی میرا پروردگار ہے نہیں کوئی معبود سوائے اسکے، اسی پر ہی میں نے بھروسہ کر رکھا ہے اور اسی کی طرف رجوع کیے ہوئے ہوں''۔۔

ان دونوں آیات میں اللہ و رسول پر طعن کرنے کا جواب ایک ہی طریقہ سے دیا گیا یعنی اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو صرف قرآن مجید میں جواب دیکر نہیں بلکہ ایک خاص حکم فرما کر جواب دینے کا فرمایا۔ پھر اگر اللہ و رسول پر ایک ساتھ طعن کیا جائے تو اس کا جواب اللہ تعالیٰ کیسے مرحمت فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید کی سورۃ اخلاص میں فرماتے ہیں: قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ۔۔اَللّٰهُ الصَّمَدُ۔۔لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ۔۔ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَد۔۔ترجمہ: (اے حبیب) فرما دیجئے وہ اللہ ہے، یکتا، وہ صمد ہے، نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ وہ جنا گیا اور نہ ہی اسکا کوئی ہمسر ہے۔۔

اس سورۃ کے شان نزول کے سبب آپ نے جانا کہ کفار نے کہا اے محمد ﷺ آپ اپنے خدا کا نسب بیان کریں۔ پہلی دو آیات میں اللہ تعالیٰ نے کفار کا سوال دہرایا لیکن سورۃ اخلاص میں سوال نہیں دہرایا گیا۔۔

پہلی آیت میں واضح تھا کہ یہ کفار کا اعتراض نبی کریم ﷺ پر ہے اور دوسری آیت میں واضح تھا کہ یہ اعتراض اللہ تعالیٰ پر ہے لیکن اس بار کفار نے صرف اللہ پر اعتراض نہیں کیا بلکہ نبی کریم ﷺ سے بھی تمسخر کیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے سوال دہرایا نہیں بلکہ اسی طریقہ سے قل فرما کر اپنی طرف سے بھی اور نبی کریم ﷺ کی طرف سے بھی جواب مرحمت فرمایا۔۔ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا (الاحزاب۔۶۲)(الفتح۔۲۳)۔۔''اور ہرگز اللہ کی سنت تبدیل نہیں ہوتی''۔۔ کیونکہ کفار کو اللہ تعالیٰ کا جواب مومنین کیلیے ہدایت ہے اور ہدایت نبی کریم ﷺ کے بغیر کسی کو نہیں ملتی تو چاہے اللہ پر اعتراض ہو یا نبی کریم ﷺ پر یا اللہ و رسول پر تو جواب نبی کریم ﷺ کے واسطے سے ہی دیا گیا۔

بیان کردہ دلائل اور بحث کی روشنی میں یہ واضح ہو گیا کہ لفظ قل کا مقصد انسانوں کو نبی کریم ﷺ کو بطور واسطہ اظہار آیات رب العالمین ظاہر فرمانا ہے۔ تو جس کے واسطہ سے ہمیں کسی سے کچھ ملا تو ہمیں ماننا پڑے گا کہ جس کے واسطے سے ملا ان کا مقام

دینے والے کے نزدیک ان سے بلند و بالا ہے کہ جن کو واسطے سے ملا۔جیسا کہ حدیث پاک میں ہے کہ ایک صحابی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر رہتا تھا اوراس کا بھائی کام کاج میں لگا رہتا تھا۔اس کام کو کرنے والے بھائی نے نبی کریم ﷺ کے خادم کا شکوہ کیا یعنی میں کام کرتا ہوں اور تم کام نہیں کرتے ہو۔تو اس پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کیا معلوم کہ تجھے بھی اسی کے وسیلے سے رزق ملتا ہو۔اس حدیث سے آپ آسانی سے سمجھ سکتے ہیں کہ ایک خادم رسول اللہ ﷺ کا یہ مقام ہے کہ اس کے واسطے سے رزق مل سکتا ہے کس وجہ سے؟ کہ وہ نبی کریم ﷺ کا خادم ہے اور مومن ہے۔تو اللہ کے نزدیک نبی ﷺ کا خادم زیادہ افضل ہے اس سے جو نبی کریم ﷺ کا خادم نہیں ہے۔تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ نبی ﷺ کے خادم ایسے نہیں جیسے دوسرے لوگ۔

نبی کریم ﷺ اللہ تعالیٰ اور مخلوق کے درمیان واسطہ ہیں اور واسطہ اس ذات کے زیادہ قرب کو ظاہر کرتا ہے اور جو جتنا اللہ تعالیٰ کے قریب ہے اس کی شان اتنی ہی بلند و بالا ہے۔اور اللہ تعالیٰ کا سب سے زیادہ قرب نبی کریم ﷺ کو حاصل ہے۔اور نبی کریم ﷺ کی شان: وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ہے۔وہ شان جسے خدا نے بلند کیا۔نبی کریم ﷺ اپنی امتیازی خصوصیات کی بدولت جو کہ نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائیں تمام مخلوق سے افضل و اعلیٰ ہیں اور مخلوق میں سے کسی کی مثل نہیں ہیں۔

یہاں مختصراً یہ بات بھی سمجھنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

۔۔۔لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ۔۔۔﴿۱۱﴾(الشوریٰ)

''اللہ تعالیٰ کی مثل کوئی چیز نہیں''۔

تو یہاں کسی کے ذہن میں شیطان یہ وسوسہ ڈال سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی کسی کی مثل نہیں اور آپ کہتے ہیں نبی کریم ﷺ بھی کسی کی مثل نہیں۔تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ جو اللہ کی خوبی ہو اس سے نبی کریم ﷺ متصف ہوں؟

اس کے جواب میں آپ کو سمجھنا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کا بے مثال ہونا ذاتی خصائص کی بنا پر ہے۔اور نبی کریم ﷺ کا بے مثال ہونا عطائی خصائص کی بنیاد پر۔اللہ تعالیٰ کی مثل کوئی ہو نہیں سکتا اور نبی کریم ﷺ کی مثل اللہ تعالیٰ نے تخلیق نہیں فرمایا۔اللہ تعالیٰ کسی کی مثل نہیں بشمول نبی کریم ﷺ۔اور نبی کریم ﷺ مخلوق میں سے کسی کی مثل نہیں۔اللہ تعالیٰ کو قل فرمانے والا کوئی نہیں اور نبی کریم ﷺ کو قل کے ساتھ خطاب فرما کر اپنی تعریف کروانا اللہ تعالیٰ کی سنت ہے۔اللہ تعالیٰ کو کسی کا لفظ قل کے ساتھ حکم دینا اللہ تعالیٰ کی شان کو کم کرتا ہے۔اور نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا قل فرمانا نبی کریم ﷺ کی شان کو بڑھاتا ہے۔کسی بھی عقل وفہم رکھنے والے کیلیے اتنا کافی ہے کہ یہاں نبی کریم ﷺ کو قل کے ساتھ حکم فرمانے کا ذکر ہو رہا ہے اور نبی کریم ﷺ کو بے مثال بھی کہا جا رہا ہے تو لازم ہے کہ لفظ قل کی تشریح کو سمجھا جائے کہ نبی کریم ﷺ کا لفظ قل سے خطاب فرمانے میں وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ کا مفہوم ہے اور اللہ تعالیٰ کو لفظ قل سے حکم نہیں دیا جا سکتا۔اللہ تعالیٰ کا بے مثال ہونا بطور حاکم ہے اور نبی کریم

ﷺ کا بے مثال ہونا بطور اللہ تعالیٰ کے محکوم ہونے کے ہے۔ اللہ تعالیٰ کا بے مثال ہونا شان الوہیت ہے اور نبی کریم ﷺ کا بے مثال ہونا شان رسالت ہے۔

بیان کردہ دلائل کے بعد کسی کو شک نہیں ہونا چاہیے کہ نبی کریم ﷺ کسی کی مثل ہو سکتے ہیں۔ لفظ قل سے واسطہ نبی ﷺ کو ظاہر فرمانا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہی ذات ہی اللہ تعالیٰ کے نزدیک افضل و اعلیٰ ہیں اور جو اللہ تعالیٰ کے جتنا زیادہ قریب ہے ان کے خصائص بھی ویسے ہی انفرادی اور امتیازی ہیں۔

چھبیسویں فصل

ہر زبان کے مطابق اگر سننے والا یہ سنے کہ کوئی کہنے والا کہتا ہے کہ: قُلۡ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ

تو سننے والا اتنا ضرور سوچے گا کہ اس کہنے والے کو کہلوانے والا کون ہے۔ اور لفظ قل اشارہ ہے کہ یہ نبی کریم ﷺ خود سے نہیں کہہ رہے بلکہ کہلوایا گیا ہے۔ اور :ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ کہلوانے والے کی اس عظمت کو ظاہر کر رہا ہے کہ جس سے سننے والا اس ذات بارے جاننے کا شوق رکھتا ہے کہ کون ہے وہ ذات جو اپنی ذات وصفات میں احد ہے۔ تو یہاں ہمارے پاس اس ذات کے بارے جاننے کا صرف ایک آپشن ہے۔ اور وہ آپشن وہ ذات ہے کہ جس کے ذریعے وہ کلام کہلوایا گیا۔ یہ تو خدا اور رسول کی راز و نیاز کی باتیں ہیں۔ میں آپ کو ایک سادہ مثال دیتا ہوں کہ اگر میں کہوں کہ مجھے کہا گیا ہے کہ فلاں بات ایسے ہے تو کوئی ہے جو یہ جان سکے کہ مجھے کہنے والا کون ہے تو پوچھنے والے کے پاس دو آپشن ہونگے یا تو میں اسے اس کہلوانے والے کے بارے بتا دوں یا مجھ سے کہلوانے والا اسے بتا دے۔ اس کے علاوہ اس بات کی معرفت کا کوئی واسطہ و ذریعہ نہیں۔ تو اگر ہماری آپس کی گفتگو میں ہمارے اسلوب کو کوئی نہیں سمجھ سکتا تو کون ہے جو رسول اللہ ﷺ کے راز کو جان سکے۔

تو اب ہمارے پاس: قُلۡ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ کے کہلوانے والے کے بارے جاننے کا ایک آپشن ہے لیکن اس کے جاننے والے دو ہیں۔ اللہ اور اس کا رسول ﷺ۔ لیکن ہمارے پاس ایک آپشن ایسے ہے کہ خدا سے پوچھنا غیر نبی کیلیے محال ہے اور نبی سے پوچھنا قرآن وحدیث پر عمل۔

کوئی بھی چیز جو کسی ایسی شئے کے بارے جاننے میں ہماری مددگار ہو تو وہ چیز اس پوشیدہ چیز کی نشانی اور دلیل کہلائے گی۔ اسی طرح: قُلۡ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ کے کہلوانے والے کے بارے جاننے کیلیے نبی کریم ﷺ کی ذات بابرکات ہمارے لیے اللہ تعالیٰ کی دلیل اور نشانی ہیں۔ قرآن مجید کی یہ آیت اس پر دلیل ہے کہ: یٰۤاَیُّھَا النَّاسُ قَدۡ جَآءَکُمۡ بُرۡھَانٌ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ وَ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡکُمۡ نُوۡرًا مُّبِیۡنًا ﴿۱۷۴﴾ (النساء)

”اے لوگو! تمھارے رب کی طرف سے تمھارے پاس (اس کی) نشانی آئی اور ہم نے تمھاری طرف واضح نور بھیجا“

اس آیت میں برھان سے مراد نبی کریم ﷺ اور نور مبین سے مراد قرآن مجید ہے۔
(تفسیر ابن عباس۔تفسیر سورۃ النساء۔صفحہ ۳۲۰)

دوسری آیت میں ہے کہ:

قَدْ جَآءَ كُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِیْنٌ ﴿۱۵﴾ (المائدہ)

''بے شک تشریف لایا ہے اللہ کی طرف سے تمھارے پاس ایک نور اور ایک واضح کتاب''۔

تو لازم ہے کہ دلیل کا سہارا لیا جائے تا کہ ہدایت حاصل کی جاسکے۔

ستائیسویں فصل

یہاں لفظ قل کے بارے میں چند محققین کے الفاظ بیان کیے جاتے ہیں کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا لفظ یا ایھا الناس اور قل یا ایھا الناس فرمانے میں نبی کریم ﷺ بھی شامل ہیں یا نہیں؟ یا ایھا الناس بارے کہا جاتا ہے کہ دوسرا مذہب یہ ہے کہ نہیں ،وہ خطاب نبی کریم ﷺ کو شامل نہیں کرتا۔اور دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ وہ خطاب خود رسول اللہ ﷺ ہی کی زبان سے دوسروں کو تبلیغ کرانے کیلیے ادا کرایا گیا ہے۔لہٰذا یہ بات کیونکر مناسب ہوسکتی ہے کہ نبی کریم ﷺ بھی اس خطاب میں شریک ہوں جو اسی کی معرفت دوسروں تک بھیجا گیا ہے۔پھر اس کے علاوہ نبی کریم ﷺ کے خصائص بھی ان کو اس خطاب میں شامل نہیں بتاتے۔بعض اقوال کے مطابق اگر یہ خطاب لفظ قل (صیغہ امر) کے ساتھ مقترن بنایا جائے تو پھر اس وجہ سے کہ وہ تبلیغ کے بارے میں ظاہر اور نمایاں ہوجاتا ہے، کبھی رسول اللہ ﷺ کو شامل نہیں ہوگا۔اور یہی امر ان کے عدم شمول کا قرینہ ہے۔لیکن اگر وہ لفظ قل کے ساتھ مقترن نہ کیا جائے تو ایسی حالت میں یہ خطاب رسول اللہ ﷺ کو بھی اپنے شمول میں لے سکتا ہے۔

(الاتقان فی علوم القرآن۔جلد۲۔صفحہ ۷۰)

بحث کافی طویل ہے لیکن یہاں صرف لفظ قل سے ہی متصل موضوع کو واضح کیا جاتا ہے۔درج بالا بحث سے نبی کریم ﷺ کا لفظ قل کے نازل ہونے سے دوسرے لوگوں سے جدا ہونا ثابت ہے۔کہ اگر یَآ اَیُّهَا النَّاسُ کہا گیا تو اس میں نبی کریم ﷺ کی شمولیت کو ظاہر کیا گیا اور اگر قُلْ یَآ اَیُّهَا النَّاسُ کہا جائے تو نبی کریم ﷺ اس خطاب سے مستثنیٰ ہوگئے۔کس وجہ سے؟ کہ نبی کریم ﷺ کا دوسرے لوگوں کو تبلیغ فرمانا ظاہر ہوگیا۔

لیکن چند پیچیدہ اقوال پر بحث کی جاسکتی ہے کہ اگر لفظ قل ہی سے نبی کریم ﷺ کا دوسرے لوگوں کو تبلیغ فرمانا ظاہر ہوتا تو پھر اللہ تعالیٰ کے قول:۔۔۔اِنْ عَلَیْكَ اِلَّا الْبَلٰغُ۔۔۔۔﴿۴۸﴾ (الشوریٰ) آپ ﷺ کا فرض تو احکام پہنچا دینا ہے۔

شاہ ولی اللہ صاحب نے اپنی کتاب ازالۃ الخفاء میں فرمایا:

اَلنَّبِیُّ مِنْ امرِ بتَبلیغ شَریعۃ اللّٰہ۔

''نبی وہ ہے جو شریعت الٰہیہ کی تبلیغ پر معمور ہو''

(ازالۃ الخفاء۔ مقصداول۔ فصل سوم۔ تفسیر آیات خلافت۔ صفحہ ۱۹۸)

تو اگر کہا جائے کہ لفظ قل سے ہی نبی کریم ﷺ کا لوگوں کو تبلیغ کرنا ظاہر اور نمایاں ہوتا ہے تو اس آیت سے تو ہر آیت سے نبی کریم ﷺ کا تبلیغ کرنا ظاہر اور نمایاں ہے۔ تو یہاں یہ فرق سمجھنے کی ضرورت ہے کہ آیا لفظ قل میں کیا حکمت ہے۔ کہ جو حکم صرف یَاَ یُّھَاالنَّاسُ سے اپنے مقصد کو پالیتا ہے تو لفظ قل فرمانا کیا ہے؟ جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے اور دلیل پکڑی گئی ہے کہ لفظ قل چونکہ نبی کریم ﷺ کا لوگوں کو تبلیغ کرنے کو ظاہر اور نمایاں کرر ہا ہے اور دوسری آیت سے واضح ہوا کہ صرف لفظ قل نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر حکم کا تبلیغ کرنا نبی کریم ﷺ پر فرض ہے۔ تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نہ خطاب یَاَ یُّھَاالنَّاسُ میں شامل ہیں اور نہ ہی لفظ قل کے آنے سے ان احکام میں شامل ہیں جن میں نبی کریم ﷺ پر یَاَ یُّھَاالنَّاسُ کے الفاظ سے وحی فرمائی گئی۔ دوسری بات جو لفظ قل یا لفظ ناس سے خطاب فرمانے میں نبی کریم ﷺ کا اس میں شامل ہونے یا نہ ہونے پر سوال اٹھاتی ہے کہ اگر کہا جائے کہ الفاظ قُلْ یَاَ یُّھَاالنَّاسُ میں نبی کریم ﷺ شامل نہیں تو سورۃ الناس کی پہلی آیت کا کیا مطلب ہوگا کہ : قُلْ اَعُوْذُبِرَبِّ النَّاسِ ﴿۱﴾ (سورۃ الناس)۔ آپ ﷺ فرما دیں کہ میں پناہ لیتا ہوں تمام انسانوں کے رب کی۔۔ مندرجہ بالا بحث کے پیش نظر اگر کہا جائے کہ لفظ قل کے آنے سے نبی کریم ﷺ ان خطاب میں شامل نہیں ہوتے۔ لیکن سورۃ الناس کی پہلی آیت ثابت کرتی ہے کہ لفظ قل کے آنے سے نبی کریم ﷺ سے خطاب کیا گیا۔ یہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ لفظ قل سے نبی کریم ﷺ مخاطب ہیں اور کیونکہ لفظ یَاَ یُّھَاالنَّاسُ یہاں نہیں ہے تو صرف اس بات سے دلیل پکڑنا کہ سورۃ الناس میں ناس سے مراد تمام لوگوں کا رب اور تمام لوگوں کا رب اللہ تعالیٰ ہے اور نبی کریم ﷺ کے رب بھی اللہ تعالیٰ ہیں تو الناس میں نبی کریم ﷺ کو بھی شامل کیا جا سکتا ہے۔ تو اس کا جواب اس طرز میں نہیں دیا جائے گا جیسا کہ لفظ قل اور یَاَ یُّھَاالنَّاسُ سے خطاب کے مقصود پر بحث کی گئی۔ بلکہ اس آیت کا مفہوم ایسے سمجھا جائے گا کہ چاہے لفظ قل اکیلا استعمال کیا جائے یا الناس کے لفظ کے ساتھ تو یہاں مراد یہ ہوتا ہے کہ وہ بات بیان کی جا رہی ہے جو نبی کریم ﷺ کے علم میں ہے اور اس میں اشارہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان خطاب کا مقصد نزول واضح ہے کہ جو اللہ تعالیٰ لفظ قل کے ساتھ خطاب کر کے لوگوں کے سامنے واضح کرنا چاہتا ہے۔ تا کہ دوسرے لوگ بھی اس پر عمل کریں۔ لیکن جو بات جس کے علم میں ہو تو اسے اس حکم کے ساتھ خطاب کرنے کے دو مقاصد ہوتے ہیں ایک یہ کہ مخاطب ان احکام کو چھوڑ چکا ہو یہ غیر نبی کیلیے ہو سکتا ہے اور دوسرا مقصد یہ ہے کہ مخاطب ان احکام پر شروع سے عمل پیرا ہو لیکن یہاں خطاب کرنیکا مقصد مخاطب کی مدح سرائی ہو۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: یَاَ یُّھَاالنَّاسُ

اعْبُدُوا رَبَّكُمُ ۔۔﴿۲۱﴾ (البقرۃ) اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو۔۔ نبی کریم ﷺ عبادت تو اللہ تعالیٰ کی ہی کرتے تھے تو اگر یٰاَیُّھَا النَّاسُ میں نبی کریم ﷺ کو شامل کیا جائے تو اس سے نبی کریم ﷺ کی تعریف مقصود ہوگی۔ اور نبی کریم ﷺ کیلیے فرمایا ''قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ'' کیونکہ نبی کریم ﷺ اللہ تعالیٰ کو جانتے تھے تو یہاں نبی کریم ﷺ سے اللہ احد کہلوانا نبی کریم ﷺ کی شان کو واضح کرنا ہے۔

بیان کردہ بحث کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ لفظ قل سے نبی کریم ﷺ مخاطب ہیں اور یٰاَیُّھَا النَّاسُ سے دوسرے لوگ۔ لفظ قل اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ احکام سے نبی کریم ﷺ کا عالم ہونا ثابت کرتا ہے اور یا ایھا الناس سے دوسرے لوگوں کو بتانا۔ لیکن اگر لفظ قل کے بغیر خطاب ہے تو اس خطاب سے مقصود بھی نبی کریم ﷺ کے واسطے سے اے لوگو! کے خطاب سے لوگوں کو تبلیغ فرمانا ہے۔ یٰاَیُّھَا النَّاسُ سے خطاب نبی کریم ﷺ کو شامل نہیں ہے کیونکہ ان احکام کا اطلاق اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان احکامات کے نزول سے پہلے سے ہی نبی کریم ﷺ پر ہے جیسا کہ اس کیلیے ایک واضح دلیل سورۃ بقرہ سے لی جاتی ہے کہ یٰاَیُّھَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ ۔۔﴿۲۱﴾ (البقرۃ)۔۔ اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو۔۔ یہ آیت اس حکم کو واضح کرتی ہے کہ جس پر نبی کریم ﷺ بہت عرصہ پہلے سے عمل پیرا ہیں۔ نبی کریم ﷺ کی غار حراء میں عبادت اللہ تعالیٰ ہی کے لیے تھی۔ اور ان آیات کا نزول بعد میں ہوا ہے۔ اس بحث کی روشنی میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ

قُلْ یٰاَیُّھَا النَّاسُ (الاعراف: ۱۵۸) (یونس: ۱۰۴، ۱۰۸)

میں دو خطاب ہیں لفظ قل اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی کریم ﷺ کو خطاب ہے اور یٰاَیُّھَا النَّاسُ لفظ قل کی بدولت اس بات کا اظہار ہے کہ نبی کریم ﷺ کے ذریعے لوگوں تک اللہ تعالیٰ کے احکامات کی تبلیغ ہے۔

لہٰذا ثابت ہوتا ہے کہ الناس میں نبی کریم ﷺ شامل ہونا بطور مدحت رسول کریم ﷺ کے ہوسکتا ہے جیسا کہ سورۃ الناس میں اس لحاظ سے کہ نبی کریم ﷺ کے رب بھی اللہ ہیں اور لوگوں کے رب بھی اللہ ہیں تو کہا جاسکتا ہے کہ سورۃ الناس میں الناس میں نبی کریم ﷺ بھی شامل ہیں لیکن ایسی آیات بھی ہیں جو واضح کررہی ہیں کہ قُلْ یٰاَیُّھَا النَّاس میں نبی کریم ﷺ شامل نہیں جیسا کہ اس آیت میں ہے:

قُلْ یٰاَیُّھَا النَّاس اِنَّمَا اَنَا لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۴۹﴾ (الحج)

''(اے محبوب ﷺ) آپ فرمادیں اے لوگو! میں تو یہی تمھارے لیے صریح ڈرسنانے والا ہوں''۔

اس آیت سے ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ لوگوں کو ڈرانے والے ہیں نہ کہ خود سے خطاب فرمارہے ہیں تو الناس سے مراد بھی امتی ہیں نہ کہ نبی کریم ﷺ۔

دوسری آیت ہے:

قُلْ یَاَ یُّھَاالنَّاس اِنْ کُنْتُمْ شَکٍّ مِّنْ دِیْنِیْ۔۔﴿۱۰۴﴾(یونس)

''فرمادیں اے لوگو اگر تم میرے دین کی طرف سے شک میں ہو''۔

اب اس آیت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شمولیت کیسے ہوسکتی ہے؟۔

اس سے اس دلیل کو بھی تقویت ملتی ہے کہ لفظ قل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا الناس میں شامل نہ ہونے کو ظاہر کررہا ہے۔

تو لفظ قل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی انفرادیت اور امتیازی خصائص کو ظاہر کررہا ہے۔عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْم اور اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْم میں اسی حقیقت کو بیان کیا گیا ہے۔

اٹھائیسویں فصل

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے کہ: یَوْمَ یَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِکَۃُ صَفًّا لَّا یَتَکَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَہُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا﴿۳۸﴾(النباء)۔

''جس روز روح اور فرشتے پرے باندھ کر کھڑے ہونگے، کوئی نہ بول سکے گا بجز اسکے جس کو رحمٰن اذن دے اور وہ ٹھیک بات کرے''۔

اس آیت کا لفظ قل سے کیا ربط ہے۔ بلکہ یوں کہو کہ اس آیت کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے لفظ قل کے ساتھ خطاب فرمانے میں کیا حکمت ہے؟ اس آیت میں چند چیزیں توجہ طلب ہیں یہاں پر روح یعنی جبرائیل امین کا ذکر فرشتوں سے الگ طور پر کیا گیا ہے۔کیوں؟ کیونکہ جبرائیل امین فرشتوں کا سردار اور مرتبے میں خدا کے سب سے زیادہ قریب ہے۔اسی بات کو سورۃ بقرہ میں بھی واضح کیا گیا ہے کہ جبرائیل امین کو میکائیل پر فوقیت دی گئی ہے۔دوسری بات یہ ہے کہ اس آیت میں انبیاء کا ذکر نہیں ہے۔صرف جبرائیل امین اور فرشتوں کا ذکر ہے۔تو کیا ہم کہہ سکتے ہیں کہ انبیاء اللہ تعالیٰ کے سامنے بول سکیں گے تو اسی آیت میں آگے ارشاد ہے کہ کوئی نہیں بول سکے گا بجز اس کے جسے رحمٰن اذن کلام عطا فرمائے گا اور آگے ایک شرط کلام بھی رکھ دی کہ جو بھی بات کرے اس کی بات ہر لحاظ سے درست ہو۔

جبرائیل کو دوسرے فرشتوں سے الگ کرنا، جبرائیل علیہ السلام کی شان کو ظاہر کرتا ہے اور یہی بات سورۃ اخلاص میں لفظ قل کے ذریعے ظاہر فرمائی گئی۔آپ کو یہاں سمجھنا چاہیے کہ اگر کوئی قاصد کسی بادشاہ کا پیغام کسی تک پہنچائے گا تو اگر وہ اس طرح کہے گا کہ بادشاہ کہتا ہے کہ تم کہہ دو کہ میں بادشاہ ہوں۔اور وہ کہنے والا لوگوں سے کہے گا کہ بادشاہ کہتا ہے کہ میں تم سے کہہ دوں کہ وہ تمھارا بادشاہ ہے تو سننے والے اتنا ضرور کہیں گے کہ دیکھو کہ اس شخص کا مرتبہ بادشاہ کے نزدیک کتنا ہے کہ اپنی تعریف بھی اس کے ذریعے سے کرائی۔یعنی اس شخص کے قرب کو ظاہر کیا جائے گا۔

ایسے ہی اگر اللہ تعالیٰ یہ فرماتے ہیں کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ فرمادیں۔تو اس میں بھی کہا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نبی

کریم ﷺ کی وہ شان ہے کہ جبرائیل کو فرشتوں سے الگ کر کے دکھایا اسی طرح طرز کلام نبی کریم ﷺ کے واسطے کو اگر چہ وہ موجود تھے لیکن کلام کی نوعیت سے علیحدہ کر دیا گیا کہ دیکھو یہ کلام لے کر تو جبرائیل آئے لیکن جبرائیل یہ لے کر آئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے محبوب ﷺ آپ فرما دیں۔تاکہ جن وانس جان لیں کہ خدا کی معرفت کا مصدر رسول اللہ ﷺ ہیں نہ کہ جبرائیل ۔۔تو نبی کریم ﷺ کا اللہ تعالیٰ سے سب سے زیادہ قریب ہونا اس لفظ قل سے ظاہر ہو رہا ہے۔تو قرآن مجید میں مقدم اور موخر ذکر اس بات کی دلیل ہے کہ مقدم مقرب ہے اور موخر مقرب سے مرتبے میں کم ہے۔

جیسا کہ قرآن مجید میں متعدد جگہوں پر اس کی مثال ملتی ہے۔ومن یطع الله والرسول۔۔والله و رسوله احق ان یرضوه۔۔

نر کو مادہ پر مقدم کرنا:اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ ۔۔آزاد کو غلام پر فوقیت دینا: اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰی بِالْاُنْثٰی ۔۔زندہ کو مردہ پر مقدم کرنا:یُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ ۔۔سماعت کو بصارت پر مقدم کرنا: اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ ۔۔اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کے غضب پر حاوی ہے:نَبِّئْ عِبَادِیْٓ اَنِّیْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ﴿۴۹﴾ وَاَنَّ عَذَابِیْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِیْمُ ﴿۵۰﴾ (الحجر)

''(اے محبوب ﷺ) خبر دو میرے بندوں کو کہ میں ہی ہوں بخشنے والا مہربان O اور میرا ہی عذاب دردناک عذاب ہے''۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کے غصے پر حاوی ہے۔

مندرجہ بالا بحث کے پیش نظر قرآن میں بہت سے مقامات پر مقدم کو موخر پر فوقیت حاصل ہے۔لیکن یہاں صرف اسم کا بیان ہے اس میں فعل کے مقدم اور موخر کی بحث نہیں۔لفظ قل فعل امر ہے نہ کہ اسم۔ بیان کردہ بحث سے مراد اس حقیقت کا اظہار تھا جو اللہ تعالیٰ نے بعض کو بعض پر فوقیت کی صورت میں مقدم کیا ہے۔قرآن مجید میں یہ بات ممکنات میں سے ہے کہ جو چیز پہلے ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی حکمت کو ظاہر کر رہی ہے۔امام سیوطی نے اس کی تفصیل الاتقان فی علوم القرآن میں فرمائی ہے۔قرآن مجید کے اس اسلوب کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ اگر مقدم اسم موخر پر فائق ہے تو مقدم فعل موخر اسم سے مقدوم کرنے میں کیا حکمت ہے۔قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ میں لفظ قل کا لزوم ہی اس میں چھپی حکمت کی طرف اشارہ فرما رہا ہے۔فاعل اللہ تعالیٰ ہے اور اللہ تعالیٰ کا فعل ہے قل۔ نبی کریم ﷺ محکوم ہیں اور نبی کریم ﷺ حکم سننے والے ہیں۔لفظ احد اس میں خبر ہے۔اس تمام تر بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر مخبر ہی نہ ہوتا تو خبر کیسے پہنچتی۔اس آیت میں اشارہ ہے کہ خدا تو پہلے ہی احد تھا لیکن اظہار صفت احد اب ہوا۔ایسے سمجھ لیں کہ فاعل اللہ، موصوف اللہ، صفت اللہ کی لیکن مخبر نبی کریم ﷺ، صفت کرنے والے نبی کریم ﷺ۔ بلکہ یوں سمجھ لیں جس طرح اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ ہے کہ پیدائشی بہرہ پر لازم ہے کہ وہ گونگا بھی ہوگا حالانکہ اس کے پاس بولنے کیلیے زبان تو ہے اسی طرح دل و دماغ ہمارے پاس موجود ہیں لیکن لفظ قل کے محکوم ﷺ

کے بغیر ہماری طاقت نہیں کہ اللہ کو اور احد کو سمجھا جا سکے۔

ایک اور آیت پیش کی جاتی ہے:

فَاصۡدَعۡ بِمَا تُؤۡمَرُ۔۔۔﴿۹۴﴾(الحجر)

تو (اے محبوب ﷺ) اعلانیہ فرما دو جس بات کا تمھیں حکم ہے''۔

اس آیت کی روشنی میں اگر غور کیا جائے تو یہاں اس بات کو اعلانیہ کہنے کا حکم ہے جس کا نبی کریم ﷺ کو حکم ہے اور حکم کیا ہے قُلۡ۔ اور وہ بات کونسی ہے جو اعلانیہ کہی جائے وہ ہے ھُوَ اللّٰہُ اَحَد۔ تو اعلانیہ وہ بات کی جاتی ہے جو پہلے کسی سے چھپی ہوئی ہو۔ تو ظاہر ہے اللّٰہُ اَحَد کو نبی کریم ﷺ کے بتائے بغیر کون جاننے والا تھا۔ تو اب اس کا مفہوم یہ کہا جا سکتا ہے کہ اے محبوب ﷺ آپ کو اللہ کی طرف سے حکم ہے کہ آپ اللہ کی ذات اور صفات کو ظاہر فرما دیں۔ اگر اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے کہ میرا حکم نبی کریم ﷺ کے واسطے سے ظاہر ہو تو کسی کی مجال ہے کہ اللہ پر اعتراض کر سکے اور کہے کہ اللہ تعالیٰ نے واسطے سے اپنے حکم کو ظاہر کیوں فرمایا بغیر واسطہ کے اپنے آپ کو ظاہر کیوں نہیں فرماتا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان اللہ یحکم ما یرید۔۔۔ اللہ جو چاہے کرے کوئی کون ہوتا ہے اللہ پر حکم چلانے والا۔۔

انتیسویں فصل

کفار نے کہا ہمیں اپنے خدا کا نسب بتاؤ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے محبوب ﷺ آپ فرما دیں۔ اس میں نقطہ ہے کہ اے کافرو تم خدا کا پوچھتے ہو تو سنو تم خدا کو جاننا چاہتے ہو تو پہلے نبی کریم ﷺ کو جاننا ہوگا کیونکہ اللہ اور احد کی معرفت نبی کریم ﷺ کے ذریعے سے دی جاتی ہے۔ مَنۡ یُّطِعِ الرَّسُوۡلَ فَقَدۡ اَطَاعَ اللّٰہَ۔۔۔﴿۸۰﴾(البقرۃ) ''جس نے رسول ﷺ کی اطاعت کی بے شک اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی''۔ میں اسی بات کی وضاحت ہے اور دوسری آیت۔۔

ذٰلِکَ بِاَنَّہٗ کَانَتۡ تَّاۡتِیۡہِمۡ رُسُلُہُمۡ بِالۡبَیِّنٰتِ فَقَالُوۡۤا اَبَشَرٌ یَّہۡدُوۡنَنَا فَکَفَرُوۡا۔﴿۶﴾(التغابن)

''یہ اس لیے کہ ان کے پاس ان کے رسول آتے تھے پس وہ کہتے کہ کیا کوئی انسان ہمیں راہ دکھائے گا پس انہوں نے کفر کیا''۔

کفار نے معرفت الٰہی اور ہدایت کے حصول کیلیے نبی کے واسطے کا انکار کیا یعنی وہ اللہ تعالیٰ سے بلا واسطہ ہدایت کے طلبگار تھے اور اللہ تعالیٰ تو مومنین سے بھی فرماتا ہے کہ:

یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَابۡتَغُوۡۤا اِلَیۡہِ الۡوَسِیۡلَۃَ۔۔۔﴿۳۵﴾(المائدہ)

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اسکی طرف وسیلہ ڈھونڈو''۔

تو جب مومنین کیلیے بغیر وسیلہ کے چارہ نہیں تو پھر کفار صاحب ایمان کیسے ہوتے۔ تو اگر اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ بارے یہ کہا

جائے کہ اللہ تعالیٰ انہیں بغیر واسطے کے ہدایت دے دیتا تو یہ بھی اللہ تعالیٰ پر طعن ہوتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی سنت تبدیل نہیں ہوتی اور اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی پر عذاب نازل نہیں کرتا جب تک ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی معرفت پہنچانے کا وسیلہ نہ بھیجے۔تو ثابت ہوا کہ جو نبی کریم ﷺ کے واسطے کے بغیر خدا تک پہنچنے کی کوشش کرے گا وہ گمراہ ہو جائے گا۔ نبی کریم ﷺ کے واسطے کا اقرار عین ایمان ہے۔

۔اسی بات کی وضاحت اس حدیث میں ہے۔

عَنۡ اَبِیۡ رَافِعٍ وَّ غَیۡرِہٖ رَفَعَہٗ قَالَ رَسُوۡلَ اللّٰہِ ﷺ لَا اُنۡفِیَنَّ اَحَدَکُمۡ مُتَّکِئًا عَلٰی اَرِیۡکَتِہٖ یَاتِیۡہِ اَمۡرٌ مِمَّااُمِرۡتُ بِہٖ اَوۡ نَھَیۡتُ عَنۡہُ لَا اَدۡرِیۡ مَا وَجَدۡنَا فِیۡ کِتَابِ اللّٰہِ ۔ھٰذَا حَدِیۡثٌ حَسَنٌ

(جامع ترمذی۔جلد ۲۔حدیث نمبر ۵۵۹۔صفحہ نمبر ۲۳۴)

''حضرت ابو رافع سے روایت ہے، دوسری روایت میں اسے مرفوعاً بیان کیا گیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں ایسے آدمی کو ہرگز نہ پاؤں جس کے پاس کوئی ایسی بات آئے جس کا میں نے حکم دیا یا جس سے میں نے منع کیا تو وہ کہے میں نہیں جانتا ہم نے صرف اسی کی پیروی کی جسے کتاب اللہ میں پایا''۔ یہ حدیث حسن ہے۔

اسی ضمن میں یہ آیت ہے کہ:

فَعَصَوۡارَسُوۡلَ رَبِّھِمۡ فَاَخَذَھُمۡ اَخۡذَۃً رَّابِیَۃً ﴿۱۰﴾ (الحاقۃ)

''تو انھوں نے اپنے رب کے رسولوں کا حکم نہ مانا تو اس نے انہیں بڑھی چڑھی گرفت سے پکڑا''۔

یہ آیت ثابت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ انہوں نے رب کی نافرمانی کی بلکہ وہ تو اپنے رب تک پہنچ ہی نہ پائے کیونکہ انہوں نے خدا تک پہنچنے کا راستہ ہی نہیں لیا۔خدا کے حکم تک رسائی تب ممکن ہے جب رسول کے حکم پر عمل کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَاٰمِنُوۡا بِاللّٰه ورسوله والنورالذی انزلنا۔۔

پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اسکے رسول ﷺ پر اور اس نور پر جو ہم نے اتارا۔۔

اس آیت میں اثبات ہے کہ کسی بھی اسم کو مقدم کرنے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکمت ہے اور علم اہل علم کیلیے کہ اللہ تعالیٰ اول بالذات ہے اور رسول اللہ ﷺ اللہ کی عطا سے نبی ہیں اور وہ نور یعنی قرآن جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا وہ رسول اللہ ﷺ کے تشریف لانے سے ہمیں عطا کیا گیا۔قرآن نور ہدایت ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے:

وَلٰکِنۡ جَعَلۡنٰہُ نُوۡراً نَّھۡدِیۡ بِہٖ مَنۡ نَّشَاءُ مِنۡ عِبَادِنَا ﴿۵۲﴾ (الشوریٰ)

''اور لیکن ہم نے اسے نور کیا جس سے راہ دکھاتے ہیں اپنے بندوں سے جسے چاہتے ہیں''۔

اور ہدایت کی بنیاد توحید ہے اور ھواللہ احد توحید خالص ہے۔ اور لفظ قل قرآن کے نزول کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے مشروط کرر ہا ہے۔ مذکورہ بالا آیت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر قرآن سے پہلے ہے اور اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پہلے بھی تھا اور اس سے پہلے کچھ نہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی عطا ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تو قرآن نور ہے ورنہ۔۔ یُضِلُّ بِہٖ کَثِیۡرًا وَّ یَهۡدِی بِہٖ کَثِیۡرًا۔۔﴿۲۶﴾ (البقرۃ) ہدایت اسے ملتی ہے جو یہ سمجھتا ہے خدا نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم فرمایا کہ لوگوں کو اللہ احد کی ہدایت دو اور گمراہی اسے ملتی ہیں جو کہتے ہیں کہ کیا ہمیں ایک انسان کے ذریعے سے ہدایت ملے گی۔ ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالُوْۤا اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا فَكَفَرُوْا۔۔﴿۶﴾ (التغابن)

''یہ اس لیے کہ ان کے پاس ان کے رسول آتے تھے پس وہ کہتے کہ کیا کوئی انسان ہمیں راہ دکھائے گا پس انہوں نے کفر کیا''۔

گفتگو اور خطاب کے اصول میں سے یہ بھی ہے کہ اگر کوئی حاکم اپنے کسی وزیر کو کوئی پیغام پہنچاتا ہے اور یہ اس وزیر کے ذمے ہوتا ہے کہ جو تجھے حاکم کی طرف سے پہنچے اسے نشر کردو تو لازم ہے کہ حاکم کو بار بار ہر پیغام کے ساتھ یہ نہیں کہنا پڑے گا کہ اسے لوگوں تک پہنچادو کیونکہ وہ وزیر اسی کام پر ہی معمور ہے کہ ہر پیغام کو پہنچادے۔

اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اللہ کی طرف سے رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر لازم ہے کہ جو بھی پیغام پہنچے اسے لوگوں تک پہنچادیں۔ اگر اللہ تعالیٰ فرماتا کہ۔ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ۔۔

اور وَمَا عَلَيْنَاۤ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ﴿۱۷﴾ (یٰسین)۔ اور

دوسری آیت میں ہے کہ: يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ۔۔﴿۶۷﴾ (المائدۃ)

''اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! پہنچادیجئے جو نازل کیا گیا آپ کی طرف تمھارے رب کی طرف سے''

اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ﴿۹۲﴾ (المائدۃ)

شاہ ولی اللہ صاحب نے اپنی کتاب ازالۃ الخفاء میں فرمایا:

اَلنَّبِیُّ مِنْ امر بتَبلیغ شَریعة اللّٰه۔

''نبی وہ ہے جو شریعت الٰہیہ کی تبلیغ پر معمور ہو''

(ازالۃ الخفاء۔ مقصد اول۔ فصل سوم۔ تفسیر آیات خلافت۔ صفحہ ۱۹۸)

کے تحت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر پہنچانا لازم تھا تو پھر اللہ تعالیٰ نے وحی کو قل کے ساتھ مزین کیوں فرمایا؟ یہ ایک سوال ہے جو شان نبوت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایسے مقام کو ظاہر کرر ہا ہے جس کے متعلق کوئی عقل پھٹ سکتی ہے لیکن اس کا ادراک نہیں کرسکتی۔

لیکن یہاں نبی کریم ﷺ کو لفظ قل کے ساتھ حکم دینے میں ایک اصول ہے جو خواص کیلیے استعمال کیا جاتا ہے کہ حاکم فرماتا ہے کہ: تم فرما دو اور محکوم بھی جواب میں لوگوں تک ویسے ہی پہنچاتا ہے تا کہ لوگوں کو پتا چل جائے کہ اس ہستی کا مقام اس کے آقا کے نزدیک کیا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے بطور وحی فرما دیا کہ قل: تم فرما دو۔ تو سننے والا کہتا ہے کہ حاکم کے نزدیک اس ہستی کی کتنی قدر ہے کہ اصول خاص سے گفتگو فرمائی اور یہاں محکوم کی اہمیت کو ظاہر فرمایا گیا ہے کہ حاکم فرماتا ہے کہ میں تم سے فرما دوں کہ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ۔ وہ اللہ اکیلا ہے۔

تیسویں فصل

اللہ تعالیٰ اپنی تعریف سننا پسند کرتا ہے:

بخاری شریف میں ہے:

ایسا کوئی نہیں جس کو خدا سے زیادہ اپنی تعریف پسند ہو۔

(بخاری شریف۔ جلد۳۔ صفحہ ۹۰۵)

اور یہ اللہ کی وہ تعریف ہے جو ایک عام مسلمان کرتا ہے تو غور کیجئے کہ ایک عام مسلمان کی کی ہوئی تعریف جسے اتنا پسند ہے تو جب خدا کے محبوب محمد مصطفیٰ ﷺ اللہ کی تعریف اللہ کے حکم سے کرتے ہونگے تو خدا کو کتنا محبوب ہوتی ہوگی اسی لیے اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ نبی کریم ﷺ اللہ تعالیٰ کا ذکر فرمائیں۔ لفظ قل کا قرآن میں شامل کرنا اس بات پر دال ہے کہ اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے کہ نبی کریم ﷺ اللہ تعالیٰ کی ایسی تعریف کریں جو کسی نے نہ کی ہو۔ اس بات کی دلیل قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ -- ہے اور اسی بات کی وضاحت اس آیت میں ہے:

وَاِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِی الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ ﴿۴۶﴾ (بنی اسرائیل)

''اور جب آپ ﷺ قرآن میں اپنے اکیلے رب کو یاد کرتے ہیں''۔

سورۃ الاخلاص میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اکیلے ہونے کا ذکر کرایا اور پھر اسی بات کو قرآن میں بیان فرمایا جس سے پتا چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے کہ میرے محبوب ﷺ میری تعریف کریں اور پھر میں اس کا تذکرہ کروں۔ اور خدا کو کیوں نہ پسند ہو کہ سید الانبیا ﷺ اس اللہ کی تعریف اس کی حمد کے ساتھ اسی کے حکم سے کرتے ہیں اسی لیے فسبح بحمد ربک کا حکم ہے۔

اس کے ساتھ دوسری آیت ہے کہ: -- اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ ﴿۱﴾ (المائدۃ) -- بے شک اللہ تعالیٰ حکم فرماتا ہے جو چاہتا ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ حکم وہی کرتا ہے جو اسے پسند ہو کیونکہ خدا کے کسی حکم میں گمراہی نہیں اور ہدایت خدا کی محبوب چیز ہے تو اسے ہدایت کا حکم کرنا ضرور پسند ہے۔ اب یہاں اللہ تعالیٰ کی دو محبوب باتیں یکجا ہوگئیں کہ بخاری شریف کی حدیث کے مطابق اللہ تعالیٰ اپنی تعریف سننا پسند کرتا ہے اور اس آیت کے مطابق حکم کرنا پسند کرتا ہے اور قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَد میں حکم

بھی ہے اور تعریف بھی تو گویا یہ وہ آیت ہے جو خدا کو سب سے زیادہ محبوب ہے اور اگر پوری آیت سے لفظ قل حذف کر دیا جائے تو نہ حکم رہے نہ کسی کا تعریف کرنا۔ خدا کے حکم کا ظہور لفظ قل سے ہے اور ھواللہ احد کا متکلم بھی لفظ قل سے ظاہر ہو رہا ہے اور لفظ قل حکم ہے اور ھواللہ احد خدا کی تعریف تو جب لفظ قل ہی نہ رہے تو نہ تعریف کرنے والا ظاہر ہوگا نہ خدا کا حکم کرنا۔ تو لفظ قل سے نبی کریم ﷺ کی تعریف کن اسالیب سے نمایاں ہو رہی ہے، یہ واضح ہو گیا۔ تو پتا چلا خدا چاہتا ہے کہ میں نبی کریم ﷺ کو حکم کروں، خدا چاہتا ہے کہ میں نبی کریم ﷺ سے تعریف کرواؤں۔ اور خدا چاہتا ہے کہ میری مخلوق اور میرے درمیان میرے محبوب محمد مصطفی ﷺ کا واسطہ رہے جبھی تو لفظ قل اسکے تمام رموز کے ساتھ وارد کر دیا۔ اور وَھُوَ خَیْرُ الْحَاکِمِیْنَ ۔۔ یحکم فعل مضارع معروف کا صیغہ ہے جس کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ حکم کرتا ہے/کرے گا۔ تو ظاہری حیات النبی ﷺ میں اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نبی کریم ﷺ سے اپنی تعریف سننا پسند فرماتا ہے۔ چاہے تو باقی انبیاء کیلیے انہیں کی زبان سے لا اسئلکم کہلوائے اور چاہے تو وہی بات نبی کریم ﷺ کی شان و مرتبے کو ظاہر کرنے کیلیے قل لا اسئلکم کہلوائے۔ اسلوب میں فرق ہے وہاں ابنیاء علیھم السلام نے فرمایا اور یہاں خدا نے نبی کریم ﷺ سے فرمایا اے محبوب ﷺ آپ فرما دو۔

اور قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی ظاہری وفات کے بعد اللہ تعالیٰ یہ پسند کرتا ہے کہ ان احکامات کو ویسے ہی تسلیم کیا جائے جیسے اللہ تعالیٰ چاہتا ہے۔ یعنی یحکم کا مستقبل پر اطلاق انہیں معنوں میں ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ یہ پسند کرتا ہے کہ نبی کریم ﷺ اس کی تعریف فرمائیں۔ تو ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ کی تشریح میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے کہ وہ خود کو نبی کریم ﷺ کے واسطے سے اس لیے ظاہر فرمائے تا کہ نبی کریم ﷺ کی شان لوگوں پر واضح ہو جائے اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے ہے کہ: وَ کَانَ فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکَ عَظِیْمًا ۔۔ اور آپ ﷺ پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل ہے۔۔ تو کون ہے جو اندازہ کرنے کا سوچ سکے کہ اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا فضل کیا ہوگا۔ اسی بات کو قرآن مجید میں یوں بیان فرمایا گیا ہے۔

وَاِنَّ لَکَ لَاَجْرًا غَیْرَ مَمْنُوْنٍ ﴿۳﴾ (القلم)

''اور ضرور تمھارے لیے بے انتہا ثواب ہے''۔

اور اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل کو اپنی رحمت پر مقدم رکھا۔ وَلَوْ لَا فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکَ وَرَحْمَتُہٗ ۔۔ اور اللہ تعالیٰ کا نبی کریم ﷺ کو قرآن عطا کرنا بھی اس کے فضل سے ہے: وَ اَنْزَلَ اللّٰہُ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ ۔۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر کتاب نازل فرمائی۔۔ قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ میں اللہ تعالیٰ کا نبی کریم ﷺ سے اپنی تعریف کرانے کو پسند کرنا وہ شان مصطفیٰ ﷺ ہے جو لوگوں پر ظاہر ہے تو سوچو اس لیے کہ حیران ہو سکو نہ کہ مکمل ادراک کرنے کی ناکام کوشش کرو کہ نبی کریم ﷺ کے

پوشیدہ کمالات کا مقام کیا ہوگا۔ جن کے بارے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وَ عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَم۔۔ ''اور آپ ﷺ کو وہ سکھایا جو آپ ﷺ خود سے نہ جانتے تھے''۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو وہ سکھایا جو نبی کریم ﷺ نہ جانتے تھے۔ تو اللہ تعالیٰ کے سکھانے سے ملنے والی شان نبوت کو بھلا ایک عام انسان کیسے جان سکتا ہے؟۔

اکتیسویں فصل

اللہ تعالیٰ سورۃ العلق میں فرماتے ہیں: اِقْـرَأْ۔۔۔ اے نبی ﷺ آپ پڑھیں۔ اقراء فعل امر کا صیغہ ہے۔ یہ وہ لفظ ہے جو سب سے پہلے نبی کریم ﷺ پر نازل کیا گیا۔ اور سورۃ اخلاص میں فعل امر کے صیغے سے لفظ قل کے ساتھ خطاب ہے۔ جس کے معنی ہیں۔ آپ ﷺ فرما دیں۔ تو نبی کریم ﷺ کو حکم دینے میں اللہ تعالیٰ نے دو لفظ استعمال کیے۔ اقراء اور قل۔۔ پڑھو اور کہو۔ ابتداء ہوئی اللہ تعالیٰ کے نبی کریم ﷺ کو پڑھانے سے اور پھر صرف پڑھنا نہ رہا بلکہ پڑھے ہوئے کا فرما دینا حکم فرمایا گیا۔ اس بات کی دلیل یہ ہے کہ اقراء پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔۔ اور قل پر کچھ نہ فرمایا۔ عام فہم انداز میں اس طرح سمجھ لیں کہ اقراء سے مراد ہے سیکھنا اور قل سے مراد ہے سکھانا۔۔

اقراء فرمانے میں ایک اور حکمت یہ تھی کہ وہ قرآن کی ابتداء تھی جس کا مقصود یہ تھا کہ ہر چیز جان لے نبی کریم ﷺ اللہ تعالیٰ کے پڑھے ہوئے ہیں اور قل سے مراد یہ تھا کہ اسی پڑھے ہوئے کو بیان فرما دیں۔ اسی بات کی وضاحت قرآن مجید کی سورۃ الدخان میں ہے:

اَنّٰى لَهُمُ الذِّكْرٰى وَ قَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۳﴾ (الدخان)۔

''کہاں ہوگی نصیحت ان کے لیے حالانکہ ان کے پاس آیا تھا ایک واضح پہنچانے والا''۔

یہ حال ان کافروں کا ہے جو قیامت کے برپا ہونے کو دیکھیں گے اور کہیں گے کہ اے ہمارے رب دور کر دے ہم سے یہ عذاب۔۔ ہم تم پر ایمان لاتے ہیں۔۔ تو ان کے بارے کہا جائے گا کہ اب انہیں نصیحت اور ہدایت کہاں ملے گی جبکہ پہلے ہی انکے پاس رسول مبین آئے تھے۔ اس کا مطلب ہے کہ ہدایت اور نصیحت سوائے رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ کے کسی مخلوق کے پاس نہیں اور اللہ اگر ہدایت دیتا ہے تو اپنے رسول کے ذریعے اور واسطے سے دیتا ہے۔ سورۃ الدخان کی آیت: فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۸﴾ (الدخان)۔۔ ''پس بے شک ہم نے آسان کر دیا اس (قرآن) کو آپ ﷺ کی زبان میں تا کہ وہ نصیحت حاصل کریں''۔ قرآن کریم کو صرف نبی کریم ﷺ کی زبان میں کہا گیا ہے حالانکہ پورے عرب کی زبان عربی تھی تو یہاں بھی یہی بات ہے کہ قرآن سے ہدایت اسے ہی ملتی ہے جو قرآن کو نبی کریم ﷺ پر نازل کردہ اور آپ ﷺ کا وضاحت کردہ تسلیم کرے۔ اب اس بات کا کسی کو متصور بھی نہیں ہونا چاہیے کہ لفظ قل سے مراد نبی کریم ﷺ کے واسطے سے ہدایت اور نصیحت لوگوں تک پہنچانا نہیں ہے۔ اسی بات کا ذکر اس آیت میں ہے:

نَبِّئْ عِبَادِیْ اَنِّیْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ﴿۴۹﴾ (الحجر)

''(اے محبوب ﷺ) خبر دو میرے بندوں کو کہ میں ہی ہوں بخشنے والا مہربان''۔

اگر اللہ تعالیٰ نبی کریم ﷺ کے واسطے کے بغیر بھی ہدایت دیتے تو پھر لوگوں تک اپنی صفات کی معرفت پہنچانے کیلیے نبی کریم ﷺ کا ذریعہ کیوں استعمال کیا۔ اور دوسری بات یہ کہ یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کا ذکر کیا ہے نہ کہ کافروں کا، تو جب اللہ تعالیٰ کے بندے بھی نبی کریم ﷺ کے واسطے کے بغیر اللہ تعالیٰ کو نہیں جان سکتے تو کوئی کافر نبی کریم ﷺ کے بغیر خدا کو کیسے پا سکتا ہے؟۔

نکتہ:

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی دو صفات کا ذکر ہے کہ جن کو پہنچانے کیلیے اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو اپنا پیغام اپنے بندوں تک پہنچانے کا ذریعہ بتایا تو ذرہ سوچیے کہ قل ھو اللہ احد میں تو اللہ تعالیٰ کی ذات بھی ہے اور صفت بھی۔ جب صفات کو بغیر واسطہ محمد مصطفیٰ ﷺ کے نہیں جانا جا سکتا تو ذات کو بغیر وسیلہ کے کیسے پہچانا جا سکتا ہے۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا:

وَلَوْ اَنَّآ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْ لَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَ نَخْزٰى ﴿۱۳۴﴾ (طٰهٰ)

''اور اگر ہم انہیں کسی عذاب سے ہلاک کر دیتے رسول کے آنے سے پہلے تو ضرور کہتے اے ہمارے رب تو نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہ بھیجا کہ ہم تیری آیتوں پر چلتے قبل اس کے کہ ذلیل و رسوا ہوتے''۔

اس آیت سے بھی واضح ہے کہ ہدایت رسول ﷺ کی بارگاہ میں ملتی ہے۔

بتیسویں فصل

قل فرمانے کے اسرار و رموز میں سے یہ بھی ہے کہ لوگ جان لیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے خواص سے کس انداز میں کلام فرماتا ہے۔ جبرائیل کے ہونے کے باوجود جبرائیل کے واسطے کے لزوم کو خارج کیا گیا کہ نبی تو اللہ تعالیٰ کا محتاج ہے جبرائیل واسطہ ضرور ہے لیکن ایسا نہیں کہ واسطہ کے بغیر اللہ تعالیٰ کلام نہیں کرتا جیسا کہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے مدارج النبوۃ میں وحی کے نزول کی چھیالیس اقسام ہونا بیان فرمایا ہے (مدارج النبوۃ۔ جلد۲۔ صفحہ۵۷) جن میں سے بغیر فرشتے کے بھی وحی فرمائی گئی ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے کہ:

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا

یَشَاءُ اِنَّهٗ عَلِیٌّ حَکِیۡمٌ ﴿۵۱﴾ (الشوریٰ)

''اور کسی آدمی کو نہیں پہنچتا کہ اللہ اس سے کلام فرمائے مگر وحی کے طور پر یا یوں کہ وہ بشر پردہ عظمت کے ادھر ہو یا کوئی فرشتہ بھیجے کہ وہ اس کے حکم سے وحی کرے جو وہ چاہے بے شک وہ بلندی وحکمت والا ہے''۔

آیت کا پہلا حصہ کسی بھی عام آدمی کی اس شان کی نفی کرتا ہے کہ وہ اس لائق ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ سے کلام کر سکے۔ انبیاء کرام اس سے جدا ہیں۔ وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنۡ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ تک ایک عام آدمی سے خدا کے کلام کرنے کی نفی ہے ایسا نہیں کہ خدا نہیں کر سکتا بلکہ اس عام آدمی کی یہ شان نہیں کہ اللہ اس سے کلام کرے تو جب اللہ تعالیٰ کا کلام عام آدمی تک نہیں پہنچ سکتا تو ہدایت تو اللہ تعالیٰ کے کلام میں ہے تو اللہ تعالیٰ کے کلام کے بغیر کیسے ہدایت حاصل کی جاسکتی ہے تو لازم ہے کہ اس ذات کو تلاش کیا جائے کہ جس سے اللہ تعالیٰ کلام کرتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کے کلام کو بندوں تک پہنچانے کا واسطہ ہو تو اس کیلیے اس آیت کو سمجھ لو:

قُلۡ لِّعِبَادِیۡ یَقُوۡلُوا الَّتِیۡ هِیَ اَحۡسَنُ۔۔۔ ﴿۵۳﴾ (بنی اسرائیل)

''(اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم) آپ میرے بندوں سے فرمادیں کہ وہ بات کہیں جو سب سے اچھی ہو''۔

یعنی اے لوگو! اللہ تعالیٰ مجھ سے کلام کرتا ہے اور مجھے تم سے کلام کرنے کا فرماتا ہے۔ تو سمجھنا چاہیے کہ یہ ذات وہ واسطہ اور وسیلہ ہے جو ہم تک خدا کا کلام پہنچاتا ہے اور جس سے خدا کلام کرتا ہے اور لازم ہے کہ اس ذات سے تعلق جوڑ لیں تا کہ ہدایت حاصل کی جاسکے۔ یعنی تم خدا کے کلام کو نہیں پاسکتے اور اللہ تعالیٰ کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر وہ فضل ہے کہ وہ مجھ سے کلام فرماتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ: اطیعوا اللہ و اطیعو الرسول ۔۔۔ اللہ کی اطاعت کرو اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو۔۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت یہ ہے کہ یہ اعتقاد رکھا جائے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم فرماتے ہیں تو ایمان رکھا جائے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے براہ راست لینے والے ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے احکام ہم تک پہنچاتے ہیں۔ یعنی اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت بھی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت بھی۔

ایک اور آیت میں ہے:

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیۡ عَنِّیۡ فَاِنِّیۡ قَرِیۡبٌ ﴿۱۸۶﴾ (البقرۃ)

''اور جب آپ سے میرے بندے میرے متعلق سوال کریں پس بے شک میں قریب ہوں''۔

یہ آیت بتلاتی ہے کہ عبدیت یہ ہے کہ خدا کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا جائے کیونکہ وہ لوگ کہ جو خدا کے متعلق جاننے کیلیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سہارا لیتے ہیں اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنا بندہ فرمایا ہے اور پھر فرمایا میں تو قریب ہوں۔ یعنی اگر مجھے پانے کیلیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرو گے تو میں تمھارے قریب ہوں۔

اس آیت کا یہ معنی بھی ہے:

''اور جب آپ سے میرے بندے میرے متعلق پوچھیں، پھر بے شک میں قریب ہوں''۔

اس آیت کریمہ میں فانی پر حرف فاء داخل ہے تعقیب مع الوصل کیلیے آتا ہے یعنی اس چیز پر دلالت کرتا ہے جس چیز پر یہ داخل ہے کہ خدا کی قربت نبی کریم ﷺ سے خدا کے متعلق پوچھنے کے بعد حاصل ہوگی یعنی حرف فاء ظاہر کرتا ہے کہ وہ جس چیز پر داخل ہے وہ اس چیز کے وقوع کے بعد متحقق ہوگی۔تو اب معنی یہ ہوگا کہ اگر یہ لوگ میری معرفت حاصل کرنا چاہیں تو ان کے لیے ضروری ہے کہ تمھارے واسطے سے حاصل کریں پھر انہیں میرا قرب نصیب ہوگا۔حرف فاء کے اس کے ماقبل کے وقوع کے فوراً بعد متحقق ہونے پر یہ آیت دال ہے۔

مِمَّا خَطِيْٓـٰٔتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا ﴿۲۵﴾ (نوح)

''اپنی خطاؤں کی وجہ سے ڈبائے گئے اور آگ میں داخل کیے گئے''۔

اس آیت میں فادخلوا پر حرف فاء استعمال ہوا ہے جو کہ ظاہر کرتا ہے کہ پہلے عذاب کیے گئے پھر بعد میں آگ میں داخل کیے گئے۔یعنی پہلے قوم نوح کا غرق ہونا وقوع ہوا اس کے بعد آگ میں داخل کیے گئے۔بالکل اسی طرح وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ کے مطابق پہلے نبی کریم ﷺ سے خدا کے متعلق پوچھنا لازم ہے پھر اس کے بعد خدا کا قرب حاصل ہونے کی خبر ہے۔

اب اگر کہا جائے کہ خدا اپنے بندوں سے فرماتا ہے کہ میری معرفت حاصل کرنے کے لیے میرے نبی کریم ﷺ کا سہارا لو تو درست ہے لیکن اگر وہی خدا اپنے نبی کریم ﷺ سے فرمائے قل ھو اللہ احد۔اے محبوب ﷺ آپ میرے بندوں کو میری معرفت کا تحفہ دیں اور بتائیں کہ میں ہی اللہ ہوں اور اکیلا ہوں تو کیونکر درست نہ ہوگا؟۔

تو واضح ہوا کہ ہدایت حاصل کرنی ہے تو واسطہ محمدی ﷺ اپنانا ہوگا۔

اس سے پچھلی آیت کے دوسرے حصے میں انبیاء کرام سے خدا کے کلام کرنے کا اثبات ہے۔کبھی تو وہ وحی کو آپ ﷺ کے دل میں ڈال دیتا ہے اس طرح کہ آپ ﷺ کو اس کے وحی من اللہ ہونے میں کوئی شبہ تک نہیں ہوتا۔

(تفسیر ابن کثیر۔جلد۴۔صفحہ۲۳۳)

اس آیت میں فرشتے کا ذکر بعد میں کیا گیا پہلے بلا واسطہ بذریعہ الہام وحی کا ذکر ہے تفسیر مدارک میں اسی طرح ہے۔

(تفسیر مدارک۔جلد۳۔صفحہ۵۱۴)

اللہ تعالیٰ کا کلام فرمانا ہی اس ہستی کو خواص خدا ظاہر کر رہا ہے جس سے کلام فرمایا جا رہا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ مِّنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَ رَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ۔۔﴿۲۵۳﴾ (البقرۃ)

"یہ سب رسول، ہم نے فضیلت دی ہے بعض کو بعض پر ان میں سے کسی سے کلام فرمایا اللہ تعالیٰ نے اور بلند کیے ان میں سے بعض کے درجات"۔

اللہ تعالیٰ کا کلام فرمانا ہی خواص کے دوسروں پر برتری کو ظاہر فرما رہا ہے اور بعض کے درجات تو بلند ہیں لیکن کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان سے ویسے کلام نہیں فرمایا جیسے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا تو آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بلند درجہ رسول جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے کلام نہیں فرمایا ان سے وہ درجات میں بلند تر ہیں جس نے اللہ تعالیٰ سے کلام فرمایا اور اسی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درجات کے تصور کو ذہن میں رکھ کر لفظ قل پر توجہ کریں کہ اللہ تعالیٰ کا کلام کرنا تو جبرائیل کے واسطے سے بھی ہے لیکن لفظ قل "مِنۡهُمۡ مَّنۡ كَلَّمَ اللّٰهُ" کی ترجمانی کر رہا ہے۔

تینتیسویں فصل

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انبیاء پر فضیلت عطا فرمائی اور تمام امتوں پر اس امت کو افضل کیا۔ تو افضلیت کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ نے باقی انبیاء و رسل کے مقابلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور باقی امتوں کے مقابلے اس امت سے ایک خاص انداز سے کلام فرمایا۔ یعنی خدا کا کلام ہی انبیاء پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی برتری اور اس امت کی سابقہ امتوں پر برتری کو ظاہر کرتا ہے۔ اسکی مثال تفسیر ابن کثیر کی وہ روایت ہے کہ حضرت خثیمہ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو یہ کہہ کر مخاطب فرمایا ہے: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا۔ جبکہ تورات میں مؤمنین کیلیے اس کی بجائے یٰۤاَیُّهَا الۡمَسَاکِیۡنُ کے الفاظ ہیں۔

(تفسیر ابن کثیر۔ جلد ۲۔ صفحہ ۱۲)

اسی بات کو تفسیر کبیر میں بھی بیان کیا گیا ہے:

حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ تورات میں اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کو یٰۤاَیُّهَا الۡمَسَاکِیۡنُ سے خطاب فرمایا۔

(تفسیر کبیر؛ مفاتیح الغیب)

اور پھر ان اہل ایمان میں سے ان عالی مرتبت ہستیوں کو پہلے خطاب ہے جو اپنے مقام میں اعلیٰ ہیں اس کے لیے بھی حضرت ابن عباس کی روایت سے تفسیر ابن کثیر میں بیان کیا گیا ہے کہ قرآن کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں جہاں جہاں یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا سے مومنین کو خطاب کیا گیا ان میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سب کے سردار، شریف اور امیر ہیں۔ **(تفسیر ابن کثیر۔ جلد ۲۔ صفحہ ۱۲)**

۳۔ اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کیلیے اللہ تعالیٰ کا قانون نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج ہونے کی وجہ سے عام امتیوں سے مختلف ہے۔ اس کی وضاحت اس آیت میں ہے:

وَمَنۡ يَّقۡنُتۡ مِنۡكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ وَتَعۡمَلۡ صَالِحًا نُّؤۡتِهَاۤ اَجۡرَهَا مَرَّتَيۡنِ وَاَعۡتَدۡنَا لَهَا رِزۡقًا كَرِيۡمًا ﴿۳۱﴾ (الاحزاب)

''اور جوتم (ازواج مطہرات) میں فرمانبردار رہے اللہ اور رسول کی اور اچھا کام کرے ہم اسے اوروں سے دونا ثواب دیں گے اور ہم نے اس کیلیے عزت کی روزی تیار کر رکھی ہے''۔

ازواج مطہرات کی یہ انفرادیت نبی کریم ﷺ کی ازواج ہونے کی وجہ سے ہے۔

اگر اس امت کے اہل ایمان میں سے بلند درجہ ہستیوں کو انفرادیت دی گئی ہے تو انبیاء اور رسولوں کے سردار حضور سرور کائنات ﷺ کو اس کلام کے ذریعے کیا بزرگی عطا فرمائی گئی ہوگی؟۔

حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب الشفاء میں روایت بیان کرتے ہیں کہ: نقاش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کے سوا کسی نبی کی رسالت پر اپنی کتاب میں قسم نہیں کھائی اور اس میں نبی کریم ﷺ کی حد درجہ تعظیم و تکریم پائی جاتی ہے۔

(الشفاء۔جلد۱۔صفحہ ۷۴)

۳اسی پر ایک اور آیت دلیل ہے:

مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيمَا فَرَضَ اللّٰهُ لَهٗ۔۔۔﴿۳۸﴾(الاحزاب)

''نبی ﷺ پر کوئی حرج نہیں اس میں جو اللہ تعالیٰ نے اس کیلیے مقرر فرمائی''۔

اگرچہ یہ آیت نبی کریم ﷺ کیلیے زیادہ نکاح کرنے کی اجازت کی وضاحت ہے لیکن یہ نکتہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ خواص کو وہ چیز عطا فرماتا ہے جو اور کسی کو نہیں ملی ہوتی۔

ماننا پڑے گا کہ جو اسلوبِ وحی اللہ تعالیٰ نے سابقہ انبیاء کیلیے استعمال کیا اس سے کہیں درجہ بہتر اور فصاحت و بلاغت سے بھرپور اسلوب نبی کریم ﷺ کیلیے بطور وحی استعمال کیا گیا۔

اگر اللہ تعالیٰ اس امت کے ساتھ خطاب میں خاص الفاظ استعمال کر سکتا ہے تو نبی کریم ﷺ کیلیے کیوں نہیں؟ یہی بات حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی ایسا نفس تخلیق نہیں فرمایا جو اللہ تعالیٰ کے ہاں نبی کریم ﷺ سے زیادہ مکرم و معظم ہو اور میں نے نہیں سنا کہ رب کائنات نے بجز نبی کریم ﷺ کی زندگانی کے کسی بھی نبی و رسول کی زندگی کی قسم کھائی ہو۔لعمرك انهم لفی سكرتهم يعمهون۔ ''(اے محبوب ﷺ) مجھے تمھاری زندگی کی قسم تمھارے مخالفین اپنی بدمستی میں بھٹک رہے ہیں اور تمھیں پہچان نہیں سکے''۔

(الوفاء باحوال المصطفیٰ ﷺ۔صفحہ ۴۱۰)

تو ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کے متعلق اسلوب کلام اور رکھا اور باقی انبیاء کیلیے اور۔

تو یہاں بھی لفظ قل سے نبی کریم ﷺ کی امتیازی خاصیت ظاہر ہوتی ہے کہ اگر کسی اور نبی سے لفظ قل سے کلام کر کے انہیں

جواب کے الفاظ عطانہیں فرمائے گئے تو اس میں کوئی تو حکمت ہے جو نبی کریم ﷺ سے لفظ قل سے خطاب کر کے لوگوں کے سوالات کے جوابات عطا فرمائے گئے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے باقی انبیاء علیھم السلام سے خود انہیں کی زبانی لا اسئلکم کہلوایا اور جب نبی کریم ﷺ کی بات آئی تو خود نبی کریم ﷺ نے نہیں بلکہ خدا نے فرمایا کہ اے محبوب ﷺ قل لا اسئلکم۔ اسکی تفصیل اسلوب وحی میں گزر چکی ہے۔

چونتیسویں فصل

اللہ تعالیٰ کا نبی کریم ﷺ کو لفظ قل سے خطاب کرنا اس بات پر بھی دلالت کرتا ہے کہ نبی کریم ﷺ ہی اول مخلوق ہیں۔ ورنہ وہ کلمات وحی کہ جن کا پہنچا دینا نبی کریم ﷺ پر فرض تھا، کے نزول پر الگ سے لفظ قل فرمانے کے کیا معنی؟ ایک اشارہ ہے کہ اے محبوب ﷺ میرے کلام کو پانے میں سب سے اول آپ ﷺ کی ذات بابرکات ہے اور اللہ تعالیٰ کا اپنا ذاتی نام اللہ اور احد استعمال فرمانا بھی نبی کریم ﷺ کا اللہ کی ذات اور صفات سے سب سے زیادہ واقف ہونے کی طرف اشارہ ہے۔

دو نکات کا ایک ہی مقصد ہے کہ حضرت جبرائیل کے ذریعے بھجوایا گیا کلام اس اسلوب سے بیان کیا جارہا ہے کہ جیسے بلا واسطہ کلام میں استعمال کیا جاتا ہے اور دوسرا یہ کہ کلام کا پہنچانا نبی پر فرض ہوتا ہے لیکن الگ سے پہنچانے کا حکم فرمانا بھی اپنے انداز میں بالکل جدا ہے۔

اعتراض

یہاں یہ اعتراض بھی کیا جاسکتا ہے کہ لفظ قل کا استعمال اس صورت میں کیا گیا کہ نبی کریم ﷺ سے سوال کیا گیا اور اس کے جواب میں نبی کریم ﷺ سے جواب دینے کا کہا گیا ہے کہ سوال بھی آپ ﷺ سے ہوا ہے تو جواب بھی نبی کریم ﷺ ہی دیں۔

لفظ قل جواب کے طور پر ضرور استعمال ہوا ہے لیکن قرآن مجید میں ہر جگہ یہ لفظ جواب کے طور پر استعمال نہیں ہوا۔ اس اعتراض کے جواب میں ایک آیت پیش کی جاتی ہے کہ:

قُلِ ادْعُوْا شُرَكَاءَ كُمْ ثُمَّ كِيْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۱۹۵﴾ (الاعراف)

''آپ فرمادیجئے! (اے کافرو) پکارو اپنے شریکوں کو پھر سازش کرو میرے خلاف اور مت مہلت دو مجھے''۔

اس آیت کی تفسیر میں دیکھا جاسکتا ہے کہ کفار نے نبی کریم ﷺ سے براہ راست کوئی سوال نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی وہ مشرکانہ عادات کا ذکر کیا ہے جو وہ اپنے بتوں کے ساتھ کرتے تھے۔ تو ان مشرکین کی عادات کو بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے لفظ قل کے ساتھ نبی کریم ﷺ کو فرما دینے کا حکم فرمایا ہے۔

اسی طرح سورۃ الفلق اور سورۃ الناس بھی کسی کافر کے سوال کے جواب میں نازل نہیں کی گئیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی مشیت ہے کہ
:اِنَّ اللّٰہَ یَحۡکُمُ مَا یُرِیۡدُ ﴿۱﴾ (المائدۃ)
تو ثابت ہوا کہ ضروری نہیں کہ لفظ قل کسی کے جواب کے طور پر نازل کیا گیا ہو۔ لہٰذا ایسا اعتراض درست نہیں۔
حضرت قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب الشفاء میں لکھتے ہیں کہ:
ایک فضیلت وہ ہے جو ان آیات کریمہ میں بیان فرمائی گئی ہے:
وَ اِذۡ اَخَذۡنَا مِنَ النَّبِیّٖنَ مِیۡثَاقَہُمۡ وَ مِنۡکَ وَ مِنۡ نُّوۡحٍ وَّ اِبۡرٰہِیۡمَ وَ مُوۡسٰی وَ عِیۡسَی ابۡنِ مَرۡیَمَ وَ اَخَذۡنَا مِنۡہُمۡ مِّیۡثَاقًا غَلِیۡظًا ﴿۷﴾ (الاحزاب)
''اور اے محبوب ﷺ! یاد کرو جب ہم نے نبیوں سے عہد لیا اور آپ ﷺ اور نوح اور ابراھیم اور موسیٰ اور عیسی بن مریم سے اور ہم نے ان سے پکا عہد لیا''
اور دوسری آیت میں ہے کہ:
اِنَّاۤ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡکَ کَمَاۤ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلٰی نُوۡحٍ وَّ النَّبِیّٖنَ مِنۡۢ بَعۡدِہٖ ﴿۱۶۳﴾ (النساء)
''بے شک اے محبوب ﷺ ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی جیسے وحی بھیجی نوح اور اس کے بعد کے پیغمبروں کو۔''
حضرت عمر بن خطاب سے مروی ہے کہ ایک دفعہ نبی کریم ﷺ گریہ فرما رہے تھے تو میں عرض گزار ہوا، یا رسول اللہ ﷺ میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان، گریہ فرمانے کی کیا وجہ ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک آپ ﷺ کا منصب رفیع یہ ہے کہ اگرچہ اس نے آپ کو جملہ انبیاء کرام کے بعد مبعوث فرمایا۔ لیکن آپ ﷺ کے ذکر کو سب پر مقدم رکھا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:
وَ اِذۡ اَخَذۡنَا مِنَ النَّبِیّٖنَ مِیۡثَاقَہُمۡ وَ مِنۡکَ وَ مِنۡ نُّوۡحٍ وَّ اِبۡرٰہِیۡمَ وَ مُوۡسٰی وَ عِیۡسَی ابۡنِ مَرۡیَمَ وَ اَخَذۡنَا مِنۡہُمۡ مِّیۡثَاقًا غَلِیۡظًا ﴿۷﴾ (الاحزاب)۔
اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آپ ﷺ کی فضیلت اس درجے کی ہے کہ جہنم میں عذاب پانے والے دوزخی بھی پکار اٹھیں گے کہ : یَا لَیۡتَنَاۤ اَطَعۡنَا اللّٰہَ وَ اَطَعۡنَا الرَّسُوۡلَا۔ ''کاش ہم نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی ہوتی اور رسول ﷺ کی اطاعت کی ہوتی''۔
حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میں پیدائش کے لحاظ سے سب سے پہلا ہوں اور بلحاظ بعثت سب سے آخری ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ اس آیت میں آپ ﷺ کا ذکر حضرت نوح سے بھی پہلے آیا ہے۔
(کتاب الشفاء صفحہ ۹۷ سے ۹۹)

اسی بات کوایک صحابی نے اس انداز میں بیان کیا:

حضرت عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ نے یعمر بن لیث کے بھائی قباث بن اشیم سے پوچھا تمھاری عمر زیادہ ہے یارسول اللہ ﷺ کی؟ انہوں نے فرمایا رسول اللہ ﷺ مجھ سے بڑے ہیں لیکن میلا دیعنی دنیا میں پیدا ہونے میں مَیں اُن سے پہلے ہوں۔

(جامع ترمذی۔جلد۲۔صفحہ۶۷۱)

اس حدیث کے الفاظ پر اگرغور کیا جائے تو حضرت قباث بن اشیم نے نبی کریم ﷺ کیلیے اکبر کا لفظ استعمال کیا ہے اور اپنے لیے اقدم یعنی پہلے آنے والا نہ کہ بڑا۔

حضرت ابو ہریرۃ سے روایت ہے۔صحابہ کرام نے عرض کیا۔یارسول اللہ ﷺ آپ کیلیے نبوت کب واجب ہوئی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: حضرت آدم روح اور جسم کے درمیان تھے۔یہ حدیث حسن ہے صحیح ہے۔

(جامع ترمذی۔جلد۲۔صفحہ۶۶۷)

مندرجہ بالا آیات اور روایات کی روشنی میں یہ ثابت ہوا کہ نبی کریم ﷺ اول مخلوق ہیں یعنی پیدائش میں سب سے پہلے ہیں۔

ایک اور آیت میں ہے کہ:

وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۱۶۳﴾ (الانعام)

''اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں''۔

یا اس اعتبار سے کہ نبی کریم ﷺ اول مخلوق ہیں تو ضرور اول المسلمین ہوئے۔

(تفسیر خزائن العرفان۔صفحہ۲۷۰)

دوسری آیت میں ہے:

قُلْ اِنِّیْ اُمِرْتُ اَنْ اَکُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ ﴿۱۴﴾ (الانعام)

''آپ ﷺ فرمادیں مجھے حکم ہوا ہے کہ میں سب سے پہلے (اللہ کے سامنے) گردن رکھوں''۔

امام ابن جوزی فرماتے ہیں:

تخلیق کے لحاظ سے کہ سب ارواح ونفوس سے قبل اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی حقیقت اور ذات گرامی کو پیدا فرمایا۔حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ نبی رحمت ﷺ نے فرمایا: کنت اول النبیین فی الخلق و اخرھم فالبعث ''میں سب انبیاء کرام سے تخلیق میں مقدم تھا اور بعثت میں ان سے آخر میں ہوں''۔

(الوفاء باحوال المصطفیٰ ﷺ۔صفحہ ۴۱۰)

اسی ضمن میں تفسیر ابن عباس کی ایک روایت پیش کی جاتی ہے کہ سورۃ الکھف کی آیت نمبر ۸۲ کی تفسیر حضرت ابن عباس فرماتے ہیں وہ خزانہ جو حضرت خضر علی السلام نے دیوار کے نیچے دیکھا تھا وہ سونے کی تختی تھی اوراس پر لکھا تھا ''لا الــہ الا الله محمد رسول الله''۔

(تفسیر ابن عباس۔جلد۲۔سورۃ الکھف۔آیت نمبر۸۲)

یہ بہت عجیب وغریب روایت ہے کیونکہ انبیاء کا بشارت محمد ﷺ دینا تو بجا ہے یہاں تو کسی اور کے پاس معرفت نبی مکرم ﷺ کا ہونا ثابت ہورہا ہے۔اگر نبی کریم ﷺ تھے ہی نہیں تو محمد رسول الله کا کیا مطلب ہے؟

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو خلیفہ نہیں بنایا تھا تو فرمایا انی جاعل فی الارض خلیفة ''بے شک میں زمین میں اپنا خلیفہ بنانے والا ہوں''۔یہ نہیں فرمایا کہ آدم میرے خلیفہ ہیں۔کیونکہ حضرت آدم ابھی پیدا نہیں فرمائے گئے تھے۔تو اگر نبی کریم ﷺ بھی پیدا نہیں فرمائے گئے ہوتے تو اس کی وضاحت ہوتی یہ نہ ہوتا کہ محـمـد رسول الله ''محمد ﷺ اللہ کے رسول''۔

تو اگر یہ ایک طے شدہ بات ہے کہ نبی کریم ﷺ اول مخلوق ہیں اور نبی کریم ﷺ کو عطا کردہ خصائص خدا کے بلا واسطہ عطا کردہ ہیں تو اسلوب قرآن بھی یہی ہے کہ اگر اول مخلوق ﷺ خدا سے درجات اور شان لینے میں کسی واسطے کی محتاج نہیں تو اگر چہ نبی کریم ﷺ پر نازل ہونے والی وحی میں جبرائیل کے واسطے کا دخل ہے لیکن اسلوب یہ بتاتا ہے کہ جیسے بلاواسطہ کلام و خطاب ہورہا ہو اور اس میں شان مصطفیٰ ﷺ کو ظاہر فرمایا گیا۔اسی لیے وَمَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِیْن کے باوجود لفظ قُل کے ساتھ خطاب فرمایا گیا کہ جو واسطے کے تصور کو چھپا کر براہ راست خطاب کے اسلوب کے ساتھ نبی کریم ﷺ کی شان باطن کو ظاہر فرمارہا ہے۔

پینتیسویں فصل

اس بات کو واضح کرنا کہ آیا نبی کریم ﷺ سورۃ الاخلاص کے نزول سے پہلے جانتے تھے کہ اللہ احد کون ہے اور الفاظ اللہ احد کے عجائبات کیا ہیں؟۔تو اس بارے نہایت سادہ انداز بیان کیا جاتا ہے

کہ انسان کے بنیادی اعمال میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ احکام کو پھیلانے میں ایک اصول مدنظر رکھا جائے کہ اللہ اور اسکے رسول ﷺ اور نازل کردہ کتاب قرآن مجید کے بارے جو بات کہی جائے وہ ہر لحاظ سے درست اور تصدیق شدہ ہو۔یعنی اس میں کسی قسم کا ابہام نہ ہو۔غیر تصدیق شدہ بات پھیلانا لوگوں کو گمراہ کرنے کے مترادف ہے۔یہ ایک عام انسان کے متعلق بات ہوگئی۔

دوسری بات ہے خواص کی کہ انبیاء کرام علیھم الرضوان بغیر اللہ کی مرضی کے کوئی حکم جاری نہیں فرماتے اور فرشتے کے بغیر وحی اتارے بھی نبی کی زبان مبارک پر صرف حق ہی جاری ہوتا ہے۔اور نبی جو بات کہتا ہے وہ اس نبی کو مکمل طور پر معلوم ہوتی ہے اور اس کے لیے کسی مخلوق کی تصدیق کی ضرورت نہیں ہوتی۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اوصاف وصفات کو بیان کرنے کا ایک قائدہ ترتیب دے دیا ہے جو کہ یہ ہے:

۔۔۔اَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَالَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۳﴾ (الاعراف)

''(اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا) کہ اللہ تعالیٰ پر وہ بات کہو جس کا تم علم نہیں رکھتے''۔

اس آیت سے واضح ہے کہ وہ بات نہ کہو کہ تمھیں جس کا علم نہ ہو۔

اور نبی تو اگر خود کہے اس بات کا علم بھی جتنا نبی کو ہوتا ہے امتی کو نہیں ہوتا۔تو جو بات اللہ تعالیٰ خود کہلوائے تو کون ہے جو اندازہ کر سکے کہ اس بات میں صداقت کتنی ہوگی اور جو بات خود خدا نے نبی سے کہلوائی اس بات کا علم نبی کو کتنا ہوگا۔کیونکہ خود خدا فرماتا ہے کہ وہ بات نہ کہو جس کا تمھیں علم نہیں تو یہ کیسے ممکن ہے کہ خدا خود وہ بات کہلوائے

کہ جسکا علم نبی کو نہ ہو۔

یہاں ایک اور آیت پیش کی جاتی ہے:

قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ﴿۱۰۹﴾ (الکھف)

''تم فرمادو اگر سمندر میرے رب کی باتوں کیلیے سیاہی ہوتو ضرور سمندر ختم ہو جائے گا اور میرے رب کی باتیں ختم نہ ہونگی اگرچہ ہم ویسا ہی اور (سمندر) اس کی مدد کو لے آئیں''۔

یہ آیت لفظ قل سے متعلق وضاحت بیان کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتا ہے کہ اےمحبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ کے کلمات لکھنے کیلیے ایک کیا اس جیسا ایک اور سمندر بھی بطور سیاہی ناکافی ہے۔یہاں چند سوالات جنم لیتے ہیں کہ:

۱۔ اگر خدا کے علم اور حکمت کے متعلق لکھا جاتا تو اللہ تعالیٰ کے کلمات کون لکھواتا۔اگرچہ یہ یہود کیلیے ممکن نہ تھا کہ سمندر کو بطور سیاہی استعمال کر کے خدا کی باتیں لکھنے کی کوشش کرتے لیکن اگر وہ اپنی قوم کو بلا کر بطور طعن کہتے کہ خدا کی باتیں لکھوائی جائیں ہم لکھتے ہیں تو یہود کے سامنے خدا کے کلمات کون لکھواتا؟

۲۔ دوسرا سوال یہ کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔۔۔اَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَالَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۳﴾ (الاعراف)

''(اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا) کہ اللہ تعالیٰ پر وہ بات کہو جس کا تم علم نہیں رکھتے''۔

اب اگر یہود کہتے کہ چونکہ آپ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے کلمات ختم نہیں ہوتے تو آپ (ﷺ) خدا کے کلمات لکھوائیں ہم لکھتے ہیں تو کیا نبی کریم ﷺ اللہ تعالیٰ کے اتنے کلمات لکھواتے کہ جن سے سمندر ختم ہو جائے؟

پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ دعویٰ کرنے والے کے دعویٰ پر سوال ایسا کیا جا سکتا ہے جو اس کے دعویٰ کی مخالفت میں نہ کہ اس دعویٰ سے ہٹ کر کوئی سوال کیا جائے جیسا کہ کہا گیا کہ یہود کہتے کہ ہم لکھتے ہیں تو یہود کیلیے پہلے ضروری تھا کہ سمندر کو سیاہی بناتے تو دعویٰ کی مخالفت میں آگے بڑھ سکتے تھے ورنہ ان کا سوال بیکار ہے۔ خدا نے یہ نہیں فرمایا کہ یہود لکھیں تو خدا کے کلمات ختم نہ ہونگے۔ اور بطور طعن یہود کی افتراء پردازیوں کے مقابلے اللہ تعالیٰ اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ﴿۹۵﴾ (الحجر)

''بے شک ان ہنسنے والوں پر ہم تمھیں کفایت کرتے ہیں''۔

کے تحت اپنے نبی کریم ﷺ کی ضرور مدد فرماتا۔

دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ۔۔۔اَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَالَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۳﴾ (الاعراف)

''(اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا) کہ اللہ تعالیٰ پر وہ بات کہو جس کا تم علم نہیں رکھتے''۔

یہاں پھر وہی بات دہرائی جائے گی کہ نبی ایسی کوئی بات کہتا ہی نہیں جس کا اس کو علم نہ ہو۔ یہ تھا نبی کے کہنے کے متعلق۔ لیکن مندرجہ بالا آیت کے مطابق نبی کریم ﷺ خود نہیں فرما رہے بلکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے محبوب ﷺ آپ فرما دیں: یعنی جو بات خود نبی کریم ﷺ فرمائیں اس کے بارے بھی شبہ نہیں کرنا چاہیے کہ اس بات کا علم نبی کریم ﷺ کو نہیں تو جو بات اللہ تعالیٰ نے خود کہلوائی تو اس کے بارے نبی کریم ﷺ کتنا جانتے ہونگے؟ اگر خدا نے فرمایا کہ اے محبوب ﷺ آپ فرما دیں کہ سمندر بطور سیاہی استعمال کیے جائیں تو بھی خدا کی باتیں ختم نہ ہونگی تو اَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَالَا تَعْلَمُوْنَ کے مطابق نبی کریم ﷺ بھی خدا کے متعلق اتنا ضرور جانتے ہیں کہ اگر انہیں الفاظ کی شکل دے دی جائے تو ایک سمندر کیا اس جیسا اور سمندر بھی بطور سیاہی لکھنے کیلیے استعمال کیا جائے تو کم پڑ جائے۔ تو لفظ قل اسی بات کو واضح کر رہا ہے کہ دیکھو: اگر خدا وہ بات کہنے سے منع کرتا ہے جس کا علم نہ ہو تو کیا خود وہ بات اپنے نبی کریم ﷺ سے کہلوائے گا کہ جس کا علم نبی کریم ﷺ کو نہ ہو؟ بالکل نہیں۔ اگر اللہ نے نبی کریم ﷺ سے کہلوایا کہ خدا کی باتیں ختم نہیں ہوتیں تو نبی کریم ﷺ کو اپنی اتنی معرفت بھی عطا فرما دی کہ جن کا بیان لکھنے کیلیے دو سمندر بھی کم ہیں۔

ایسے ہی اگر کہا جائے کہ سورۃ الاخلاص سے پہلے نبی کریم ﷺ نہیں جانتے تھے کہ اَحد کیا ہے؟

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے محبوب ﷺ آپ فرما دو وہ اللہ اکیلا ہے۔ تو سمجھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اس بات کے کرنے سے منع کرتا

ہے جس کا علم نہ ہو تو جو خود کہلواتا ہے تو ظاہر ہے کہ اس کا علم تو اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو عطا فرما دیا۔ اس بات کا تصور آپ ایک اور آیت سے کر سکتے ہیں کہ نبی تو اپنی ماں کی گود میں بھی غیب کی خبر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا عارف ہوتا ہے۔

جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت مریم علیہا السلام کے بطن مبارک سے پیدا ہوئے تو لوگوں نے طرح طرح کے سوالات کر کے طعنہ زنی کی جس پر حضرت مریم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف اشارہ کیا تو لوگ بولے ہم اس سے کیسے بات کریں یہ تو اپنے پالنے میں بچہ ہے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کو جواب دیا:

قَالَ اِنِّیْ عَبْدُاللّٰهِ اٰتٰنِیَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا ﴿۳۰﴾ (مریم)

''(حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے) فرمایا میں اللہ کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب دی اور مجھے نبی بنایا''۔

تو ثابت ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو اپنے پنگھوڑے میں اللہ تعالیٰ کو جانتے تھے تو نبی کریم ﷺ کا اللہ تعالیٰ کا عارف ہونے کا کیا مقام ہوگا؟۔

چھتیسویں فصل

یہاں قل ھو اللہ احد کی شان کے لحاظ سے اس کا وزن اور ان الفاظ کے ادا کرنے پر اللہ تعالیٰ کے انعامات کے نزول پر بحث کی جاتی ہے۔ لیکن یہاں بھی محور تصورات اور مصدر استدلال لفظ قل ہی ہے کہ جس سے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو ھو اللہ احد کہنے کا حکم فرمایا۔

قل ھو اللہ احد کے الفاظ اپنے مقام و مرتبے اور وزن کے لحاظ سے اتنے بھاری ہیں کہ جس سے آسمان کو تقویت ملتی ہے، زمین اپنی جگہ پر قائم رہتی ہے اور پہاڑ کی مضبوطی بڑھ جاتی ہے۔ یہ اس وجہ سے کہ جب کوئی عام مسلمان پڑھتا ہے کہ اللہ احد۔

یہ ایسی بات ہے کہ بغیر دلیل کے کہنا بہت سے شکوک و شبہات کو جنم دیتی ہے تو اسی لیے یہاں اس کتاب سے دلیل پیش کی جاتی ہے جو سب سے عالی مرتبت ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَ قَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ﴿۸۸﴾ لَقَدْ جِئْتُمْ شَیْئًا اِدًّا ﴿۸۹﴾ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ یَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَ تَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَ تَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ﴿۹۰﴾ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ﴿۹۱﴾ (سورۃ مریم)

''اور کافر بولے رحمٰن نے اولاد اختیار کی O بے شک تم حد کی بھاری بات لائے O قریب ہے کہ آسمان اس (بات) سے پھٹ پڑیں O اور زمین شق ہو جائے O اور پہاڑ گر جائیں مسمار ہو کر O اس پر کہ انہوں نے رحمٰن کیلیے اولاد بتائی''۔

ان آیات میں وبال گناہ ظاہر کیا گیا ہے کس بنا پر کہ کفار نے اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھا۔ ان کے اس کہنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے پہلے تو ان کے اس طعن کو بہت ہی بھاری بات کہا۔ یہاں سوچنا چاہیے کہ وہ بات جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھاری ہے تو

اس کا وزن کیا ہوگا۔ کیونکہ یہ بری بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کیلیے اولا دٹھہرائی جائے تو سوچیئے کہ وہ بری بات جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھاری ہے اس کا وبال کیا ہوگا؟۔ آگے ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نزدیک اس بھاری بات کے کرنے کا وبال بھی بتادیا کہ اللہ تعالیٰ کے بارے اولا دٹھہرانے پر آسمان پھٹ سکتا ہے، زمین پھٹ سکتی ہے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہوسکتے ہیں۔ عام الفاظ میں اگر کہا جائے کہ کفار کے یہ کہنے کی بدولت ان پر ایک دردناک عذاب آسکتا ہے کس وجہ سے ان کے اللہ تعالیٰ کے متعلق یہ چند الفاظ کہنے کی وجہ سے۔

اسی بات کو اس آیت میں بھی بیان کیا گیا ہے کہ:

وَمَا اَصَابَكُمْ مِن مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيكُمْ ﴿۳۰﴾ (الشوریٰ)

''اور تمھیں جو مصیبت پہنچی وہ اس کے سبب ہے جو تمھارے ہاتھوں نے کمایا''۔

یعنی تمھارے اعمال ہی تمھارے لیے عذاب کا سبب بنتے ہیں۔ بالکل ایسے ہی اللہ تعالیٰ نے ان کے اس برے عمل کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کیلیے اولا دٹھہرائی، کی بدولت وعید کی خبر سنائی۔

یہاں غور کرنا چاہیے کہ گناہوں کا وبال اتنا سنگین ہے اور عام گناہوں کی نسبت وہ گناہ کہ جس میں اللہ تعالیٰ پر طعن ہو تو وہ وجہ عذاب ہے تو کیا ہم سوچ سکتے ہیں کہ وہ نیکی کہ جس میں اللہ تعالیٰ کی بڑائی ہو اس کی بدولت اللہ تعالیٰ کیا کیا انعامات فرما سکتا ہے؟۔

تو اگر کفار کے اللہ تعالیٰ کیلیے اولا دٹھہرانے پر آسمان پھٹ سکتا ہے، زمین شق ہوسکتی ہے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہوسکتے ہیں تو کیا اگر کوئی مومن کہے: اللہ احد ''اللہ اکیلا ہے'' تو کیا اس کے اس کہنے پر اللہ تعالیٰ آسمان کو تقویت نہیں دے گا، زمین کو قائم نہیں رکھے گا اور پہاڑوں کو مضبوط نہیں کرے گا؟۔

اسی کی وضاحت میں جامع ترمذی کی یہ حدیث ہے:

عن انس قال قال رسول الله ﷺ لا تقوم الساعة حتى لا يقال فى الارض الله الله۔ هذا حديث حسن

''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تک زمین میں اللہ اللہ کہا جاتا ہے قیامت قائم نہ ہو گی۔ یہ حدیث حسن ہے''۔

(صحیح مسلم۔ جلدا۔ کتاب الایمان۔ صفحہ ۱۵۳)

(جامع ترمذی۔ جلدا۔ کتاب الفتن۔ صفحہ ۵۱)

یعنی اگر اللہ تعالیٰ پر بہتان بازی کرنے کا وبال ہے تو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے سے اللہ تعالیٰ اس دنیا کو قائم رکھے ہوئے

ہے۔ یہاں تک اس بات کو صرف ایک عام مومن اور کافر کی حد تک بیان کیا گیا ہے جس اللہ تعالیٰ کی بڑائی سے کائنات کی مضبوطی اور اللہ تعالیٰ پر طعن سے کائنات کی تباہی کو واضح کیا گیا ہے۔

دوسری بات یہ کہ کفار کا اللہ تعالیٰ پر طعن کرنا اس کے وبال کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھاری ہے۔تو مومن کا اللہ احد کہنا ثواب کے لحاظ سے کتنا بھاری ہوگا؟۔یعنی اللہ تعالیٰ پر طعن سے کائنات بکھر سکتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی بڑائی سے یہ کائنات کتنا مضبوط ہوتی ہوگی؟۔

اب وہ بات بیان کی جاتی ہے جو موضوع بحث ہے۔اللہ تعالیٰ کی رحمت اور عذاب کی وجہ انسان کا کلام ہے۔اچھا کلام اسکی رحمت کے حصول کا باعث اور برا کلام اس کے عذاب کے نزول کا باعث ہے۔یعنی بات کلام میں سمٹ کر آ گئی ہے کہ جو ہم کہتے ہیں اسکی بدولت ہم پر رحمت وعذاب ہوتا ہے۔

تو ہے کوئی جو یہ تصور کر سکے کہ ایک مومن کے اللہ احد کہنے سے اس کائنات کو استقامت ملتی ہے تو اگر وہی کلام وہی رب العالمین کہ جس کے نزدیک وہ بات جس میں اس کی بڑائی ہے بہت بھاری ہے،اپنے سب سے عالی مرتبت رسول اور نبی محمد مصطفیٰ ﷺ سے کہلوائے تو اس کلام کی بدولت اس امت پر کیا کیا انعامات کیے جائیں گے؟۔یعنی اگر کہنے میں زمین و آسمان کی مضبوطی ہے تو کہلوانے میں اس کائنات کو کتنا استقامت بخشی جاتی ہوگی؟۔تقویت جہان تو مومن کے کہنے سے بھی ہے کیونکہ کافر کے مقابلے ایک عام مومن ہی کے بارے کہا جا سکتا ہے نہ کہ کسی نبی کے بارے۔اور پھر خدا کی بڑائی کے موجب رضاء الٰہی ہونے کے تصور کو اجاگر کر کے قل ھو اللہ احد میں لفظ قل میں چھپی شان نبی مکرم ﷺ کو بہتر طریقے سے واضح کیا جا سکتا ہے۔اسی لیے اللہ تعالیٰ نبی کریم ﷺ سے اپنی بڑائی بیان کروانے پر اپنی خوشی کا اظہار اس آیت سے فرماتے ہیں:

وَاِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِي الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ ﴿۴۶﴾ (بنی اسرائیل)

''اور جب آپ ﷺ قرآن میں اپنے اکیلے رب کو یاد کرتے ہیں''۔

اور دوسری آیت میں ہے:

قُلْ اِنَّمَا يُوْحٰۤى اِلَيَّ اَنَّمَاۤ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۸﴾ (الانبیاء)

''آپ ﷺ فرما دیں مجھے تو یہی وحی ہوتی ہے کہ تمھارا خدا نہیں مگر ایک اللہ تو کیا تم مسلمان ہوتے ہو''۔

اور وہ قرآن میں اپنے رب کے اکیلے ہونے کا بیان قل ھو اللہ احد ہی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو ھو اللہ احد کہنے کا فرمایا اسی لیے یہ فرمایا کہ اے محبوب ﷺ جب میں آپ ﷺ کو قرآن میں آپکے اکیلے رب کو یاد کرواتا ہوں''۔قل فرما کے اللہ تعالیٰ نے یاد کرنے کو کہا اور یاد کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ اسی وحدانیت کو یاد کرنے کا ذکر بھی قرآن

میں ہی کرتے ہیں۔

اسی لیے کہا جائے گا کہ اس کائنات کا وجود میرے نبی مکرم ﷺ کی بدولت قائم ہے اگر میرے نبی ﷺ نہ ہوتے تو قل ھو اللہ احد ہم تک نہ پہنچتا تو خدا کے سوا کوئی نہ ہوتا۔

اسی طرح اگر اللہ تعالیٰ اپنے لیے اولا دٹھہرانے پر اپنے جبار ہونے کو ظاہر فرماتا ہے تو وہیں لم یلد ولم یولد فرمانے پر کیا کیا انعامات فرما سکتا ہے۔ اس کا ذکر اسی کتاب کے دوسرے حصے میں ہوگا۔ یہ پہلا حصہ صرف اس ایک آیت قل ھو اللہ احد میں نبی کریم ﷺ کی شان پر مشتمل ہے۔ کتاب کا یہ پہلا حصہ لوگوں کے ذہن میں اس بات کا عکس چھوڑنے کیلیے کافی ہے تاکہ سورۃ اخلاص اور قرآن کی دوسری سورتوں کو بھی شان مصطفیٰ ﷺ کے طور پر دیکھنے میں مدد کی جا سکے۔

اب انہیں مذکورہ آیات کی روشنی میں شان حامل لواء الحمد ﷺ کا ایک نئے زاویئے سے نظارہ کریں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں متعدد جگہوں پر انبیاء کرام کے اقوال بیان فرمائے ہیں اور یہی بات حجیت حدیث کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ اگر نبی کے قول کا اعتبار نہ ہوتا تو قرآن میں ان کے اقوال بیان نہ کیے جاتے۔

اس ضمن میں دوسری بات یہ کہ قرآن مجید میں انبیاء کرام علیھم السلام کے فرمان تو بیان کیے گئے لیکن نبی کریم ﷺ کے فرمان کس طرح بیان ہوئے؟۔

ان میں سے ایک تو یہ ہے جو ہجرت کے دوران نبی کریم ﷺ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ:

لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا ﴿۴۰﴾ (سورۃ التوبۃ)

''غم نہ کرو بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے''۔

سمجھانے کیلیے یہی ایک آیت ہی کافی ہے اس کے بعد ہم اپنے اصل موضوع کی طرف آتے ہیں۔ یہ تو ہو گیا کہ جو فضیلت اللہ تعالیٰ نے دوسرے انبیاء کو دی کہ اپنے کلام میں ان کے کلام کا ذکر کیا تو یہ فضیلت نبی کریم ﷺ کو اس سے بڑھ کر دی جو کہ مندرجہ بالا آیت کی شکل میں ہے۔

لیکن اس کے علاوہ اسی ضمن میں نبی کریم ﷺ کو وہ فضیلت عطا فرمائی گئی جو کسی اور نبی کو عطا نہیں فرمائی گئی۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کے اقوال کے علاوہ ان باتوں کا بھی ذکر فرمایا جو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنے نبی کریم ﷺ سے لفظ قل کی صورت میں کہلوائیں۔ تو اس کے لیے بھی وہی دو آیات پیش کی جاتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ سے کہلوایا:

قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ ﴿۱﴾ (سورۃ الاخلاص)

''(اے محبوب ﷺ) آپ فرما دیجئے وہ اللہ اکیلا ہے''۔

اس آیت میں نبی کریم ﷺ سے اپنی وحدانیت کا ذکر کرایا اور پھر اسی بات کا ذکر دوسری آیت میں کر دیا۔

وَاِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِی الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ﴿۴۶﴾ (بنی اسرائیل)

''اور جب آپ ﷺ قرآن میں اپنے رب کی وحدانیت کو بیان کرتے ہیں''۔

قل فرما کر اپنی توحید بیان کراتا ہے اور پھر جب اسی بات کو دہرایا جاتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ اے محبوب ﷺ آپ جب اپنے رب کی وحدانیت بیان کرتے ہیں بجائے اس کے کہ کہا جائے اے محبوب ﷺ جب ہم آپ ﷺ سے اپنی وحدانیت کو بیان کراتے ہیں کیونکہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَد کا مفہوم یہی بتلاتا ہے لیکن یہ بھی بتانا مقصود ہے کہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَد سے اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٌ کا ربط ہے۔

دوسرا یہ کہ ایک تو نبی کریم ﷺ سے اپنی وہ تعریف کرائی جو کسی سے نہ کرائی اور پھر اسی کا تذکرہ قرآن میں دہرادیا تو کہنا پڑے گا کہ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَك کا سہرا صرف میرے نبی کریم ﷺ کے سر ہی سجتا ہے کہ جس کے کلام کو خدا اپنا کلام بنالیتا ہے۔

سینتیسویں فصل

عَنْ مُحَمَّدِ ابْنِ جُبَيْرِ ابْنِ مُطْعَمٍ عَنْ اَبِيْهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لِی خَمْسَةُ اَسْمَاءٍ اَنَا مُحَمَّدٌ وَ اَنَا اَحْمَدُ وَ اَنَا الْمَاحِیَ الَّذِیْ يَمْحُوا اللّٰهُ بِی الْكُفْرَ وَاَنَا الْحَاشِرُ الَّذِیْ يُحْشَرُ النَّاسُ عَلٰی قَدَمِیْ وَ اَنَا الْعَاقِبُ۔

(صحیح بخاری۔ کتاب الانبیاء۔ جلد۲۔ صفحہ۳۵۲)

(موطا امام مالک۔ کتاب اسماء النبی ﷺ۔ صفحہ۸۳۶)

(مشکوٰۃ شریف۔ جلد۳۔ باب اسماء النبی ﷺ۔ حدیث نمبر۵۵۲۷۔ صفحہ۱۲۸)

حضرت جبیر بن مطعم سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میں محمد ہوں اور میں احمد ہوں اور میں ماحی ہوں کہ میرے ذریعے اللہ تعالیٰ کفر کو مٹاتا ہے اور میں حاشر ہوں کہ لوگوں کا حشر میرے قدموں میں فرمایا جائے گا اور میں عاقب ہوں۔

آپ ﷺ محمد ہیں کہ سب سے زیادہ تعریف کیے جانے والے ہیں۔ آپ ﷺ احمد ہیں کہ سب سے زیادہ اللہ کی تعریف کرنے والے ہیں۔ آپ ﷺ ماحی ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے ذریعے اللہ تعالیٰ کفر کو مٹاتا ہے اور سورۃ اخلاص کے متن پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ سورۃ اخلاص کفار کے رد میں نازل کی گئی ہے۔ ھواللہ احد میں کفار کے اس سوال کا جواب ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی نسب ہے۔ یعنی سورۃ اخلاص کفر کو مٹا رہی ہے اور وہ الفاظ جو رد کفر میں نازل کیے گئے ہیں وہ نبی کریم ﷺ کے توسط سے کفار تک پہنچے تو نبی کریم ﷺ کا ماحی ہونا سورۃ اخلاص سے ثابت ہو رہا ہے اور لفظ قل اس پر دال ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قل فرما کر یہ ثابت کردیا کہ میں کفر کو اپنے نبی کریم ﷺ کے ذریعے اور واسطے سے مٹاؤں گا۔ لہٰذا لفظ قل سے نبی کریم ﷺ کے واسطے سے سورۃ اخلاص میں بیان کردہ حقیقتوں کو واضح کرنا ثابت ہے۔

آیت قرآنی ہے۔

وَ يَمۡحُ اللّٰهُ الۡبَاطِلَ وَيُحِقُّ الۡحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ ﴿۲۴﴾ (الشوریٰ)

''اللہ تعالیٰ باطل کو مٹا دیتا ہے اور حق کو ثابت کر دیتا ہے اپنے کلام سے''۔

دوسری آیت میں ہے کہ:

وَ يُحِقُّ اللّٰهُ الۡحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَلَوۡ كَرِهَ الۡمُجۡرِمُوۡنَ ﴿۸۲﴾ (یونس)

''اور اللہ تعالیٰ اپنی باتوں سے حق کو حق کر دکھاتا ہے، پڑے برا مانیں مجرم''۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کو ماحی فرمایا ہے یعنی میرے ذریعے سے اللہ کفر کو مٹا دیتا ہے۔ اور اس آیت میں ہے کہ اللہ کفر کو مٹاتا ہے اپنے کلام سے۔ اور تیسری آیت میں ہے کہ: بے شک یہ قول نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔۔ یعنی وہ کلام جو کفر کو مٹاتا ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ اللہ کا اپنے کلام کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول کہنے سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے سے اپنے کلام کو انسانوں تک پہنچانا ہے اور اسی کلام سے اللہ کفر کو مٹاتا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ میرے واسطے سے کفر کو مٹاتا ہے اور سورۃ اخلاص نے کفر کو جڑ سے اکھیڑ دیا ہے اور سورۃ اخلاص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قل فرما کر بیان کی جا رہی ہے۔ تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ کفار کے لیے اللہ تعالیٰ کا بیان کردہ وہ جواب جو کفر کا خاتمہ کر رہا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پاک کے مطابق وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے ہے اور یہی لفظ قل کی تشریح ہے جس سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا واسطہ اور ذریعہ ہونا اس چوتھی دلیل سے بھی ثابت ہو گیا۔

اگر کسی کو شبہ ہو کہ اللہ تعالیٰ تو کسی کا محتاج نہیں تو پھر یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کے وسیلے سے ہدایت عطا فرماتا ہے؟ تو اس کے جواب میں بار بار یہی کہا جائے گا کہ بے شک اللہ تعالیٰ صمد ذات ہے وہ کسی کا محتاج نہیں لیکن جیسے اللہ تعالیٰ اپنے کام فرشتوں کے ذریعے سے کراتا ہے بجائے اس کے کہ وہ قادر مطلق ہے ایسے ہی اللہ تعالیٰ کی یہ سنت بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے لوگوں تک ہدایت پہنچاتا ہے۔ بلکہ ہدایت والوں کو مغفرت بھی اللہ تعالیٰ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے اور وسیلے سے دیتا ہے اور اس کی تعلیم بھی خود اللہ تعالیٰ اپنی کتاب قرآن مجید میں عطا فرماتا ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے:

وَاسۡتَغۡفِرۡ لَهُنَّ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۱۲﴾ (المجادلۃ)

''اور انکے لیے اللہ تعالیٰ سے مغفرت چاہو، بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے''۔

اس آیت سے واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ غفور اور رحیم ان کے لیے ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے اس تک پہنچنے کی کوشش کریں ورنہ اللہ تعالیٰ تو کسی کا محتاج نہیں لیکن اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کو بلند کرنے کیلیے اپنی پہچان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی

تابعداری سے مشروط کردی۔

بیان کردہ دلائل کے پیش نظر اب جواز نہیں بنتا کہ لفظ قل سے نبی کریم ﷺ کے واسطے اور ذریعے کے معنی کو جدا کیا جائے۔

اڑھتیسویں فصل

اللہ تعالیٰ سورۃ التکویر میں ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ﴿۱۹﴾ (التکویر)

''بے شک یہ (قرآن) معزز رسول کا قول ہے''۔

قرآن مجید میں رسول کریم کے الفاظ نبی کیلیے استعمال کیے گئے ہیں۔

وَلَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ وَجَاءَ هُمْ رَسُوْلٌ كَرِيْمٌ ﴿۱۷﴾ (الدخان)

''اور ہم نے آزمایا تھا ان سے پہلے قوم فرعون کو اور آیا تھا ان کے پاس معزز رسول''

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ رسول سے مراد حضور ﷺ کی ذات بابرکات ہے۔

(تفسیر القرطبی۔جلد۱۰۔صفحہ۲۴۳بحوالہ المحرر الوجیز ،جلد۵ ،صفحہ۴۴۴)

جس طرح قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے لیکن کیونکہ نبی کریم ﷺ پر نازل کیا گیا اسی لیے انسانوں کو بتایا گیا کہ بے شک قرآن اللہ کا کلام ہے لیکن یہ کلام تم تک میرے نبی کریم ﷺ کے ذریعے پہنچا ہے بالکل ایسے ہی اللہ تعالیٰ کا یہ کلام اللہ تعالیٰ کی طرف بلا رہا ہے تو گویا اللہ تعالیٰ بلا رہا ہے لیکن کیونکہ نبی کریم ﷺ سے فرمایا'' قل هو الله احد ''یعنی اے محبوب ﷺ آپ لوگوں کو خدا کی طرف بلائیں اور پھر فرمایا:

وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّكُم ﴿۲﴾ (سورۃ البقرۃ)

''اور تمھیں کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان نہ لاؤ حالانکہ یہ رسول تمھیں اللہ پر ایمان لانے کی دعوت دے رہے ہیں''۔

گویا اللہ تعالیٰ نے ہدایت نبی کریم ﷺ کے واسطے سے مشروط کردی۔

حضرت قاضی عیاض بیان فرماتے ہیں کہ:

حضرت علی بن عیسیٰ رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ حضرات فرماتے ہیں کہ اس آیت میں رسول کریم سے نبی کریم ﷺ کی ذات بابرکات مراد ہیں۔

(الشفاء۔جلد۱۔صفحہ ۸۴)

حضرت عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب مدارج النبوۃ میں لکھا ہے کہ اس آیت میں رسول سے مراد نبی کریم ﷺ ہیں۔

(مدارج النبوۃ۔جلد۲۔تکملہ)

اس آیت پر غور کریں جس میں حضرت زید رضی اللہ عنہ کیلیے فرمایا گیا:

وَاِذۡتَقُوۡلُ لِلَّذِیۡ اَنۡعَمَ اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِ۔۔۔﴿۳۷﴾ (الاحزاب)

''اور اے محبوب ﷺ یاد کرو جب تم فرماتے تھے اس سے جسے اللہ نے نعمت دی اور آپ نے اسے نعمت دی''

نعمت تو اللہ ہی دیتا ہے تو نبی کریم ﷺ کا نعمت دینے کا کیا مطلب؟

جس طرح حقیقی نعمت اللہ ہی کی ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ کے واسطے سے دی گئی اسی لیے اس کی نسبت نبی کریم ﷺ کی طرف کی گئی بالکل ایسے ہی قرآن کریم کلام تو اللہ ہی کا ہے لیکن کیونکہ لوگوں تک نبی کریم ﷺ کے واسطے سے پہنچا اسی لیے نبی کریم ﷺ کا قول کہا گیا اور لفظ قل میں یہی بات بتا دی گئی کہ دیکھو اگر ہم نے اپنے محبوب ﷺ سے کہلوایا ہے تو ہم اس قرآن کو ان کا کلام بھی فرما رہے ہیں۔تو یہاں بھی وہی مفہوم ہو گا کہ واسطہ محمد ﷺ سے دینا اللہ تعالیٰ کی سنت ہے۔

اور دوسری آیت میں ہے۔۔

فِیۡہِ ھُدًی لِّلۡمُتَّقِیۡنَ ﴿۲﴾ (سورۃ البقرۃ)۔۔

''اس (قرآن) میں مومنین کیلیے ہدایت ہے''۔

ایک طرف قرآن پاک کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے نبی کریم ﷺ کا قول فرمایا جا رہا ہے جس میں لفظ قل کی تشریح ہے اور دوسری طرف اسی قول کو ہدایت کہا جا رہا ہے۔جس سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ بے شک قرآن تو اللہ کا نازل کردہ ہے لیکن اللہ اس کی وضاحت نبی کریم ﷺ کے واسطے سے کراتا ہے جیسا کہ لفظ قل سے واضح ہے اور

دوسری آیت کا مطلب یہ ہے کہ وہ قرآن جو اللہ تعالیٰ اپنے نبی کریم ﷺ کے واسطے سے تم تک پہنچاتا ہے اسی میں ہدایت ہے۔اور ہدایت کا دارومدار اللہ کی معرفت پر ہے اللہ کی معرفت ھو اللہ احد ہے اور ھو اللہ احد کا اظہار اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم ﷺ سے کہلوا کے فرمایا۔اس سے بھی ثابت ہوا کہ لفظ قل سے ہم نبی کریم ﷺ کا واسطہ اور ذریعہ مراد لے سکتے ہیں۔اسی بات کا بیان یہ آیت ہے:

ھُوَالَّذِیۡ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَہٗ بِالۡھُدٰی وَ دِیۡنِ الۡحَقِّ لِیُظۡھِرَہٗ عَلَی الدِّیۡنِ کُلِّہٖ وَلَوۡ کَرِہَ الۡمُشۡرِکُوۡنَ ﴿۹﴾ (الصّف)

''وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا کہ اسے سب دینوں پر غالب کر دے، پڑے برا مانیں مشرک''۔

اس آیت سے واضح ہے کہ نبی کریم ﷺ کی تشریف آوری ہوئی ہی لوگوں تک ہدایت پہنچانے کیلیے ہے تا کہ ہر جگہ اللہ تعالیٰ کا

ذکرہو۔

اُنتالیسویں فصل

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَاِنَّکَ لَتُلَقَّی الْقُرْاٰنَ مِنْ لَّدُنْ حَکِیْمٍ عَلِیْمٍ ﴿۶﴾ (النمل)

''اور بے شک آپ ﷺ ضرور سکھائے جاتے ہیں قرآن حکمت والے علم والے کی طرف سے''۔

اور قرآن میں سیکھنے کیلیے کیا ہے؟

وَ نَزَّلْنَا عَلَیْکَ الْکِتٰبَ تِبْیَانًا لِّکُلِّ شَیْءٍ۔۔۔﴿۸۹﴾ (النحل)

''اور ہم نے تم پر قرآن اتارا کہ ہر چیز کا روشن بیان ہے''۔

اور قرآن میں بیان کردہ سب سے بڑی ذات کونسی ہے؟

اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات۔تو سب سے بڑا عالم کون ہوگا جو قرآن میں بیان کردہ سب سے بڑی ذات کا علم رکھتا ہو۔

اَنَا اَعْلَمُکُمْ بِاللهِ (بخاری جلد۱۔۱۱۳)

میں تم سب سے زیادہ خدا کو جاننے والا ہوں۔

ظاہر ہے جسے خدا سکھائے تو سب سے بڑا عالم تو وہی ہوگا۔

اب ایک اور اسلوب پر توجہ کریں؟

جیسے ایک استاد اپنے شاگرد کو کچھ سکھانے کیلیے کہتا ہے''کہو''تو وہ شاگرد اس بات کو سیکھنے کیلیے ویسے ہی کہتا ہے جیسے اس کا استاد کہتا ہے۔اسی اسلوب کو لوگوں کی سمجھ میں لانے کیلیے انہیں کا اسلوب استعمال کیا گیا اور فرمایا گیا قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ۔اے محبوب ﷺ آپ فرمادیں وہ اللہ اکیلا ہے۔

لفظ قل وَاِنَّکَ لَتُلَقَّی الْقُرْاٰنَ کی وضاحت ہے اور ھُوَ اللّٰہُ اَحَد سبجیکٹ ہے۔

تو اللہ کی ذات اور صفت کا علم تو نبی کریم ﷺ کے پاس ہے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

اَلرَّحْمٰنُ فَسْئَلْ بِہٖ خَبِیْرًا ﴿۵۹﴾ (الفرقان)

''بے حد مہربان تو کسی جاننے والے سے اس (اللہ) کی معرفت حاصل کرو''۔

پھر فرمایا:

اَلرَّحْمٰنُ ﴿۱﴾ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ﴿۲﴾ (الرّحمٰن)

''بہت مہربان O جس نے اپنے بندے کو قرآن سکھایا''۔

اس آیت میں بندے سے نبی کریم ﷺ کی ذات بابرکات مراد ہے۔

تفسیر قرطبی میں ہے:

''اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم ﷺ کو قرآن کی تعلیم دی یہاں تک کہ آپ ﷺ نے اسے تمام انسانوں تک پہنچایا''۔

(تفسیر قرطبی۔ جلد ۹۔ صفحہ ۱۶۵)

تفسیر بغوی میں اس آیت کی تفسیر میں ہے:

کلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: قرآن محمد مصطفیٰ ﷺ کو سکھایا اور کہا گیا ہے۔

(تفسیر بغوی۔ جلد ۶۔ صفحہ ۱۷۳)

وَ يُزَكِّيهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ﴿۲﴾ (الجمعۃ)

''اور (نبی کریم ﷺ) انہیں پاک کرتے اور کتاب وحکمت سکھاتے ہیں''۔

اور پھر فرمایا:

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ﴿۱۴﴾ (الاعلیٰ)

''بے شک مراد کو پہنچا جو پاک ہوا''۔

اور مراد کو پہنچنا ہی خدا کو پانا اور پاک ہوئے بغیر مراد کو نہیں پہنچ سکتے اور نبی کریم ﷺ کے بغیر پاک ہو نہیں سکتے۔ اور دوسری بات قرآن مجید کی ہے کہ جس میں ہدایت ہے وہ بھی نبی کریم ﷺ سکھاتے ہیں تو ہدایت کا جو بھی راستہ اختیار کرو تمھیں سب سے پہلے نبی کریم ﷺ کی اطاعت سے گزرنا ہوگا۔

وہی کتاب جو نبی کریم ﷺ سکھاتے ہیں اسی کے بارے ارشاد ہے:

هُوَالَّذِيْ يُنَزِّلُ عَلٰى عَبْدِهٖ اٰيٰتٍ بَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ وَاِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹﴾ (الحدید)

''وہی ہے کہ اپنے بندے پر روشن آیتیں اتارتا ہے تاکہ تمھیں اندھیروں سے اجالے کی طرف لے جائے اور بے شک اللہ تم پر ضرور مہربان اور رحم والا''۔

اللہ تعالیٰ نبی کریم ﷺ کو کتاب سکھاتے ہیں اور نبی کریم ﷺ امت کو کتاب وحکمت سکھاتے ہیں۔

اگر اللہ تعالیٰ کی معرفت میں امت نبی کریم ﷺ کے واسطے کے بغیر رسائی رکھتی تو اللہ تعالیٰ لوگوں کو سکھاتا بلکہ یہاں تو نبی کریم ﷺ کا لوگوں کو سکھانا ثابت ہے اور پھر قرآن میں ہی ہدایت ہے (البقرۃ: ۲) تو ہے کوئی جو نبی کریم ﷺ کے واسطہ کے بغیر قرآن سیکھ سکے اور اگر قرآن نہیں سیکھا جا سکتا تو ہدایت تو قرآن میں ہے، پھر کوئی کیسے خدا کو پا سکتا ہے؟۔

جیسا کہ اس آیت میں ہے:

قُلۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوۡنِیۡ يُحۡبِبۡكُمُ اللّٰهُ۔۔۔﴿۳۱﴾(ال عمران)

''اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ فرمادو اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تمھیں دوست رکھے گا''۔

یعنی تمھارا اللہ کو دوست رکھنا تب تک تمھارے لیے مفید نہیں ہے جب تک اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہو۔مثال کے طور پر اگر کوئی یہودی یا عیسائی خدا سے محبت کرتا ہے تو یہ نہیں کہا جائے گا کہ وہ اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہے، نہیں، بلکہ وہ محبت تو اللہ سے کرتا ہے لیکن کیونکہ اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم نہیں ہے تو یہ قابل قبول نہیں ہے۔اگر کوئی کہے کہ یہ خدا کی قدرت ہے کہ کسی بھی انسان کو اپنی معرفت دے دے تو اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ تم میں اللہ کو ویسے نہیں پہچانا کہ جیسے پہچاننے کا حق ہے۔کیا اللہ کی یہ شان ہے کہ کسی کو بھی اپنے تک رسائی دے دے؟۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کیلیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو شرط قرار دے دیا گیا ہے۔اس آیت سے بھی وہی مفہوم اخذ ہو رہا ہے جو قُلۡ هُوَ اللّٰهُ اَحَد سے ہے یعنی قُلۡ هُوَ اللّٰهُ اَحَد بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے اللہ کی معرفت کے حصول کی طرف اشارہ کر رہا ہے اور بیان کردہ آیت میں بھی واضح طور پر فرما دیا گیا کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری میں ہی اللہ کی رضا ہے۔

تو کہنا پڑے گا کہ لفظ قل ہی ہماری ہدایت اور رہنمائی کی طرف اشارہ ہے کہ اسے پکڑ لو جو خدا کو جانتا ہے اور خدا کا سکھایا ہوا ہے تو خدا کو جان سکو گے۔

لفظ قل کو واسطہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مفہوم کے طور پر پیش کرنے پر ایک اور دلیل پیش کی جاتی ہے کہ امام ابن جوزی نے اپنی کتاب الوفاء باحوال المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں لکھتے ہیں۔

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت نبوت پر تورات میں یہ دلیل بھی موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو تورات کے سفر خامس میں فرمایا۔میں بنی اسرائیل کیلیے انکے بھائیوں میں تمھارے جیسا رسول قائم کروں گا اور میں اپنا کلام انکے منہ مبارک میں رکھوں گا یعنی زبان انکی ہوگی اور کلام میرا''۔

(الوفاء باحوال المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔صفحہ ۸۲)

لفظ قل کو ایک بہتر مفہوم میں واضح کر دیا گیا ہے کہ خدا اپنے محبوب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرما رہا ہے کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم بے شک یہ کلام میرا ہے لیکن میں آپ کو فرما رہا ہوں کہ میرا کلام آپ ادا کر دیں تاکہ لوگوں تک میرا پیغام پہنچ جائے۔

یہاں میں ایک سوال یہ بھی کروں گا کہ اگر خدا کی طرف سے کوئی عمومی حکم ہو تو کیا اسے صرف انسانوں کیلیے سمجھا جائے گا یا جن بھی اس میں شامل ہیں تو کیا وہاں صرف لوگوں کا لفظ استعمال کر کے صرف انسانوں کیلیے اس حکم کو خاص کرنا درست

ہے؟ جیسا کہ مندرجہ بالا آیت کے ترجمہ میں بعض مترجموں نے یوں ترجمہ کیا ہے ''اے محبوب ﷺ آپ فرما دو کہ لوگو اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تمھیں دوست رکھے گا''۔

ایک اور سوال یہ کہ کیا قرآن سے کیا گیا ایسا استدلال جو دوسری آیت سے بھی اسی مفہوم میں ثابت ہو، کے بارے کہا جا سکتا ہے کہ یہ تفسیر بالرائے ہے یعنی وہ مفہوم جو ایک آیت سے واضح ہے اور دوسری آیت سے چند دلائل کی روشنی میں وضاحت ہوئی، درست ہے یا نہیں؟

آیت کا دوسرا حصہ اللہ احد کی تفصیل میں بیان کیا جائے گا۔

چالیسویں فصل

اس میں بیان ہے کہ لفظ قل خدا تک پہنچنے کا ذریعہ اور قرآن سے ہدایت کے حصول کا مفہوم ہے۔

ہر وہ انسان جو خدا کو مانتا ہے ممکن ہے کہ نبی کریم ﷺ کو نہ مانے۔ جیسے اہل کتاب وغیرہ۔ تو نبی کریم ﷺ کو نہ ماننے کی وجہ سے کافر ٹھہرے۔ لیکن اس بات کا امکان تو کیا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ جو نبی کریم ﷺ کو مانتا ہو وہ خدا کو نہ مانے۔

یہاں شاید کسی کے ذہن میں شکوک وشبہات جنم لیں کہ یہ کیا بات ہوئی کہ خدا کو ماننے والے پر یہ امکان ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کو نہ مانے اور جہنم واصل ہو جائے اور نبی کریم ﷺ کو ماننے والا کوئی ایسا نہیں جو خدا کو نہ مانتا ہو۔ تو اس سے پہلے اس کی وضاحت پر غور کریں۔

وجہ کیا ہے؟ کہ ہر وہ انسان جو خدا کو مانتا ہے ضروری نہیں کہ وہ مسلمان ہو۔ لیکن ہر وہ انسان جو نبی کریم ﷺ کو مانتا ہے وہ یقینی طور پر مسلمان ہے۔

حضرت فضالہ بن عبید فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص مجھ پر ایمان لائے اور مسلمان ہو جائے میں اس کیلیے جنت کے اندر گھر کا ضامن ہوں۔

(المستدرک للحاکم۔ جلد دوم۔ کتاب البیوع۔ صفحہ نمبر ۵۰۰)

یہ حدیث ہمارے مئوقف کو سمجھنے کے لیے کافی ہے۔

یہاں قرآن کی ایک مثال سے واضح کیا جاتا ہے کہ نبی کے ذریعے ہدایت دی جاتی ہے اور اگر نبی سے واسطہ کٹ جائے تو امت گمراہ ہو جاتی ہے اور گمراہ ہونے کے بعد پھر نبی سے تعلق استوار ہو جائے تو وہی شرک اور کفر میں مبتلا انسان خدا کو راضی کرنے کیلیے اپنا گلا کاٹ دیتے ہیں۔

وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰىٓ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَ اَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۵۱﴾ (البقرۃ)

''اور (یاد کرو) جب ہم نے موسیٰ سے چالیس رات کا وعدہ فرمایا پھر اس کے پیچھے تم نے بچھڑے کی پوجا شروع کر دی اور تم ظالم تھے''۔

اس کی مستند ترین وضاحت تقاسیر کی تقریباً تمام مشہور کتب میں موجود ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم سے جدا ہوئے تو ان کی قوم نے خدا کو چھوڑ دیا حالانکہ موسیٰ علیہ السلام کو بلانے والا خود اللہ تعالیٰ تھا، اللہ کو پتا تھا کہ موسیٰ کے اپنی قوم سے نکلنے سے ان کی قوم شرک کرے گی تو موسیٰ کو ان سے جدا کیوں کیا؟ اس لیے کہ خدا بتانا چاہتا تھا کہ امت کی ہدایت کا دارومدار نبی کی اطاعت میں ہے، پھر حضرت موسیٰ کے اپنی قوم میں واپس آنے پر وہی شرک کرنے والی قوم نبی کی برکت سے شرک سے تائب ہوئے اور خدا کو راضی کرنے کیلیے اپنے گلے کٹوانے پر راضی ہوگئی۔ جیسا کہ اس آیت میں ہے:

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِىِٕكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِىِٕكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۵۴﴾ (البقرۃ)

''اور (یاد کرو) جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم بے شک تم نے بچھڑا بنا کر اپنے آپ پر ظلم کیا تو اپنے پیدا کرنے والے کی طرف رجوع لاؤ تو اپنے آپ کو قتل کر دو یہ تمھارے پیدا کرنے والے کے نزدیک تمھارے لیے بہتر ہے تو اس نے تمھاری توبہ قبول کی بے شک وہی ہے بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان''۔

ان دو آیات سے واضح ہوگیا کہ نبی کو بھیجنے کا مقصد کیا تھا اور نبی کے بغیر امت کا کیا حال ہوتا ہے تو یہی بات الفاظ دیگر میں یوں بیان کی جاسکتی ہے کہ نبی کریم ﷺ کے واسطے سے خدا کو ماننا صراط مستقیم ہے اور نبی کریم ﷺ کو چھوڑ کر خدا کو ماننا یضل بہ کثیرا کا مفہوم ہے۔ اس لیے کہ حقیقت میں ایسا انسان جو خدا کو مانتا ہے نبی کریم ﷺ کو نہیں مانتا وہ خدا کو بھی ویسے نہیں مانتا جیسا اس کے ماننے کا حق ہے اور اللہ کو ماننے کا حق کیا ہے؟ قرآن سے سنو:

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ ۔۔۔﴿۹۱﴾ (الانعام)

''اور اللہ کی قدر نہ جانی جیسی قدر جاننی چاہیے تھی جب بولے اللہ نے کسی انسان پر کچھ نہیں اتارا''۔

تفاسیر اٹھا کر دیکھیں یہ آیت یہود کے بارے نازل ہوئی ہے جو خدا کو ویسے نہ مانتے تھے جیسے ماننے کا حق ہے اور ماننے کا حق کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ماننے کا حق یہ ہے کہ میرے نبی کریم ﷺ کو صرف نبی نہیں رسول مانا جائے کیونکہ کتاب رسول کو دی جاتی ہے۔ یعنی اللہ کو ماننے کا حق یہ ہے کہ رسول ﷺ کو مانا جائے اور اس پر نازل ہونے والی کتاب کو مانا جائے ورنہ خدا کا ماننا قبول نہ کیا جائے گا۔ لیکن جو نبی کریم ﷺ کو مانتا ہے وہ کبھی بھی خدا کا انکار نہیں کرسکتا۔

اب یہی بات ایک مثال سے سمجھ لیں۔

اگرکوئی بادشاہ کہے کہ جو مجھ سے ملنا چاہے وہ میرے وزیر سے رابطہ کرے اور کوئی آنے والا بادشاہ سے ملنا چاہے اور وہ اس پر اصرار کرے کہ وزیر نہیں مجھے براہ راست بادشاہ سے ملنا ہے اور اسکی یہ بات بادشاہ کو پہنچے تو بادشاہ اس شخص پر خوش ہوگا کہ خفا؟۔جبکہ خود بادشاہ نے اپنے وزیر کو اپنے تک پہنچنے کا ذریعہ بنایا۔اب وہ کہنے والا کہے کہ بجائے خوش ہونے کے بادشاہ مجھ سے ناراض ہو گئے کہ میں تو ان سے خود ملنا چاہتا تھا تو اس کے جواب میں بادشاہ کہے کہ تو نے میرے وزیر کی نہیں بلکہ میرے حکم کی خلاف ورزی کی۔میں نے حکم دیا کہ جو میرے وزیر تک پہنچے گا وہ مجھ تک پہنچ پائے گا لیکن تو نے میرے حکم کو ماننے کی بجائے اپنی خواہش کی پیروی کی اور میری حکم عدولی کی۔من یطع الرسول فقد اطاع اللہ اس کی وضاحت ہے۔

بالکل ایسے ہی خدا تک پہنچنے کا راستہ نبی کریم ﷺ ہیں اگر براہ راست پہنچنے کی کوشش کی جائے گی تو ناکامی ہوگی اور خدا کی ناراضگی کا موجب ہوگی۔

اس کی مثال قرآن سے سنیں۔

وَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْ لَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَاۤ اٰيَةٌ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ (البقرة)

''اور جاہل بولے اللہ تعالیٰ ہم سے (براہ راست) کلام کیوں نہیں کرتا، یا ہمیں کوئی نشانی ملے ان سے اگلوں نے بھی ایسی ہی کہی ان کی سی بات اِن کے اُن کے دل ایک سے ہیں بے شک ہم نے نشانیاں کھول کر رکھ دیں یقین والوں کیلیے''۔

اس آیت میں خدا کو بلا واسطہ پانے والوں کے مطالبے پر انہیں جاہل فرمایا گیا ہے۔

اور دوسری آیت ملاحظہ ہو:

مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ ﴿۲۵۳﴾ (البقرة)

''ان (رسولوں) میں سے کسی سے اللہ نے کلام فرمایا''۔

غیر نبی کیلیے اللہ کو براہ راست پانے کی نفی ہے اور انبیاء علیھم السلام کے براہ راست اللہ تک پہنچنے کا اثبات ہے۔

اب اپنے موضوع کی طرف آتے ہیں اگر مندرجہ بالا آیت کے پیش نظر کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کو ذریعہ ہدایت فرمایا ہے اور جو قرآن کو مانے گا وہ اللہ کی ویسے قدر کرلے گا جیسے اس کی قدر کرنے کا حق ہے؟

اس کا جواب قرآن ہی کی آیت سے سنیں۔

يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّ يَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ﴿۲۶﴾ (البقرة)

جو قرآن کو نبی کریم ﷺ پر نازل کتاب مانے گا وہی اس کتاب سے ہدایت حاصل کر سکتا ہے اور اگر اس کتاب قرآن مجید کو

نبی کریم ﷺ پر نازل شدہ نہ مانے لیکن قرآن کو مانے یعنی اس سے دنیوی واخروی فائدہ حاصل کرنے کی کوشش کرے جیسے غیر مسلموں کی یونیورسٹیز میں قرآن پر ریسرچ کی جاتی ہے۔ لیکن مسلمان کیلیے نبی کریم ﷺ سے ہٹ کر قرآن کو ذریعہ ہدایت بنانا ویسے ہی ناممکن ہے کہ جیسے نبی کریم ﷺ کو ماننے والا خدا کا انکار نہیں کرتا اسی طرح قرآن کو ماننے والا نبی کریم ﷺ کا انکار کبھی بھی نہیں کر سکتا۔

اسی سوال کا دوسرا جواب یہ ہے کہ مندرجہ بالا آیت یہود کے بارے نازل ہوئی اور یہود اس بات کو تو مانتے تھے کہ خدا کی طرف سے اس کے احکام نازل ہوتے ہیں اسی بنا پر وہ تورات کو مانتے تھے۔ لیکن نبی کریم ﷺ کو نہ مانتے تھے جس کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مجھے مانتے ہو لیکن حقیقت میں میری نافرمانی کرتے ہو کیونکہ میرے نبی کریم ﷺ کو نہیں مانتے اور میں کہتا ہوں کہ میرے نبی کریم ﷺ کو مانو جسکی تم نافرمانی کرتے ہو تو تم نے اللہ کی ویسے قدر نہ کی جیسی کرنے کا حق ہے۔

اسی بات کا ایک اور پہلو بھی ہے کہ ایک شخص قرآن کو مانتا ہے اور نبی کریم ﷺ کو مانتا ہے تو پھر کیسے کہا جائے گا کہ اب بھی خدا تک پہنچنے کیلیے اور قرآن سے ہدایت حاصل کرنے کیلیے نبی کریم ﷺ کے واسطے کی ضرورت ہے؟

اس کا جواب سادہ انداز سے ملاحظہ کریں کہ اگر آپ قرآن پر عمل کریں گے تو آپ بالواسطہ واسطہ نبی مکرم ﷺ کو تسلیم کر چکے ہونگے کہ قرآن تو نبی کریم ﷺ سے ہمیں ملا نہ کہ بلا واسطہ خدا سے۔ نبی کریم ﷺ کے آنے سے قرآن آیا تو کہا جا سکتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے واسطے سے قرآن ہم تک پہنچا جو کہ ہدایت ہے۔ اس لیے اللہ پاک نے قرآن مجید سے پہلے نبی کریم ﷺ کے آنے کو بیان فرمایا:

قَدْ جَآءَ كُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾ (سورۃ المائدۃ)

''بے شک تمھارے پاس اللہ کی طرف سے نور (نبی کریم ﷺ) اور روشن کتاب آئی''۔

یعنی قرآن نبی کریم ﷺ کے آنے سے نازل ہوا تو واسطہ نبی کریم ﷺ تو واضح ہے۔

قرآن سے ہدایت اسے ملتی ہے جو نبی کریم ﷺ کو پہنچانتا ہو۔ آیت ملاحظہ ہو:

وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَ بَيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا ۝ ﴿۴۵﴾ (بنی اسرائیل)

''اور (اے محبوب ﷺ) جب آپ قرآن پڑھتے ہیں ہم آپ ﷺ کے اور ان کے جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ایک چھپا ہوا پردہ کر دیتے ہیں''۔

شان نزول: جب آیت ''تبت یدا'' نازل ہوئی تو ابولہب کی بیوی ام جمیل پتھر لیکر آئی۔ نبی کریم ﷺ مع حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف رکھتے تھے۔ اس نے نبی کریم ﷺ کو نہ دیکھا اور حضرت ابوبکرؓ سے کہنے لگی تمھارے آقا کہاں ہیں؟ مجھے

معلوم ہوا ہے انہوں نے میری ہجو کی ہے۔حضرت صدیق اکبرؓ نے فرمایا وہ شعر گوئی نہیں کرتے ہیں۔تو وہ یہ کہتے ہوئے واپس ہوئی کہ میں (نعوذ باللہ) ان کا سر کچلنے کیلیے یہ پتھر لائی تھی۔اس کے بعد حضرت صدیق اکبرؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا نہیں؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے اوراس کے درمیان ایک فرشتہ حائل رہا۔اس واقعے کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔

(تفسیرخزائن العرفان۔صفحہ۵۱۵)

(تفسیر روح البیان۔تفسیر پارہ ۱۵۔بنی اسرائیل۔صفحہ ۱۶۹)

جبکہ تفسیر ابن عباس میں ہے:

ابن منذر نے ابن شہاب سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مشرکین قریش کے سامنے قرآن کریم کی تلاوت کرتے اوران کو کتاب اللہ کی طرف بلاتے کہ یہ ہمیں مائل کرنا چاہتے ہیں جس کی طرف یہ ہمیں بلا رہے ہیں اس سے ہمارے دلوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں اور ہمارے کانوں میں ڈاٹ ہے اور ہمارے اور تمھارے درمیان پردہ حائل ہے چنانچہ یہ آیت نازل ہوئی۔

(تفسیر ابن عباس۔جلد۲۔صفحہ ۱۸۷)

(تفسیر درمنثور۔جلد۴۔صفحہ ۴۹۰)

اس آیت کی وضاحت سے پہلے یہ ملاحظہ ہو کہ اللہ تعالیٰ تک براہ راست پہنچنے والوں کیلیے اللہ تعالیٰ نے کیا فرمایا ہے۔سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر ۱۱۸ دیکھیں:

وَ قَالَ الَّذِیۡنَ لَا یَعۡلَمُوۡنَ لَوۡ لَا یُکَلِّمُنَا اللّٰہُ اَوۡ تَاۡتِیۡنَاۤ اٰیَۃٌ ؕ کَذٰلِکَ قَالَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِہِمۡ مِّثۡلَ قَوۡلِہِمۡ ؕ تَشَابَہَتۡ قُلُوۡبُہُمۡ ؕ قَدۡ بَیَّنَّا الۡاٰیٰتِ لِقَوۡمٍ یُّوۡقِنُوۡنَ ﴿۱۱۸﴾ (البقرۃ)

''اور جاہل بولے اللہ تعالیٰ ہم سے (براہ راست) کلام کیوں نہیں کرتا، یا ہمیں کوئی نشانی ملے ان سے اگلوں نے بھی ایسی ہی کہی ان کی سی بات اِن کے اُن کے دل ایک سے ہیں بے شک ہم نے نشانیاں کھول کر رکھ دیں یقین والوں کیلیے''۔

اللہ تعالیٰ تک بغیر واسطہ کے پہنچنے کے مطالبہ پر واضح کر دیا کہ یہ جاہل لوگ ہیں، تو معلوم ہوا غیر نبی کا خدا تک براہ راست پہنچنے کا دعویٰ کرنا جہالت ہے۔کیونکہ اللہ تعالیٰ اس آیت سے واضح فرماتا ہے کہ اے لوگو تمھاری یہ شان نہیں کہ مجھ تک پہنچ سکو میں تمھارے سامنے عیاں نہیں ہوں لیکن میری نشانیاں تمھارے پاس ہیں۔اور اپنی ان نشانیوں کیلیے اپنے کلام کا اثبات بیان فرمادیا:

مِنۡہُمۡ مَّنۡ کَلَّمَ اللّٰہُ ﴿۲۵۳﴾ (البقرۃ)

''ان (رسولوں) میں سے کسی سے اللہ نے کلام فرمایا''۔

اگر غیر نبی براہ راست اللہ تک پہنچنے کا مطالبہ کرے تو جاہل کہلاتا ہے لیکن اپنے رسولوں میں سے جسے چاہتا ہے اپنے کلام سے سرفراز فرماتا ہے۔

دوسری آیت دیکھیں:

وَاِذۡ قُلۡتُمۡ یٰمُوۡسٰی لَنۡ نُّؤۡمِنَ لَکَ حَتّٰی نَرَی اللّٰہَ جَہۡرَۃً فَاَخَذَتۡکُمُ الصّٰعِقَۃُ وَاَنۡتُمۡ تَنۡظُرُوۡنَ ﴿۵۵﴾ (البقرۃ)

''اور جب تم نے کہا اے موسیٰ ہم ہر گز تمھارا یقین نہ لائیں گے جب تک اعلانیہ خدا کو نہ دیکھ لیں تو تمھیں کڑک نے آلیا اور تم دیکھ رہے تھے''۔

بنی اسرائیل نے کہا اے موسیٰ ہم تمھیں تب تک نہیں مانیں گے جب تک ہم خدا تک براہ راست نہیں پہنچ جاتے تو ان کے یہ کہنے پر اللہ تعالیٰ نے اپنا عذاب نازل کیا اور وہ تباہ ہو گئے۔

ان آیات سے واضح ہے خدا تک براہ راست رسائی صرف انبیاء کی ہے غیر انبیاء کیلیے اپنے نبی کی تعلیمات کو اپنانا ہوگا۔ حجیت حدیث کے دلائل میں سے یہ دو آیات بڑی دلیلوں میں سے ہیں۔ کیونکہ نہ تو ایک عام انسان خدا سے کلام کر سکتا ہے اور نہ ہی دیکھ سکتا ہے تو لازم ہے قرآن کی تعلیمات پر عمل کیا جائے اور الرحمٰن فسئل بہ خبیرا کے حکم کے پیش نظر سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا سہارا لیا جائے۔

تو وہ نشانیاں کیا ہیں کہ جن کے ذریعے اللہ تک پہنچنا عقلمندی ہے کیونکہ براہ راست اللہ سے کلام کے مطالبے پر تو ان لوگوں کو جاہل قرار دے دیا گیا اور براہ راست دیدار پر عذاب نازل کیا گیا۔

تو ملاحظہ ہو سورۃ البینۃ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی نشانی فرمایا گیا ہے۔

حَتّٰی تَاۡتِیَہُمُ الۡبَیِّنَۃُ ﴿۱﴾ (البینۃ)

''جب تک ان کے پاس (اللہ کی) نشانی نہ آئے''۔

یہاں نشانی سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

(تفسیر ابن عباس۔ جلد۳۔ صفحہ۴۸۸) (تفسیر ابن کثیر۔ جلد۴۔ صفحہ۹۲۳) (تفسیر درمنثور۔ جلد۶۔ صفحہ۱۰۷۵)

(تفسیر مدارک۔ جلد۳۔ صفحہ۱۱۴۲) (تفسیر قرطبی۔ جلد۱۰۔ صفحہ۴۳۹) (تفسیر بیضاوی۔ صفحہ۸۰۶) (تفسیر مظہری۔ جلد۱۰۔ صفحہ۳۸۵)

البینۃ کی تفسیر کرتے ہوئے اللہ پاک نے فرمایا: رسول من اللہ۔

(تفسیر بغوی۔ جلد۶۔ صفحہ۵۳۵)

اب جبکہ اللہ تعالیٰ غیر نبی کیلیے براہ راست کلام اور دیدار کی نفی کر چکا ہے اور اپنی نشانی پر دلیل بھی قائم کر دی ہے تو پھر اللہ اور احد کو بغیر نشانی کے کیسے جانا جا سکتا ہے؟ تو لفظ قل اللہ کی نشانی کی معرفت ہے اور ھو اللہ احد، اللہ کی پہچان۔

اب مندرجہ بالا آیت کی وضاحت پر غور کریں؟

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَاِذَا قَرَأْتَ الْقُرْاٰنَ (اور جب آپ ﷺ نے قرآن پڑھتے ہیں) جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَ بَيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا (ہم آپ ﷺ کے اور ان کے درمیان جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ایک چھپا ہوا پردہ کر دیتے ہیں)۔

اس آیت میں ایک نکتہ ہے جو باقی آیات سے مختلف ہے۔ وہ کیا ہے؟

کہ نبی کریم ﷺ پڑھتے قرآن ہیں لیکن پردہ نبی کریم ﷺ اور ان لوگوں کے درمیان آ جاتا ہے۔ یہاں اس آیت میں قرآن اور ان لوگوں کے درمیان پردہ نہیں ہے۔ قرآن کے پردے کیلیے دلوں پر غلاف اور کانوں میں ٹینٹ کا ہونا ہے جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا گیا:

وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ وَجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَ فِيْۤ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا۔۔۔ ﴿۲۵﴾ (سورۃ الانعام)

''اور ان میں سے کوئی وہ ہے جو آپ کی طرف کان لگاتا ہے اور ہم نے ان کے دلوں پر غلاف کر دیئے ہیں کہ اسے نہ سمجھیں اور ان کے کان میں ٹینٹ''۔

اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن کو سمجھنے کیلیے سننے اور سمجھنے کی ضرورت ہے لیکن کفار کے دلوں پر غلاف اور کانوں میں ٹینٹ کر دیئے جاتے ہیں جس سے نہ وہ ویسے سنتے ہیں جس سے ہدایت ہو اور نہ دلوں سے سمجھتے ہیں کہ سمجھ سکیں۔

لیکن آنکھوں پر پردے کا کیا مطلب ہے؟ کیا کفار قرآن کو دیکھتے تھے کہ ان کے اور قرآن کے درمیان پردہ حائل ہوتا؟ اگر نہیں تو پھر کفار کس کو دیکھتے تھے کہ ان کے درمیان پردہ آ جاتا کہ جس کا اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے۔ بلکہ اسی معاملے میں اللہ تعالیٰ نے باقاعدہ آنکھوں پر بھی پردے کا ذکر فرمایا ہے لیکن اس میں یہ واضح طور پر نہیں کہا گیا کہ آنکھوں پر پردے سے مراد کفار کا نبی کریم ﷺ کو نہ دیکھنا ہے: آیات ملاحظہ ہوں۔

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ وَعَلٰۤى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ز وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ ﴿۷﴾ (البقرۃ)

''اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر مہر کر دی اور ان کی آنکھوں پر گھٹا ٹوپ ہے اور ان کے لیے بڑا عذاب''۔

اس آیت میں دل اور کان پر مہر کا بیان الگ ہے اور آنکھوں پر پردے کا بیان الگ۔ دل اور کان پر مہر تو پچھلی آیت کی

وضاحت ہے لیکن آنکھوں پر پردے کا کیا مطلب؟

دوسری آیت دیکھو:

أُولٰئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَسَمْعِهِمْ وَ اَبْصَا رِهِمْ ﴿۱۰۸﴾ (النحل)

''یہ ہیں وہ جن کے دل اور کان اور آنکھوں پر اللہ تعالیٰ نے مہر کردی''۔

تیسری آیت دیکھو:

خَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَ قَلْبِهٖ وَ جَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشَاوَةً ﴿۲۳﴾ (الجاثية)

''اس کے کان اور دل پر مہر کردی اور اور ان کی آنکھوں پر پردہ بنادیا''۔

مندرجہ بالا تینوں آیات واضح کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دل اور کان پر مہر کردی اور آنکھوں پر پردہ ڈال دیا اور ان میں سے دو آیات میں اللہ تعالیٰ نے آنکھوں پر پردہ ڈالنے کا ذکر الگ سے فرمایا ہے۔ اور سورۃ بنی اسرائیل کی آیت نمبر ۴۶ میں اللہ تعالیٰ کا کانوں اور دل پر مہر کا ذکر قرآن کیلیے فرمایا ہے۔ آنکھوں پر پردے کی وضاحت کیلیے سورۃ بنی اسرائیل آیت نمبر ۴۵ کافی ہے۔

وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَ بَيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا O ﴿۴۵﴾ (بنی اسرائیل)

''اور (اے محبوب ﷺ) جب آپ قرآن پڑھتے ہیں ہم آپ ﷺ کے اور ان کے جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ایک چھپا ہوا پردہ کردیتے ہیں''۔

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ فرماتا تھا کہ قرآن کو سننے اور سمجھنے کیلیے کفار کے کانوں اور دلوں پر مہر کردی گئی لیکن اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے محبوب ﷺ آپ پڑھتے قرآن ہیں لیکن ہم پردہ آپ ﷺ اور ان کفار کے درمیان کردیتے ہیں۔ پچھلی آیات کے مطابق اگر قرآن سے کفار کو دور رکھنا تھا تو کانوں پر مہر اور دلوں پر مہر کی بات ہوتی لیکن یہاں نبی کریم ﷺ اور ان کفار کے درمیان پردہ کردیا گیا۔

اب تفسیر روح البیان سے اس بات کی وضاحت ہوجائے کہ نبی کریم ﷺ اور کفار کے درمیان پردہ کرنے کی کیا وجہ ہے؟۔

''ایسی آڑ کردی گئی کہ جس سے وہ آپ ﷺ کی نبوت اور قدر و منزلت کی معرفت تک نہ پہنچ سکیں اور اسی وجہ سے وہ کہہ دیتے تھے 'ان تتبعون الا رجلا مسحورا 'تم تو ایک جادو کیے ہوئے آدمی کی تابعداری کر رہے ہو''۔

(تفسیر روح البیان۔ تفسیر پارہ ۱۵، ۱۶، ۱۷۔ صفحہ ۱۶۹)

اگر اس آیت سے قرآن مراد لیا جائے کہ کفار قرآن کو نہیں سن سکتے تھے تو پھر مندرجہ ذیل آیت کا کیا معنی؟

وَلَا تَجۡهَرۡ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتۡ بِهَا وَابۡتَغِ بَيۡنَ ذٰلِكَ سَبِيلًا ﴿۱۱۰﴾ (بنی اسرائیل)

''اور اپنی نماز نہ بہت آواز سے پڑھو نہ بہت آہستہ اور ان دونوں کے بیچ میں راستہ چاہو''۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفار قرآن سنتے تھے تبھی تو آہستہ پڑھنے کا حکم فرمایا گیا تو معلوم ہوا کہ قرآن کے سننے میں آڑ نہیں تھی۔ بلکہ آڑ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے میں تھی تبھی وہ قرآن تک نہیں پہنچ پاتے تھے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا اقرار نہیں کرتے تھے۔ کفار کا قرآن کو سن سکنے پر یہ آیت دال ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ دیکھ سکنے پر ام جمیل والی روایت دال ہے۔

پھر اسی سورۃ بنی اسرائیل میں آگے فرمایا گیا:

وَ اِذَا ذَكَرۡتَ رَبَّكَ فِى الۡقُرۡاٰنِ وَحۡدَهٗ۔۔۔﴿۴۶﴾ (بنی اسرائیل)

''اور جب آپ قرآن میں اپنے اکیلے رب کو یاد کرتے ہو''۔

پچھلی آیت میں ذکر ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن پڑھتے ہیں تو ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے درمیان پردہ کر دیتے ہیں کہ وہ آپ کو نہ پہچان سکیں اور پھر اگلی آیت میں فرمایا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن میں اپنے اکیلے رب کو یاد فرماتے ہیں تو کفار پر پردہ تو باقی ہے اگر پردہ ہٹا دیا جائے تو کافر جان لیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جس کا ذکر کر رہے ہیں وہ اکیلا ہے۔ اسی بات کو سورۃ الاخلاص میں بیان کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا قل ھو اللہ احد۔ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ قرآن میں میرے اکیلے ہونے کو یاد کریں۔ سورۃ بنی اسرائیل میں پردے کا ذکر فرما دیا اور سورۃ الاخلاص میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا واسطہ ظاہر فرما دیا کہ کفار کیلیے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان پردہ ہے تو وہ پردہ کیسے ہٹ سکتا ہے تو اس کی وضاحت یہ ہے کہ اگر تم خدا کے اکیلا ہونے کو تسلیم کرنا چاہتے ہو تو یہ تسلیم کرو کہ خدا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے فرماتا ہے کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ انہیں بتائیں کہ میں اکیلا ہوں یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو واسطہ معرفت خدا تسلیم کرو تب تم خدا تک اور قرآن سے ہدایت تک پہنچ سکتے ہو۔

اس بات کو دوسری آیت میں بیان فرمایا گیا:

قُلۡ اَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيۡعُوا الرَّسُوۡلَ ﴿۵۴﴾ (النور)

''(اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم) آپ فرما دیں اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو''۔

اسی آیت کے آخر میں فرمایا گیا:

وَاِنۡ تُطِيۡعُوۡهُ تَهۡتَدُوۡا ﴿۵۴﴾ (النور)

''اور اگر اس (رسول صلی اللہ علیہ وسلم) کی فرمانبرداری کرو تو راہ پاؤ''۔

آیت کے شروع میں اللہ اور رسول دونوں کی اطاعت کا حکم ہے لیکن اسی آیت میں ہدایت کا حصول نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے مشروط کر دیا کس لیے کہ تم میں وہ طاقت نہیں کہ خدا کو پا سکو پہلے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچو پھر خدا تک پہنچو گے۔

ایک اور آیت میں ہے:

فَاٰمِنُوۡا بِاللّٰهِ وَ رَسُوۡلِهِ النَّبِیِّ الۡاُمِّیِّ ﴿۱۵۸﴾ (الاعراف)

''پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول ﷺ غیب کی خبریں دینے والے بظاہر بے پڑھے پر''۔

اس آیت کے پہلے حصے میں اللہ کے ساتھ رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے کا حکم ہے اور آیت کے آخری حصے میں فرمایا گیا:

وَاتَّبِعُوۡهُ لَعَلَّكُمۡ تَهۡتَدُوۡنَ ﴿۱۵۸﴾ (الاعراف)

''اور اس (رسول) کی اتباع کرو کہ تم راہ پاؤ''۔

ایمان اللہ اور رسول ﷺ دونوں پر لاؤ لیکن پہلے اتباع رسول ﷺ کی کرنی ہوگی پھر خدا تک پہنچو گے۔ اگر رسول اللہ ﷺ کے بغیر ہی راہ ہدایت مل سکتی ہے تو پھر رسول اللہ ﷺ کی اتباع کے بعد راہ پانے کا کیا مطلب؟

ہدایت خدا کی معرفت، خوشنودی اور اس تک پہنچنے کا نام ہے اور یہ نبی کریم ﷺ کی اتباع سے مشروط ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ کی اتباع کو ہی خدا کی اتباع فرمایا گیا ہے۔

اسی لیے دوسری آیت میں ہے:

فَلَنَسۡـَٔلَنَّ الَّذِیۡنَ اُرۡسِلَ اِلَیۡهِمۡ ﴿۶﴾ (الاعراف)

''تو بے شک ضرور ہم نے پوچھنا ہے ان سے جن کے پاس رسول گئے''۔

یعنی تمھارے پاس رسول علیھم السلام آئے تھے ہدایت دلانے کیلیے تو کیا تم نے ہدایت حاصل کی۔ یہ کوئی نہیں کہہ سکے گا کہ اے اللہ تو نے ہمیں اپنی معرفت ہی نہیں دی تھی تو تو قادر تھا ہمارے دل میں اپنی معرفت ڈال دیتا۔ نہیں کیونکہ یہ اللہ کی سنّت کے خلاف تھا۔ رسول آیا تو سمجھو ذریعہ معرفتِ خدا ملا۔

اسی لیے اگلی آیت میں فرمادیا:

فَلَنَقُصَّنَّ عَلَیۡهِمۡ بِعِلۡمٍ وَّمَا كُنَّا غَآئِبِیۡنَ ﴿۷﴾ (الاعراف)

''تو ضرور ہم ان کو بتادیں گے اپنے علم سے اور ہم کچھ غیب نہ تھے''۔

اللہ تعالیٰ نے تمھارے پاس رسول بھیجے تھے اور رسول بھیجنے والے کا نشان ہوتا ہے اگر رسول کا دامن تھام لیتے تو تم اللہ تعالیٰ کو پالیتے وہ تم پر غیب نہ رہتا یعنی اس کی ذات کے واحد ہونے کا اقرار کر لیتے۔

اب یہاں ایک اور سوال اٹھایا جا سکتا ہے کہ یہ تو ٹھیک ہے کہ کفار کیلیے نبی کریم ﷺ کا واسطہ ضروری ہے کہ وہ اگر نبی کریم ﷺ کو نہ مانیں گے تو خدا تک نہیں پہنچ سکتے لیکن مسلمان تو نبی کریم ﷺ کو مانتے ہیں تو خدا تک پہنچنے کیلیے نبی کریم ﷺ کے ذریعے اور واسطے کا کیا مطلب؟ جبکہ ہمارے پاس قرآن موجود ہے اور اللہ تعالیٰ ہماری شہ رگ سے بھی زیادہ قریب

ہے۔

اس کے دو جواب ہیں:

۱۔ جو قرآن کو مانتا ہے وہ حقیقت میں نبی کریم ﷺ کے واسطے کو اپنا رہا ہوتا ہے کیونکہ قرآن نبی کریم ﷺ پر نازل کیا گیا۔ یہ اور بات ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کے واسطے کا حقیقت سے منہ موڑ کر انکار کریں۔

۲۔ اس کا دوسرا جواب قرآن مجید میں ہے:

فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَ عَزَّرُوْهُ وَ نَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ (الاعراف)

''تو وہ جو اس (رسول ﷺ) پر ایمان لائیں اور اس کی تعظیم کریں اور اسے مدد دیں اور اس نور (قرآن مجید) کی پیروی کریں جو اس کے ساتھ اترا، وہی مراد کو پہنچے''۔

اس آیت کا پہلا حصہ ان کے لیے ہے جو نبی کریم ﷺ کو نہیں مانتے، کہا گیا ہے کہ وہ ایمان لائیں یعنی مسلمان ہو جائیں۔ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ سے مراد یہ ہے کہ لوگ مسلمان ہو گئے۔ تو سوال کا پہلا حصہ یہ آیت بیان کر رہی ہے۔ جیسا کہ سوال تھا کہ کفار کیلیے واسطہ نبی کریم ﷺ تو ٹھیک ہے لیکن مسلمانوں کیلیے اس کا کیا مطلب؟ تو قرآن مجید اسی بات کو اسی سوال کے اسلوب سے جواب دے رہا ہے کہ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ آپ مسلمان ہو گئے۔ تو اب کیا ہے؟ اب یہاں سے کفار کا معاملہ نہ رہا بلکہ ایمان لانے کے بعد کی ہدایات ہیں۔ وَ عَزَّرُوْهُ وَ نَصَرُوْهُ ''اور اس (رسول ﷺ) کی تعظیم کریں اور اس (رسول ﷺ) کی مدد کریں''۔ یہ مسلمانوں کو حکم ہے کیونکہ کافر کا نبی کریم ﷺ کی تعظیم سے کوئی تعلق نہیں۔ جب وہ مانتا نہیں تو تعظیم کیا کرے گا؟۔

مسلمانوں سے کہا گیا کہ ایمان لانے کے بعد جو چیز تم پر لازم ہے وہ ادب رسول ﷺ ہے اگر چہ مدد رسول ﷺ بھی ادب رسول ﷺ میں آجاتی ہے لیکن تاکید کے طور پر اس کا علیحدہ ذکر کیا گیا۔ کہ جب رسول اللہ ﷺ کے دشمن میرے محبوب ﷺ کی شان میں گستاخی کریں تو میرے رسول ﷺ کی شان میں قصیدے پڑھ کر میرے نبی کریم ﷺ کی مدد کرو۔ یوں سمجھ لیں کہ تعظیم مصطفی ﷺ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی اطاعت کی جائے اور مدد مصطفی ﷺ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کے دشمن کی مخالفت کی جائے۔ یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں نماز کو افضل الذکر فرمایا ہے اور اس کا ذکر علیحدہ فرما کر اس کے قائم کرنے پر زور دیا ہے:

وَ يَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ عَنِ الصَّلٰوةِ۔۔۔﴿۹۱﴾ (المائدۃ)

''(شیطان چاہتا ہے) اور تمھیں روک دے اللہ کے ذکر سے اور نماز سے''۔

حالانکہ نماز بھی اللہ کا ذکر ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر علیحدہ فرمایا۔ ایسے ہی اگر چہ مدد کرنا بھی تعظیم رسول ﷺ سے ہے لیکن اس کا ذکر علیحدہ کرنا تاکید کرنے پر دلالت ہے۔

تو ایمان بالرسول ﷺ کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ صرف نبی کریم ﷺ کو نبی ماننے سے تم خدا کی معرفت یا قرآن سے ہدایت حاصل کر سکتے ہو بلکہ رسول ﷺ کی تعظیم اور ان کی مدد کرو۔

ایک قاعدہ ہے کہ جب تک کسی ہستی کی معرفت حاصل نہیں ہوگی اس وقت تک اس کی تعظیم کا حق ادا نہیں کیا جا سکتا۔ تو نبی کریم ﷺ کی تعظیم کیلیے لازم ہے کہ نبی کریم ﷺ کو پہچانا جائے۔ تو گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ پر ایمان لاؤ اور پھر اس ہستی کو پہچانو اس کی معرفت حاصل کرو۔

پھر اسی آیت میں واضح کر دیا:

وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْ اُنْزِلَ مَعَهٗ ''اور اتباع کرو اس نور کی جو اس (رسول ﷺ) پر نازل کیا گیا''۔

تکمیل ایمان کے پانچ مراحل اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان فرمائے:

۱۔ نبی کریم ﷺ پر ایمان لاؤ (جو نبی کریم ﷺ پر ایمان لاتا ہے وہ خدا پر بھی ایمان لاتا ہے لیکن ضروری نہیں کہ خدا تک پہنچ جائے کیونکہ ابھی چار مراحل باقی ہیں)۔

۲۔ نبی کریم ﷺ کی تعظیم کرو (جو کہ معرفت رسول ﷺ کے بغیر نہیں ہو سکتی)۔

۳۔ نبی کریم ﷺ کی مدد کرو (تاکیداً علیحدہ سے ذکر کیا گیا)۔

۴۔ اور اس نور کی اتباع کرو جو اس نبی کریم ﷺ پر نازل کیا گیا۔

اب واضح ہو گیا کہ قرآن سے ہدایت حاصل کرنے کیلیے تین مراحل سے گزرنا پڑے گا۔ کفر سے ایمان کی طرف آنا۔ اور دو مراحل مسلمان بننے کے بعد کے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی تعظیم اور مدد کرنا اسکے بعد قرآن کی اتباع کرو تاکہ تم ہدایت حاصل کر سکو۔

اب پانچواں مرحلہ:

۵۔ اس آیت میں نبی کریم ﷺ پر ایمان لانا واضح کر دیا گیا اس کی تعظیم اور مدد کو واضح کر دیا گیا اور قرآن کی اتباع کرنا واضح کر دیا گیا لیکن خدا تک پہنچنے کا ذکر نہیں کیا گیا۔ رسول اللہ ﷺ کی معرفت بھی حاصل ہو گئی (اپنی استعداد کے مطابق) اور قرآن مجید کی اتباع میں بھی لگ گئے پھر بھی خدا تک پہنچنے کا اشارہ نہ ملا واضح طور پر۔ تو اس کا کیا مطلب ہے؟۔

یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ خدا کے رسول ﷺ کو بھی مانا جائے، تعظیم بھی کی جائے، مدد بھی کی جائے اور قرآن پر عمل بھی کیا جائے اور خدا تک نہ پہنچا جائے۔ اس کیلیے اسی آیت میں غور کرنے کی ضرورت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کے اتارنے کیلیے اُنْزِلَ کا

لفظ استعمال کیا گیا جو کہ مجہول کا صیغہ ہے اور مجہول میں فاعل ظاہر نہیں ہوتا اس کا یہ مطلب نہیں کوئی فاعل ہی نہیں ۔فاعل ضرور ہے لیکن مخفی ہے۔انزل کا معنی ہے نازل کیا گیا تو ظاہر ہے کوئی تو ہے جس نے قرآن مجید نازل کیا جو کہ اللہ تعالیٰ ہے۔لیکن اس آیت میں فاعل یعنی اللہ تعالیٰ کا خود کو مخفی رکھنے میں حکمت یہ تھی کہ اے لوگو اگر تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ گے ،اس کی تعظیم کرو گے،اس کی مدد کرو گے اور قرآن پر عمل کرلو گے تو مجھ تک پہنچو گے۔اس کے بغیر مجھ تک پہنچنا محال ہے۔پھر اس آیت کے آخر میں واضح کردیا کہ اُولٓـئِكَ هُمُ الْـمُفْلِحُوْن ''وہی لوگ کامیاب ہیں''۔یعنی ان چار مراحل کے بعد تم نے خود بخود خدا کو پالیا اور کامیاب ہو گئے۔اور اگر یہ مراحل طے نہ کرو گے تو یاد رکھو میں نے خود کو مخفی رکھا ہے تم مجھے نہ پاسکو گے۔مجہول میں فاعل ڈھونڈنا بہت مشکل ہے اور فلاح ہوتی ہی معرفت خداوندی میں ہے اور معرفت خدا کیلیے تمھیں بیان کردہ چار مراحل سے گزرنا ہوگا۔

نکتہ:

اسی آیت میں ہی دیکھ لیں کہ صیغہ مجہول سے فاعل کا پتا کیسے چلا؟اسی آیت میں اس کی دو نشانیوں سے،ایک نشانی جو کہ سب سے پہلے بیان ہوئی ہے یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔اور دوسری نشانی کہ جس کا نزول نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے سے مشروط کیا گیا،وہ قرآن مجید ہے۔اور یہ دونوں نشانیاں بتا رہی ہیں کہ رسول تو خدا کا ہوتا ہے اور وہ کلام کہ جس کی مثل لانے سے ہر کوئی عاجز ہے وہ صرف خدا کا ہوسکتا ہے۔

اس کے علاوہ بھی آیات ہیں کہ قرآن مجید میں جہاں اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کو صیغہ مجہول کے ساتھ غیب رکھا وہیں اپنی دو نشانیوں یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید کا ذکر کردیا تاکہ سمجھنے والے سمجھ جائیں کہ اگرچہ ذات غیب ہے لیکن اس کی نشانیاں سامنے ہیں تو انہیں سے اس ذات کا پتا لگاؤ۔جیسے یہ آیت ہے:

وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَا اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ۔۔۔﴿۴﴾(البقرۃ)

''اور وہ جو ایمان لائیں اس پر جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اترا اور جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے اترا''۔

اس آیت میں اتارنے والے کا ذکر نہیں ہے بلکہ جس پر اتارا جارہا ہے اور اور جو اترا ہے اس کے ذریعے ہر جاننے والا یہ جان لے گا کہ قرآن کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کرنے والا صرف اور صرف ایک ذات ہے اور وہ اللہ تعالیٰ ہے۔

دوسری آیت ہے:

وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ۔۔۔﴿۲﴾(محمد صلی اللہ علیہ وسلم)

''اور اس پر ایمان لائے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اتارا گیا''۔

اور جب قرآن کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کرنے اور امت کی طرف نازل ہونے کا ذکر ایک ہی آیت میں کیا گیا تو نبی

کریم ﷺ کیلیے اللہ تعالیٰ کی ذات کا اظہار اور امت کیلیے ذات خداوندی کا غیب ہونا ظاہر کیا گیا۔ آیت دیکھو:

وَ اَنْزَلْنَا اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْھِمْ ﴿۴۴﴾ (النحل)

''اور ہم نے آپ ﷺ پر ذکر (قرآن مجید) نازل فرمایا تا کہ آپ ﷺ اس چیز کو لوگوں کے سامنے واضح فرما دیں جو ان کی طرف نازل فرمائی گئی''۔

یہاں نبی کریم ﷺ کیلیے واضح کر دیا کہ ہم نے آپ ﷺ پر قرآن نازل فرمایا۔ انزلنا میں نا ضمیر متصل منصوب صیغہ تثنیہ جمع متکلم ہے جو کہ خدا کی ذات کی طرف مرجع ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ سے کلام فرما کر فرمایا کہ یہ قرآن ہم نے آپ ﷺ پر نازل کیا لیکن جب اسی آیت میں امت کی طرف قرآن کے نازل ہونے کا ذکر ہوا تو نہ ہی واضح طور پر کوئی ضمیر استعمال کی گئی اور نہ ہی متکلم کا صیغہ استعمال کیا گیا بلکہ ماضی مجہول کا صیغہ استعمال کر کے اللہ تعالیٰ نے یہ بتا دیا کہ خدا تو نبی کریم ﷺ پر منکشف ہے امت پر نہیں اور خدا کو پانے کیلیے تمھیں ان احکام کو سمجھنا ہوگا جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم ﷺ کو حکم فرمائے ہیں کہ تم پر واضح کر دیں اگر قرآن کو نبی کریم ﷺ کے بغیر سمجھا جا سکتا ہے تو لِتُبَیِّنَ لِلنَّاس کے کیا معنی؟۔

نکتہ:

اس آیت میں ایک عمومی حکم ہے جو کہ پورے قرآن کے متعلق ہے اور قرآن میں آسان اور مشکل مقامات دونوں ہیں۔ تو آسان مقامات کی وضاحت بھی نبی کریم ﷺ سے حاصل کی گئی اور مشکل مقامات کی بھی۔ لیکن سب سے مشکل مقامات وہ ہیں جہاں خدا کی ذات اور صفات کا ذکر ہے کہ جنہیں سمجھا نہیں جا سکتا بلکہ ہم میں سے ہر ایک اپنی وسعت کے مطابق سمجھ سکتا ہے۔ تو قل ھو اللہ احد انہیں مشکل مقامات میں سے ایک ہے۔

حضرت قطب الدین شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

قرآن مجید کے وہ مقامات جن میں صفات الٰہیہ کا ذکر ہے قرآن کے مشکل مقامات ہیں اور ان مشکل مقامات میں سورۃ الاخلاص بھی شامل ہے۔

(الفوز الکبیر۔ باب نمبر ۱۱۔ صفحہ ۱۷۵)

تو جب قرآن کے بظاہر آسان مقامات کو سمجھنے کیلیے لِتُبَیِّنَ لِلنَّاس کا حکم ہے تو مشکل الفاظ بغیر لفظ قل کے کیسے سمجھے جا سکتے تھے۔ فرق یہ ہے کہ وہاں لِتُبَیِّن ہے اور یہاں لفظ قُلْ۔ وہاں بیان کر دینے کے الفاظ ہیں اور یہاں فرما دینے کے۔

تو مندرجہ بالا آیات سے واضح ہے کہ امت کیلیے قرآن کے نازل کرنے والا غیب ہے ، جس پر نازل کیا گیا اور جو نازل ہوا، نازل کرنے والے کے وجود پر دال ہیں۔

نبی کریم ﷺ کی بدولت قرآن سے ہدایت حاصل کرو اور اس ہدایت سے خدا تک پہنچو۔ سنت خدا یہی ہے اور خدا کی سنت

تبدیل نہیں ہوتی۔

تو خدا تک پہنچنے کا مرحلہ وار طریقہ کار اس آیت میں واضح طور پر بیان کر دیا گیا۔

اب اس کے بعد بھی اگر کوئی کہے کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر خدا تک کوئی راہ ہوگی تو یہ اس کی کم عقلی کے سوا کچھ نہیں۔

اب پھر سابقہ آیت کی طرف آتے ہیں:

وَاِذَا قَرَأْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَ بَيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا O ﴿۴۵﴾ (بنی اسرائیل)

''اور (اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم) جب آپ قرآن پڑھتے ہیں ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوران کے جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ایک چھپا ہوا پردہ کر دیتے ہیں''۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ یہاں قرآن سے نماز مراد ہے یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے ہیں تو ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور کفار کے درمیان پردہ کر دیتے ہیں۔ اگر یہ معنی ہے تو لفظ قرآن کو لانے کا کیا مطلب؟ ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ چونکہ ہدایت قرآن سے ملتی ہے جیسے لفظ صلوۃ قرآن کیلیے استعمال کیا گیا ہے ملاحظہ ہو:

وَلَا تَجْهَرْ بِصَلٰوتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ﴿۱۱۰﴾ (بنی اسرائیل)

''اور اپنی نماز نہ بہت آواز سے پڑھو نہ بہت آہستہ اوران دونوں کے بیچ میں راستہ چاہو''۔

چونکہ نماز میں قرآن آواز سے پڑھا جاتا ہے تو صلوۃ سے قرآن بھی مراد لیا جاسکتا ہے لیکن چونکہ نماز میں پڑھا جاتا ہے تو اسی لیے نماز آہستہ سے پڑھنے کا حکم فرمایا گیا ہے۔ تو اسی طرح سابقہ آیت میں قرآن سے نماز بھی مراد لی جاسکتی ہے۔

مندرجہ بالا آیت میں نماز میں قرآن کم آواز سے پڑھنے کا حکم ہے، اگر پچھلی آیت میں قرآن اور لوگوں کے درمیان پردے کو مراد لیا جائے تو اس آیت میں تو نماز میں قرآن پڑھنے پر پردے کا نہیں بلکہ آہستہ آواز سے پڑھنے کا حکم ہے تو اگر قرآن اور لوگوں کے درمیان پردہ ہی کرنا تھا تو قرآن آہستہ پڑھنے کا حکم کرنے کا کیا مطلب؟ تو ضروری ہے کہ یہ مراد لیا جائے کہ پردہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور لوگوں کے درمیان تھا تبھی آیات کا سیاق وسباق واضح ہوتا ہے۔

تو یہاں لفظ قرآن لانے سے مقصود یہ تھا کہ قرآن سے ہدایت اسے ملتی ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچانتا ہو لیکن اگر ہم ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر ومنزلت کو نہ پہچان سکیں تو ان کے لیے قرآن ہدایت نہیں ہوسکتا۔ اسی بات کی وضاحت یہ آیت ہے۔

يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّ يَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ﴿۲۶﴾ (البقرۃ)

یعنی جو قرآن سنتا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ویسے نہیں مانتا جیسا ماننے کا حق ہے تو وہ اس قرآن سے ہدایت حاصل نہیں کرسکتا۔

اسی معاملے میں فرمایا گیا:

وَ عُلِّمْتُمْ مَالَمْ تَعْلَمُوْا اَنْتُمْ وَلَا اٰبَآءُ كُمْ ﴿۹۱﴾ (الانعام)

''اور تمھیں وہ سکھایا جاتا ہے جو نہ تمھیں معلوم تھا اور نہ تمھارے باپ دادا کو''۔

بلکہ نبیؐ کے آنے سے معلوم ہوا۔

تو اللہ تعالیٰ کی معرفت اور قرآن سے ہدایت کیلیے لازم ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچانا جائے اور اس کے بغیر کامیابی ممکن نہیں۔ (اللہ و رسولہ اعلم)

مندرجہ بالا بحث بھی لفظ قل کے بارے ہمارے دلائل کو مضبوط کرتی ہے

اکتالیسویں فصل

سورۃ الاخلاص کی پہلی آیت کا دوسرا لفظ ''ھُوَ'' ہے۔ ھُوَ کا لغوی اور معنوی تعارف کرنے کے بعد ہی ھُوَ کا سورۃ الاخلاص کی پہلی سورت میں ہونے اور ھُوَ کا لفظ قل اور اللہ احد سے ربط بیان کیا جائے گا۔

ھُوَ ضمیر مرفوع منفصل ہے اور واحد مذکر غائب کیلیے استعمال ہوتا ہے۔

ھو کی اہمیت اس آیت میں ان روایات سے لگا سکتے ہیں کہ:

ھو میں رد کے محل اور جواب کے مکان پر دلالت ہے جب یہ لفظ نہ رہے تو آیت کا معنی باطل ہو جائے۔

(تفسیر قرطبی۔ جلد ۱۰۔ صفحہ ۵۴۷)

سالک کو لازم ہے کہ وہ قرآن فعلی کی طرف ترقی کرے پھر وہ قرآن کے ھُوَ کا مشاہدہ کرے اور ھُوَ تمام عوالم کو محیط ہے۔

(تفسیر روح البیان۔ صفحہ ۱۱۱۴)

سورۃ الاخلاص میں لفظ ھُوَ لفظ قل کے بعد استعمال ہوا ہے جس کے معنی ہیں ''وہ غائب''۔ یعنی جو ہماری آنکھوں سے اوجھل ہو نہ کہ وہ سرے سے موجود ہی نہ ہو۔ کیونکہ یہاں لفظ ھُوَ اللہ تعالیٰ کیلیے استعمال کیا گیا ہے تو اللہ تعالیٰ کے بارے یہ کہنا کہ موجود نہیں اللہ تعالیٰ پر بہتان ہے۔ یہ وہ واحد ذات ہے جس کیلیے ھُوَ اس معنی میں استعمال ہوا ہے جب کہ مخلوق کیلیے ھُوَ کا استعمال اس صورت میں ہوگا جب کہ ان کی موجودگی نہ ہو۔

سورۃ الاخلاص میں لفظ قل کے بعد ھُوَ کا استعمال اور پھر وہی ذات کہ جس کیلیے اس ضمیر کو لایا گیا، کی ذات اور صفت کا اظہار بے شمار حکمتوں سے لبریز ہے۔

نکتہ:

ھو کو بطور اشارہ غیوبت خداوندی کے طور پر پیش کرنا کہ ھو بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ غیب ہے، کی وضاحت آپ کو اس آیت سے

بھی ملتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ذٰلک الکتٰب ۔ وہ کتاب یعنی قرآن مجید۔ ذا اسم اشارہ ہے اور لام اور کاف کے آنے سے یہ بعید کیلیے استعمال ہوتا ہے۔ تو قرآن کے بعید ہونیکا کیا مطلب ہے؟۔ اب جو دلائل دیئے جاتے ہیں اس سے آپ کو ھو کے مفہوم کو سمجھنے میں آسانی ہوگی کہ ھو سے مراد لوگوں سے اللہ تعالیٰ کی معرفت اور شان کا غیب ہونا ہے۔ اس کی وضاحت میں ہے:

''ذٰلک جس کی طرف اشارہ ہے وہ سامنے اور قریب ہے لیکن ذٰلک تو کسی بعید کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے (جیسا کہ ھو تو غیب کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ متکلم کا مقصود یہ بتانا ہے کہ اللہ تعالیٰ تم عام لوگوں سے اپنی معرفت میں غیب ہے) تو اس کا کیا مطلب ہوا؟

''قرآن چونکہ ایسی عظیم حکمتوں اور علوم کثیرۃ پر مشتمل ہے کہ ان تمام کا حصول اور ان پر اطلاع قوت بشری پر انتہائی دشوار ہے تو قرآن اگرچہ صورت کے اعتبار سے حاضر و سامنے ہے مگر اپنے اسرار و حقائق کی وجہ سے غائب ہے لہٰذا اس کی طرف ایسے اشارہ کیا جاسکتا ہے جیسے کسی بعید غیب کی طرف ہو''۔

(تفسیر کبیر۔ جلد دوم۔ صفحہ ۴۶)

بالکل ایسے ہی ھو کو اللہ تعالیٰ کے غیب ہونے کے اشارہ کے طور پر استعمال کیا گیا ہے کہ چونکہ لوگ اللہ تعالیٰ کو نہیں جانتے اسی لیے ھو اللہ۔ وہ اللہ فرمایا گیا۔

نکتہ:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ صفاتی اسماء مبارکہ جو کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء مبارکہ پر ہیں جیسے رحیم، کریم، رؤف اور اول و آخر۔ کی وضاحت اسی لفظ ھو سے ماخوذ ہے۔ اللہ تعالیٰ کیلیے لفظ ھو استعمال ہوا جو کہ غیب کیلیے استعمال ہوتا ہے لیکن اگر یہی ھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیلیے استعمال ہو تو اس کا مفہوم ویسا نہیں ہوگا جیسا کہ خدا کے ساتھ ھو کا استعمال ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ھو کا استعمال اللہ تعالیٰ کی ذات کو غیب نہیں کرتا بلکہ اس کی شان الوہیت کے مخفی ہونے کا اشارہ ہے جبکہ یہی لفظ ھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیلیے ان کے وجود مبارک کیساتھ غیب ہونا مراد ہے۔ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اگر اپنے گھر پر تشریف فرما ہوتے تو مسجد میں صحابہ کہہ سکتے تھے ھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ لیکن اللہ تعالیٰ اپنی شان الوہیت کے مطابق ہر جگہ حاضر ہے۔ تو ھو کے ضمن میں مسئلہ حاضر و ناظر بھی واضح ہوگیا۔

ایک اور سوال جو کہ کسی کے ذہن میں آسکتا ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حاضر و ناظر ہونا ویسا نہیں کہ جیسا اللہ تعالیٰ کا حاضر و ناظر ہونا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیلیے حاضر و ناظر ہونے کے الفاظ کیوں استعمال کیے گئے؟

اس کے جواب میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے صفاتی نام رؤف و رحیم ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو رؤف و

رحیم فرمایا ہے

حَرِيۡصٌ عَلَيۡكُمۡ بِالۡمُؤۡمِنِيۡنَ رَءُوۡفٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۱۲۸﴾ (التوبہ)

تو کیا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ جیسے اللہ تعالیٰ رؤف و رحیم ہے ویسے ہی نبی کریم ﷺ رؤف و رحیم ہیں (معاذ اللہ) بالکل نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا رؤف و رحیم ہونا ذاتی ہے اور رسول اللہ ﷺ کا رؤف و رحیم ہونا اللہ تعالیٰ کی عطا ہے۔

ایک اور جگہ فرمایا:

الله نور السموات والارض ﴿۳۵﴾ (سورۃ النور)

''اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے''۔

اور نبی کریم ﷺ کو بھی نور فرمایا:

قد جاء کم من الله نور و کتب مبین ﴿۱۵﴾ (سورۃ المائدۃ)

''بتحقیق تمھارے پاس آئے اللہ کی طرف سے نور (رسول اللہ ﷺ) اور روشن کتاب''۔

خدا بھی نور ہے اور نبی کریم ﷺ کو بھی قرآن میں نور فرمایا گیا۔ تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ خدا شان الوہیت کے مطابق حاضر و ناظر ہے اور رسول اللہ ﷺ شان رسالت کے مطابق حاضر و ناظر ہیں۔ ایک ہی لفظ ھو ہے جو خدا کے ساتھ آئے تو شان خدا اور رسول کے ساتھ آئے تو شان مصطفیٰ ﷺ کی الگ الگ وضاحت کرتا ہے۔

اب جبکہ ثابت ہوا کہ ھو خدا کی شان کی غیوبت کی طرف اشارہ ہے تو اسی آیت میں آگے اللہ تعالیٰ کی معرفت بھی دے دی گئی کہ جو ھو ہے وہ اللہ ہے اور اس کی صفت احد ہے۔ اور ان دونوں الفاظ کا اظہار لفظ قل سے ہوا جو کہ دلیل ہے کہ خدا غیب ہے اور اس کی معرفت احد ہے اور اس کی معرفت کا ذریعہ لفظ قل ہے۔

پھر وہی بات:

اسلوب قرآن بھی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ خود ایک سوال کرتا ہے اور پھر اس کا جواب بھی خود ہی ارشاد فرما دیا جاتا ہے جیسے ھو غیب ہے اور اللہ احد اس غیب کی معرفت ہے بالکل ایسے ہی اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا:

فَاِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلُوۡا وَلَنۡ تَفۡعَلُوۡا ﴿۲۴﴾ (البقرۃ)

''پھر اگر نہ لاسکو اور ہرگز نہ لاسکو گے''۔

خود ہی اللہ پاک نے فرمایا کہ اگر نہ لاسکو پھر آگے ہی اس بات کی مکمل وضاحت کر دی کہ کبھی بھی نہ لاسکو گے۔

دوسری آیت ہے:

قُلۡ مَنۡ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ط قُلِ اللّٰهُ ط--- ﴿۱۶﴾ (الرعد)

''تم فرماؤ کون رب ہے آسمانوں اور زمین کا، تم فرماؤ اللہ''۔

سوال بھی نبی کریم ﷺ سے کہلوایا گیا اور جواب بھی نبی کریم ﷺ سے دلوایا گیا۔

بالکل ایسے ہی سورۃ الاخلاص میں اشارہ ہے کہ اے محبوب ﷺ آپ فرما دیں کہ اللہ تعالیٰ تم سب سے غیب ہے اور خود ہی فرما دیں کہ وہ ذات جو غیب ہے وہ اللہ ہے اور اس کی صفت احد ہے۔

نکتہ:

یہاں ایک نکتہ واضح کرنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ سوال بھی خود کرتا ہے اور اپنے ہی سوال کا جواب بھی خود عطا فرماتا ہے لیکن نبی کریم ﷺ سے سوال بھی خود کرواتا ہے اور جواب بھی خود دلواتا ہے۔ جو ظاہر کرتا ہے کہ اے لوگو میرے نبی کریم ﷺ کے اسلوب کلام کو سمجھو تا کہ تم میرے کلام کو سمجھ سکو اور انہیں سوال اور جواب کے درمیان لفظ قل اللہ تعالیٰ کے ذاتی اور نبی کریم ﷺ کے عطائی کمالات کو ظاہر کر رہا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ تو خود سوال کرتا ہے اور خود جواب دیتا ہے لیکن نبی کریم ﷺ نہ خود سوال کرتے ہیں نہ خود جواب دیتے ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے قل فرما کر نبی کریم ﷺ کو وہ اسلوب عطا فرما دیا جو اس کے کلام کو سمجھنے میں ہمارے لیے معاون و مددگار رہو۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَد فرما دو وہ اللہ اکیلا ہے۔

یہاں کفار کا سوال بھی ذہن میں رکھنا چاہیے کہ جب انہوں نے کہا کہ اے محمد ﷺ آپ ہم سے اپنے رب کی صفات بیان کیجیے کہ وہ سونے کا ہے؟ تانبے کا ہے یا پیتل کا؟ تو ان کے جواب میں فرمایا گیا قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَد فرما دو وہ اللہ اکیلا ہے۔

اب اس کی مختصر وضاحت سن لیں کہ اگر هُوَ کو ہٹا دیا جائے تو اس آیت کے معنی باطل ہو جائیں اور اگر اس آیت میں اس لفظ هُوَ کے لزوم پر غور کیا جائے تو کہا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے بہت سی جگہوں پر قرآن مجید میں اپنی ذات اور صفات کی وضاحت سے پہلے اپنے لیے ضمائر کو استعمال کیا ہے اور پھر اپنی ذات اور صفات کی وضاحت فرمائی۔

ضمیر اسم کی جگہ پر لایا جاتا ہے اور اس میں ابہام ہوتا ہے اور اس ایک لفظ هُوَ سے پتا نہیں چلتا کہ یہ کون سی ذات ہے۔ جیسے فرمایا گیا هُوَ الذی وہ ذات۔ اب یہاں کیسے سمجھا جائے کہ کونسی ذات تو آگے فرمایا گیا ارسل رسوله بالهدیٰ جس نے اپنے رسول کو ہدایت کے ساتھ بھیجا۔ بالکل ایسے ہی سورۃ الاخلاص میں پہلے هُوَ لایا گیا تو سمجھ میں نہیں آیا کہ کونسی ذات لیکن جب اللہ احد فرمایا گیا تو پتا چلا کہ وہ ذات اللہ تعالیٰ کی ذات ہے لیکن هُوَ سے پہلے قل فرمانا هُوَ کی وضاحت ہے۔

فرمایا قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَد فرما دو وہ اللہ اکیلا ہے۔

یعنی اے محبوب ﷺ آپ فرما دیں وہ اللہ تعالیٰ جو غائب ہے۔

ھُوَ آنے سے اللہ تعالیٰ کا غائب ہونا ثابت ہوا اور لفظ قل آنے سے اللہ تعالیٰ کے ظاہر ہونے کی طرف اشارہ۔

جیسا کہ تفسیر روح البیان میں ہے:

کلمہ ھو اگر چہ وہ اشارہ مطلقہ کے لیے ہے تعین المراد میں مفتقرہ (محتاج) ہے صرف سبقت ذکر باحد الوجوہ کی یا اس کے بعد کوئی شے آئے جو اس کی تفسیر کرے۔ مقربین اپنے عقول کی عیون سے سوائے واحد کے کسی اور شئے کا مشاہدہ کرتے ہی نہیں اسی لیے حصول العرفان التام کیلیے مقربین کو یہی ھو کافی ہے۔

(تفسیر روح البیان۔سورۃ الاخلاص۔صفحہ ۱۱۰۶)

تو ھو سے مقربین کا ربط ثابت ہوا۔ غیر انبیاء کا غیر انبیاء سے تو موازنہ کیا جا سکتا ہے لیکن نبی سے نہیں۔ اور انبیاء میں سے سب سے زیادہ قرب الٰہی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو حاصل ہے۔ تو لازم ہے کہ ھو کے بعد ھو کی محتاجی کو دور کرنے والے اور ابہام کو دور کرنے والے الفاظ کی بھی معرفت ہو ورنہ ابہام اور بڑھ جائے گا۔ مثال کے طور پر جیسے کافر کہتے تھے کہ الرحمٰن کون ہے؟ اور انہیں بتایا گیا کہ الرحمٰن O علم القران O رحمٰن وہ ہے جس نے اپنے بندے (نبی کریم ﷺ) کو قرآن سکھایا تو اسی طرح اگر صرف اللہ آتا تو کافر کہتے کہ اللہ کون ہے ہم تو نہیں جانتے لیکن احد کے ساتھ ھو اور اللہ کی وضاحت کر دی گئی جس سے اللہ کی احدیت کا ظہور ہوا اور ھو کے ذریعے بتلایا گیا کہ وہ اللہ جسے تم نہیں جانتے تھے تم سے غیب تھا وہ احد ہے یعنی اپنی صفات میں اکیلا ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ ہر کوئی اسے جان سکے تو ابہام کے ساتھ ہی اس ابہام کو دور کر کے کلام کے مقصد کو تقویت دی گئی اور وہ کلام کہ جس میں ابہام بھی ہے اور اس کی وضاحت بھی وہ نبی کریم ﷺ کے توسط سے شروع ہو رہا ہے تا کہ ہر کوئی جان لے کہ نبی کریم ﷺ کے بغیر اللہ احد کو بھی نہیں جانا جا سکتا تو اس کیلیے نبی کریم ﷺ کا دامن تھاما جائے۔ اسی بات کو اللہ پاک نے ان الفاظ میں فرمایا:

اَلرَّحْمٰنُ فَسْئَلْ بِهٖ خَبِيْرًا ﴿۵۹﴾ (الفرقان)

''بے حد مہربان تو کسی جاننے والے سے اس (اللہ) کی معرفت حاصل کر''۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے محبوب ﷺ آپ فرما دیں کہ وہ اللہ جو تم سے غائب ہے۔ مجھ سے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں بتا دوں کہ وہ غائب ذات اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور اس کی صفت احد ہے۔

اسی بات کو تفسیر روح البیان میں بھی بیان کیا گیا ہے:

یا ضمیر اس کے لیے ہے جس سے سوال ہے یعنی جس کے متعلق تمھارا سوال ہے وہ اللہ ایک ہے۔

(تفسیر روح البیان۔سورۃ الاخلاص۔صفحہ ۱۱۰۶)

یعنی سوال تو وہ کرتا ہے جو جواب نہ جانتا ہو اور اسی لیے ھو کو استعمال کیا گیا کہ وہ ذات جس کے متعلق تمھارا سوال ہے یعنی جسے

تم نہیں جانتے، جوتم سے غیب ہے وہ اللہ ہے وہ احد ہے۔

کفار کے سوال سے بھی واضح ہوتا ہے کہ وہ خدا کو تو جانتے ہی نہیں تو اسی بات کی وضاحت لفظ ھو سے کی گئی کہ وہ اللہ جسے تم نہیں جانتے میں جانتا ہوں کہ وہ اللہ ہے اور اسکی صفت احد ہے۔

اگر کفار کے ذہنوں میں یہ بات ہوتی کہ اللہ تعالیٰ غیب ہے تو محمد ﷺ کیسے اللہ کو جانتے ہیں تو اس کی وضاحت بھی لفظ قل ھو ہے کہ اے کفار دیکھو! وہ اللہ غیب ضرور ہے لیکن مجھ سے کلام کرتا ہے اور اسی لیے اللہ نے فرمایا کہ میں فرمادوں وہ اللہ اکیلا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا نبی کریم ﷺ سے کلام کرنا قل ھو سے ثابت اور کفار پر یہ ظاہر کرنا کہ یہ نبی کریم ﷺ اللہ تعالیٰ کو جانتے ہیں یہ بھی قل ھو سے ثابت ہے۔

پھر دوسرا سوال جو کفار کے ذہنوں میں آسکتا تھا کہ سونے اور تانبے کا کہہ کر ہم نبی کریم ﷺ کو بتانے کا کہیں گے کہ اللہ کس چیز کا بنا ہے۔تو اس کی پوری وضاحت اس پوری آیت کے معنی میں ہے کہ اے محبوب ﷺ آپ فرمادیں یعنی قل سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ نبی کریم ﷺ کا تعلق ظاہر ہوا،ھو سے اللہ تعالیٰ کی غیوبت اور اللہ احد سے ان کی اس بات کی نفی ہوئی کہ سونا اور تانبا نظر آتا ہے اللہ تو احد ہے اور اگر احد ہے تو سونے اور تانبے جیسا نہیں اور
سونے اور تانبے جیسا نہیں تو نظر بھی نہیں آسکتا۔

اب کفار پر واضح ہوا کہ اگرچہ اللہ غیب ہے لیکن نبی کریم ﷺ سے کلام بھی کرتا ہے اور نبی کریم ﷺ اس کی ذات سے بھی واقف ہیں اور صفات سے بھی۔

تو اکیلے لفظ ھو سے بہت سے شبہاتِ کفار کو دفع کیا گیا اور معرفتِ خدا میں نبی کریم ﷺ کا عالم ہونا ظاہر فرمایا گیا۔

ھو کے ضمن میں ایک اور بات واضح کرنا بھی ضروری ہے کہ اگر تفسیر قرطبی کی روایت سے ''ھو میں رد کے محل اور جواب کے مکان پر دلالت ہے جب یہ لفظ نہ رہے تو آیت کا معنی باطل ہو جائے''۔(تفسیر قرطبی۔جلد ۱۰۔صفحہ ۵۴۷) کے مطابق دیکھا جائے تو پھر مندرجہ ذیل آیت کے کیا معنی قرار پائیں گے؟۔

قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط قُلِ اللّٰهُ ط---﴿۱۶﴾(الرعد)

''تم فرماؤ کون رب ہے آسمانوں اور زمین کا،تم فرماؤ اللہ''۔

سورۃ الاخلاص میں قل ھو اللہ ہے اور سورۃ الرعد میں قل اللہ ہے۔تو اگر ھو کے لزوم کو اس بنا پر برقرار رکھا جائے کہ بغیر اس کے آیت کے معنی باطل ہو جائیں گے تو پھر سورۃ الرعد میں تو قل اور اللہ کے درمیان ھو نہیں ہے۔یہی بات سورۃ الانعام میں ہے:

قل اللہ ''فرمادواللہ''۔

﴿۹۱﴾ (الانعام)

تواس جزوآیت کے معنی پر کیا کہا جائے گا؟۔

اس کے جواب میں یہی کہا جائے گا کہ سورۃ الاخلاص میں ھو کے وہی معنی ہیں جو تفسیر قرطبی میں ہیں لیکن سورۃ الرعد میں اتنا سمجھ لینا چاہیے کہ سورۃ الاخلاص میں کفار کو جواب دیا جارہا ہے اور سورۃ الرعد میں سوال بھی نبی کریم ﷺ سے کروایا جارہا ہے اور جواب بھی نبی کریم ﷺ سے دلوایا جارہا ہے۔ پھر وہی بات کی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا عوام کیلیے اسلوب قرآن اور ہے اور خواص کیلیے اسلوب قرآن اور۔

سورۃ الاخلاص میں کفار کے سوال کا جواب دیا گیا ہے جبکہ سورۃ الرعد میں اللہ تعالیٰ نے خود نبی کریم ﷺ سے اپنی ذات کے متعلق سوال کرایا اور پھر خود ہی جواب کہنے کا فرمایا لیکن ھو نہیں فرمایا۔ مندرجہ بالا بحث کے مطابق ھو اللہ تعالیٰ کے غیب ہونے پر دلالت ہے اور اللہ احد اس کا اظہار ہے۔ لیکن سورۃ الرعد میں نہ ہی کفار کو جواب دیا جارہا ہے اور نہ ہی ھو کہہ کے اللہ کے غیب ہونے کو دہرایا گیا ہے اور نہ ہی احد کہہ کے اللہ تعالیٰ کے بے مثل ہونے کی وضاحت کی گئی۔

نکتہ:

جیسا کہ تفسیر قرطبی میں ہے کہ اگر ھو نہ ہو تو آیت کا معنی باطل ہو جائے تو اس کی حمایت میں دلیل ہے:

اگر کہو الانسان ضاحك (انسان ضاحک ہے) تو اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ صرف انسان ہی ضاحک ہے اور کوئی ہنسنے والی مخلوق نہیں۔

لیکن اگر کہا جائے الانسان ھو الضاحك (صرف انسان ہی ضاحک ہے)۔

(تفسیر کبیر۔ جلد۲۔ صفحہ۹۷)

اسی طرح اگر قل ھو اللہ احد میں ھو نہ ہوتا تو اگر چہ اللہ تعالیٰ ہے لیکن اس کلام کے مفہوم میں صرف نہ آتا یعنی اس کا معنی یہ ہوتا کہ اللہ اکیلا ہے لیکن ھو کے آنے سے معنی یہ ہے کہ صرف اللہ ہی اکیلا ہے اور کوئی نہیں۔ اسی طرح دوسری آیت میں قل اللہ فرما کر اللہ تعالیٰ نے نہ ہی ھو فرمایا اور نہ ہی اپنی صفت کا بیان کیا۔ کیونکہ اگر ھو آتا تو اللہ تعالیٰ اپنی صفت بھی بیان کرتا اور اگر صفت بیان کرتا تو ھو بھی لازم آتا۔ اور ان دونوں الفاظ کا نزول تب ہوتا کہ جب اللہ تعالیٰ کے غیب ہونے کے بارے بتایا جائے کیونکہ نبی کریم ﷺ اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ جاننے والے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے اسلوب سورۃ الاخلاص نہیں رکھا بلکہ اسلوب خواص بیان فرمایا۔

دوسری بات یہ کہ سورۃ الاخلاص میں لفظ ھو لفظ احد جو صفت خدا ہے کی وضاحت کر رہا ہے لیکن سورۃ الرعد میں صرف اللہ ہے

صفت بیان نہیں کی گئی اور لفظ اللہ خود ہی اپنے اکیلے ہونے پر دلالت ہے۔ کیونکہ اللہ کے سوا کوئی اللہ نہیں۔ اسی لیے لفظ ھو نہیں آیا۔

نکتہ:

"اللہ تعالیٰ کے احد ہونے کی ایک دلیل ناطق یہ بھی ہے کہ تاریخ مخلوق میں آج تک اور قیامت تک خدا کے ذاتی نام پر کسی کا نام نہیں رکھا گیا اور نہ رکھا جائے گا حتیٰ کہ خدائی کا دعویٰ کرنے والوں نے بھی اپنے لیے لفظ اللہ استعمال نہیں کیا"۔

سورۃ الاخلاص میں ھو کا ہونا کفار کیلیے اللہ تعالیٰ کے غیب ہونے پر دلیل ہے لیکن سورۃ الرعد میں ھو کا نہ ہونا اس بات پر دلیل ہے کہ نبی کریم ﷺ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے عارف ہیں۔ سورۃ الاخلاص میں سوال کفار کا ہے لیکن سورۃ الرعد میں سوال نبی کریم ﷺ کا ہے اور جواب بھی۔ لیکن وما ینطق عن الھویٰ کے پیش نظر کہلوانے والے اللہ تعالیٰ ہیں۔ سورۃ الاخلاص میں ھو کا ہونا لازم ہے اور سورۃ الرعد میں ھو بمعنی غیوبت خداوندی کا اظہار ضروری نہیں تھا۔

یہاں ایک اور بات بھی واضح کردی جائے کہ نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا جواب دلوانا نبی کریم ﷺ کے علم کی نفی نہیں کرتا جیسا کہ سورۃ الرعد کی مندرجہ بالا آیت میں ہے کہ آسمانوں کا اور زمین کا رب کون ہے؟ تو کیا اس آیت کے نزول سے پہلے نبی کریم ﷺ کو علم نہیں تھا کہ اللہ ہی رب ہے لیکن پھر بھی اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ سے کہلوایا کہ اے محبوب ﷺ آپ فرما دیں اللہ۔ اسی طرح سورۃ الاخلاص کے نزول سے پہلے بھی نبی کریم ﷺ جانتے تھے کہ اللہ اکیلا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کا جواب دینا نبی کریم ﷺ کی اعلیٰ وارفع شان کو ظاہر کررہا ہے۔ یوں سمجھ لیں کہ سورۃ الاخلاص میں اللہ تعالیٰ کا نبی کریم ﷺ کو جواب کے الفاظ عطا فرمانا اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ﴿۹۵﴾ (الحجر)

"بے شک ان ہنسنے والوں پر ہم تمھیں کفایت کرتے ہیں"۔

اور سورۃ الرعد میں اپنے ہی بتائے ہوئے سوال کے جواب کے الفاظ عطا فرمانا۔۔۔ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا۔۔۔

﴿۴۸﴾ (الطّور)

"بے شک (اے محبوب ﷺ) آپ ہماری نگہداشت میں ہیں"۔

کی وضاحت ہے۔

تو سورۃ الاخلاص میں قل ھواللہ ہے اور سورۃ الرعد میں قل اللہ ہے۔ جو کہ اپنی جگہ پر دونوں نبی کریم ﷺ کی شان کو اپنے انداز سے ظاہر کررہے ہیں۔ سورۃ الاخلاص میں ھو کا ہونا لازم ہے اور سورۃ الرعد میں ھُوَ کا نہ ہونا پُرحکمت ہے۔

ایک اور بات کہ اگر کہا جائے کہ ھو کا اللہ تعالیٰ کے غیب ہونے پر کیسے دلالت ہے؟ تو اس پر ایک عام فہم طریقے سے واضح کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو عربی زبان میں اس لیے نازل کیا کہ لوگ آسانی سے قرآن کو سمجھ سکیں تو ھو تو عربی گرائمر

کی رو سے غیب کیلیے استعمال ہوتا ہے اور یہ اس غیب کیلیے ہے جو موجود ہے لیکن ہماری آنکھ اسے نہیں دیکھ سکتی تو ھو کا استعمال کر کے اللہ تعالیٰ نے یہ ظاہر فرما دیا کہ اللہ غیب ہے اور پھر اسی آیت میں ہی اپنی ذات وصفت کو آشکار فرما دیا۔تو سورۃ الاخلاص میں ھو کا استعمال اس بنا پر ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات تم سے غیب ہیں ایسا نہیں کہ اللہ تعالیٰ موجود نہیں بلکہ ہم اسے دیکھنے والے نہیں۔اس سے انسانوں کو ہی سمجھایا جا رہا تھا تو اسلوب بھی عام انسانوں والا ہی رکھا لیکن جب عوام کا معاملہ نہ رہا تو خواص کیلیے اللہ تعالیٰ نے ھو کو ہٹا دیا۔اور بلا واسطہ اپنی معرفت دے دی اور فرمایا اے محبوب ﷺ آپ فرما دیں ''اللہ''۔

لفظ ھو سے متعلق تفسیر مدارک کی ایک وضاحت بھی بیان کر دی جائے۔

''ھو یہ ضمیر شان ہے۔اللہ احد۔اور یہ شان ہے کہ اللہ ایک ہے جیسا کہتے ہیں ھو زید منطلق گویا اس طرح کہا گیا۔الشان ھذا وھو ان اللہ واحد لا ثانی لہ۔شان یہ ہے کہ وہ اللہ ایک ہے اس کا کوئی ثانی نہیں''۔

(تفسیر مدارک۔جلد۳۔تفسیر سورۃ الاخلاص)

تفسیر مدارک کی اس وضاحت کے متعلق دو باتیں قابل ذکر ہیں

ایک یہ کہ صاحب تفسیر مدارک نے الفاظ الشان ھذا کو لفظ قل کی جگہ استعمال کیا۔

دوسری یہ کہ الشان ھذا کے ہوتے ہوئے ھو کا استعمال کیا گیا جبکہ الشان ھذا ھو کا متبادل ہے۔

یا تو ایسے ہوتا کہ قل الشان ھذا ان اللہ واحد لا ثانی لہ۔پھر تو درست تھا۔اب جبکہ ھو کو واضح کرنے کے لیے الشان ھذا لایا گیا اور ھو کو بھی رہنے دیا گیا۔

ہونا یہ چاہیے تھا الشان ھذا ان اللہ واحد لا ثانی لہ۔اور یہی درست ہے۔

اب قل الشان ھذا اللہ احد۔قل ھو اللہ احد کی وضاحت ہے اور جس کی غیوبت ہی اس کی شان ہے تو اس کا ظہور کتنا عالی شان ہوگا۔

نبی وہ ہوتا ہے جو ذات خداوندی کی غیوبت سے ہی اس کی شان کو بیان کرے اور یہ اسلوب خداوندی ہے کہ قل کے بعد لفظ ھو سے بتا دیا کہ جو (نبی ﷺ) میری غیوبت کو جانتا ہے وہ میرے ظہور کو بھی جانتا ہے۔ھو غیوبت خداوندی ہے اور اللہ احد اس کا ظہور۔

بیالیسویں فصل

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَد ''اے محبوب ﷺ آپ فرما دیں! وہ اللہ اکیلا ہے۔

بظاہر دیکھنے میں یہ ایک چھوٹی سی آیت ہے لیکن اس کے ایک ایک حرف میں اتنی حکمتیں چھپی ہیں کہ جن کا ادراک کسی عام

انسان کیلیے ممکن نہیں۔اسی بات کی وضاحت یہ آیت ہے:

وَلَوْ اَنَّ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْ ۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۷﴾ (لقمٰن)

''اور اگر زمین میں جتنے درخت ہیں سب قلمیں ہو جائیں اور سمندر اسکی سیاہی ہو اس کے پیچھے سات سمندر اور، تو اللہ کی باتیں ختم نہ ہونگی، بے شک اللہ عزت وحکمت والا ہے''۔

دوسری بات یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اللہ احد ہی کے ساتھ اپنی تعریف کیوں فرمائی اپنے دوسرے صفاتی ناموں کو اس آیت میں شامل کیوں نہیں کیا۔یعنی اس میں کیا حکمت تھی ایک ذاتی نام اور دوسرا صفاتی نام۔اور صفاتی ناموں میں سے احد ہی کیوں آیا۔الرحمٰن والرحیم کیوں نہیں ارشاد فرمائے گئے؟۔

صاحب مختار الصحاح لکھتے ہیں:

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَد میں احد اللہ کا بدل ہے کیونکہ کبھی کبھی اسم معرفہ اسم نکرہ میں بدل جاتا ہے جیسے یہ قول خداوندی بالناصية ناصية ۔تمھارا یہ کہنا کہ لا احد فی الدار یعنی گھر میں کوئی نہیں، درست ہے لیکن فیھا احد یعنی اس میں کوئی ہے، کہنا درست نہ ہوگا۔احد کی جمع آمال کے وزن پر آحاد ہے۔

(مختار الصحاح۔باب الھمزۃ۔صفحہ ۲۱)

یہاں آپ کو ایک نکتہ کی طرف متوجہ کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کسی بھی آیت میں اپنے ذاتی یا صفاتی ناموں کا استعمال بہت سی حکمتوں کو ظاہر فرما رہا ہوتا ہے اور اس کا ربط پوری آیت کے مفہوم سے ہوتا ہے۔اس کی وضاحت میں بہت سی آیات ہیں۔جن میں سے چند بیان کی جاتی ہیں:

وَلَوْ اَنَّ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْ ۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۷﴾ (لقمٰن)

''اور اگر زمین میں جتنے درخت ہیں سب قلمیں ہو جائیں اور سمندر اسکی سیاہی ہو اس کے پیچھے سات سمندر اور، تو اللہ کی باتیں ختم نہ ہونگی، بے شک اللہ عزت وحکمت والا ہے''۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے دو صفاتی نام ہیں عَزِيْزٌ حَكِيْم ''زبردست وحکمت والا''۔

اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس پوری آیت کا ایک ایک حرف اللہ تعالیٰ کے ان دو صفاتی ناموں کو ظاہر فرما رہا ہے۔اللہ تعالیٰ اتنا زبردست ہے کہ اس کی شان لامحدود ہے یہ لفظ عَزِيْزٌ کا بیان ہو گیا۔

دوسرا ہے حَکِیمٌ ''حکمت والا''۔جس کے ضمن میں ایک نکتہ کی وضاحت کی جاتی ہے کہ:

ہمارے پاس خدا کی باتیں دو صورتوں میں موجود ہیں ایک قرآن کریم اور دوسری احادیث مبارکہ۔اوران دو ذرائع سے ہم خدا کی باتیں جان سکتے ہیں۔اگر قرآن کے ظاہری مفہوم اور احادیث کے ظاہری معنیٰ پر ہی اکتفاء کیا جائے تو شاید یہ قرآن و احادیث کے مفہوم کے خلاف ہوگا اور شاید انسان خدا کی باتوں میں وہاں تک نہ پہنچ سکے جہاں تک مندرجہ بالا آیت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اشارہ دیا گیا ہے۔تو ضروری ہے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کی باتوں میں چھپی حکمتوں کو جاننا چاہیے تا کہ زیادہ سے زیادہ خدا کی باتوں کو جانا جا سکے۔اسی لیے اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی معرفت کی طرف راغب کیا اور بتا دیا کہ میں بہت حکمت والا ہوں اور میری باتوں میں بھی حکمت ہے تو آیت کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنا صفاتی نام حَکِیم ارشاد فرما دیا۔تو اب یہ سمجھنا مشکل نہیں ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کا کسی بھی آیت کے آخر میں اپنے اسماء حسنہ کا ذکر کرنا حکمت سے خالی نہیں اور کہیں نہ کہیں اس کا ربط آیت کے مفہوم سے ضرور ہوتا ہے۔

دوسری آیت:هُوَالَّذِیْ یُنَزِّلُ عَلٰی عَبْدِہٖۤ اٰیٰتٍۢ بَیِّنٰتٍ لِّیُخْرِجَکُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ وَاِنَّ اللّٰهَ بِکُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ﴿۹﴾ (الحدید)

''وہی ہے کہ اپنے بندے پر روشن آیتیں اتارتا ہے تا کہ تمھیں اندھیروں سے اجالے کی طرف لے جائے اور بے شک اللہ تم پر ضرور مہربان اور رحم والا''۔

اس آیت میں بھی اللہ کی دو صفات بیان کی گئیں جو کہ اللہ کی رحمت سے تعلق رکھتی ہیں اور آیت کا پہلا حصہ دیکھا جائے تو پتا چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن اتارنا اور انسانوں کو ظلمت سے نور کی طرف لانا اللہ تعالیٰ کی رحمت اور بخشش ہے تو اللہ تعالیٰ نے آیت کے آخر میں اپنی دو صفات کا ذکر کر دیا کہ میں رؤف بھی ہوں اور رحیم۔

تیسری آیت:قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُكَ فِیْ زَوْجِهَا وَ تَشْتَکِیْۤ اِلَی اللّٰهِ وَاللّٰهُ یَسْمَعُ تَحَاوُرَکُمَا اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌۢ بَصِیْرٌ ﴿۱﴾ (المجادلۃ)

''بے شک اللہ نے سنی اس کی بات جو آپ سے اپنے شوہر کے بارے میں بحث کرتی ہے اور اللہ سے شکایت کرتی ہے اور اللہ تم دونوں کی گفتگو سن رہا ہے، بے شک اللہ سنتا دیکھتا ہے''۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ غیب کی باتیں سنتا اور دیکھتا ہے اور آیت کے پہلے حصے میں اسی کا ذکر ہے اور آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے اپنے دو صفاتی نام جو کہ اللہ تعالیٰ کے غیب کو سننے اور غیب کو دیکھنے پر دلالت ہیں، بیان فرما دیئے اور انہیں صفات سے اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خولہ بنت ثعلبہ رضی اللہ عنہا کی باتیں سنیں اور دیکھا۔

ایک اور مثال سے سمجھنا چاہیے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آیت کا پہلا حصہ بیان فرمانے کے بعد اپنی وہ دو صفات بیان

فرمائیں جو پہلے حصے کو سمجھنے کیلیے مددگار تھیں اگر یہاں یہ کوئی بھی اور صفت خدا بیان کی جاتی تو شاید انسان کے سمجھنے میں مشکل ہوتی لیکن سمیع بصیر کے آنے پر کوئی سمجھ سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کیونکہ سمیع بصیر ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ اور اس صحابیہ کی باہمی گفتگو سنی اور انہیں دیکھا۔

الغرض بہت سی ایسی آیات ہیں جن سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اپنا ذاتی نام اللہ اور اپنی صفات کا بیان کرنا حکمت سے خالی نہیں اور اس آیت میں ان صفاتی ناموں کا آنا پوری آیت سے ربط کی وجہ سے اسکی وضاحت بیان کرر ہے ہوتے ہیں جیسا کہ تین آیتیں پیش کی جا چکی ہیں۔

قرآن مجید کو قرآن میں حکمت بالغۃ فرمایا گیا ہے یعنی انتہا کو پہنچی ہوئی حکمت۔(القمر۔۵) تو اسی طرح اب یہ غور کیا جائے کہ آیا اللہ تعالیٰ نے سورۃ اخلاص کی پہلی آیت میں اپنی ذات کا نام یعنی اللہ اور اپنی صفت احد کا ذکر کن حکمتوں کے تحت کیا؟

تو سب سے پہلے یہ دیکھا جائے گا کہ آیت کا پہلا حصہ ہمیں کیا بتلاتا ہے اور اللہ احد کا آیت کے پہلے حصے سے ربط کیا ہے؟

آیت کا پہلا حصہ دو الفاظ پر مشتمل ہے ایک لفظ قل ہے اور دوسرا لفظ ھو ہے۔لفظ قل حکم ہے اور ھو اسم ضمیر ہے جو اللہ تعالیٰ کیلیے ہے اور اللہ تعالیٰ کے غیب ہونے پر دلالت کرتا ہے۔تو لفظ قل اور لفظ ھو کا ربط اللہ احد سے کیسے ہے یہ بات جاننے کی ضرورت ہے۔

پہلے لفظ قل کا اللہ احد سے ربط اور حکمت ملاحظہ کریں پھر قل ھو کا بیان ہوگا اور پھر ھو کا اللہ احد سے ربط واضح کیا جائے گا۔

۱۔ لفظ قل حکم خدا ہے تو لفظ اللہ لفظ قل سے اللہ کا حکم ہونے کی بدولت ربط ظاہر کر رہا ہے۔

۲۔ نبی کریم ﷺ کو امتی کا حکم کرنا ممکن نہیں اور اللہ تعالیٰ کا حکم کرنا نبی کریم ﷺ کیلیے علوشان ہے۔تو اکیلا لفظ قل ہی ثابت کرتا ہے کہ جو بات انسان کے ممکنات میں سے نہیں وہ نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہے اور قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔

۳۔ لفظ قل سے نبی کریم ﷺ کو اللہ احد فرمانے کا حکم ہے۔اللہ ذاتی نام ہے اور احد وہ صفاتی نام ہے کہ جس کا ربط اللہ تعالیٰ کے ہر صفاتی نام سے ہے۔تو اس سے یہ ثابت ہوگا کہ لفظ قل کے آنے سے نبی کریم ﷺ کے واسطے اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات اور اپنی تمام صفات کو ظاہر فرما دیا۔اس کی وضاحت یہ ہے:

اللہ تعالیٰ احد ہے جو کہ ایسی صفت خدا ہے جو اللہ تعالیٰ کی ہر صفت کو ذاتی طور پر اللہ تعالیٰ ہی کے ساتھ جوڑتی ہے۔جیسا کہ:

اللہ تعالیٰ غفور ہے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی صفت غفور میں احد ہے یعنی کوئی بھی ویسا غفور نہیں سوائے اللہ تعالیٰ کے۔لیکن صفاتی نام غفور کے بارے یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس میں خدا کی ہر صفت کا اظہار ہے جیسے کہ اگر کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ اپنی صفت جبار میں غفور ہے تو درست نہ ہوگا جیسا کہ احد کے بارے کہا گیا۔اسی طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی صفت

جبار میں احد ہے یعنی جیسا جبار اللہ تعالیٰ ہے ویسا کوئی نہیں۔لیکن صفت جبار کے بارے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اللہ تعالیٰ اپنی صفت رحیم میں جبار ہے۔اسی طرح اگر کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ اپنی صفت رحمٰن میں احد ہے یعنی اللہ تعالیٰ جیسا بہت مہربان کوئی نہیں تو بالکل درست ہوگا لیکن اگر کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ اپنی صفت قہار میں رحمٰن ہے تو درست نہ ہوگا لیکن صفت احد کا مرجع اللہ تعالیٰ کی ہر صفت ہے یعنی اللہ تعالیٰ اپنی ہر صفت میں احد ہے اکیلا ہے۔

ایک سادہ انداز میں سمجھ لیں کہ اگر قل ھو اللہ احد میں احد کی جگہ الرحمٰن آتا تو اللہ کی صفت تو آجاتی لیکن تمام صفات نہ آتیں۔اسی لیے اگر اللہ تعالیٰ کی تمام صفات کو صفت احد سے جوڑا جائے تو غلط نہ ہوگا۔اللہ تعالیٰ اپنی صفت رحیم میں احد ہے،اپنی صفت رحمٰن میں احد ہے،اپنی صفت جبار میں احد ہے،اپنی صفت قہار میں احد ہے الغرض اگر
خدا کی ہر صفت کو صفت احد کے ساتھ جوڑ دیا جائے تو صفت احد سب کو بیان کر رہی ہے تو:

اب یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے قل ھو اللہ احد میں اپنی ذات کو بیان فرمایا اور اپنی تمام صفات کو بیان فرما دیا کہ لفظ احد خدا کی تمام صفات کا مخفف ہے۔تو اب یہ بھی ماننا پڑے گا کہ جیسے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی مکرم ﷺ اپنی ذات اور صفت احد کو ظاہر فرمایا اور احد کی تعریف کے بعد یہ بھی بالکل درست ہوگا کہ نبی کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ
کے حکم سے اللہ تعالیٰ کی ذات اور تمام صفات کو لوگوں کے سامنے ظاہر فرما دیا۔مفہوم یہ ہوگا کہ قل ھو اللہ احد۔اے محبوب ﷺ آپ میری ذات کے اللہ ہونے اور میرا تمام صفات میں اکیلا اور یکتا ہونے کو ظاہر فرما دیں۔

اسی پر تفسیر قرطبی کا یہ قول ہے:

ایک قول کے مطابق قرآن حکیم تین اجزاء میں نازل ہوا: اس کے ایک تہائی احکام ہیں،ایک تہائی وعدہ وعید ہیں اور ایک تہائی اسماء وصفات ہیں۔قل ھو اللہ احد اسماء صفات کا جامع ہے۔

(تفسیر قرطبی۔جلد ۱۰۔صفحہ ۵۴۹)

اسی لیے صاحب روح البیان فرماتے ہیں:

لفظ قل اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ کی احدیت کا اظہار ہو۔

(تفسیر روح البیان۔سورۃ الاخلاص)

یہاں صاحب روح البیان نے اللہ کی ذات کا ذکر تو کیا ہے لیکن اللہ کے صفات میں احدیت کا ذکر نہ ہے۔ذکر نہ ہونا حقیقت کے منافی نہیں۔صفات میں احد ہونا بیان کیا جا چکا ہے اور ذات میں احد ہونے کو واضح کرنے کیلیے تفسیر روح البیان کی مندرجہ بالا وضاحت کا انتظار تھا تا کہ سمجھنے میں آسانی ہو۔

سوال تو درست ہے کہ اگر اللہ صفات میں احد ہے تو ذات میں بھی تو احد ہے تو اگر لفظ احد ہی اللہ کی ذات اور صفات کو واضح

کرنے والا تھا تو جیسے احد کو تمام صفات کے طور پر لایا گیا ہے تو اسی طرح لفظ احد کو ذات کی وضاحت کے طور پر بھی پیش کر دیا جاتا اور لفظ اللہ بیان نہ کیا جاتا؟۔

بات بالکل درست ہے لیکن قل ھواللہ احد میں غور نہیں کیا گیا کیونکہ سوال کا جواب اسی آیت میں موجود ہے۔

سوال یہ ہے کہ قل ھواللہ احد کی بجائے قل ھواحد لایا جاتا اور اللہ کی ذات اور صفات کی وضاحت ہو جاتی؟

اگر آیت کے الفاظ پر غور کیا جائے تو اس سوال کا جواب کھل کر سامنے آجائے۔

قل ھواللہ احد میں سے اگر ترتیب سے دہرائے جانے والے الفاظ کو حذف کر دیا جائے تو صرف قل ھواحد باقی رہتا ہے۔قل ھواللہ احد میں ترتیب سے یہ الفاظ ہیں: ق ل ھ وا ل ل ہ ا ح د: اب اگر ترتیب سے الفاظ لائے جائیں اور دوبارہ استعمال ہونے والے الفاظ ہٹا دیئے جائیں تو کیا بنتا ہے، دیکھیں:

ق ل ھ وا (اب 'لام' ہے لیکن 'لام' پہلے لفظ قل میں آچکا ہے، پھر تیسرا 'لام' ہے تو یہ بھی آچکا ہے پھر 'ہ' ہے اور یہ ھو میں استعمال ہو چکا ہے اور ھ اور ہ ایک ہی ہیں جیسے ھذا کو ہذا بھی لکھا جاتا ہے، اس کے بعد 'الف' ہے یہ بھی لفظ اللہ میں آچکا ہے، اس کے بعد)ح د ہیں۔اب یہ الفاظ باقی بچے: ق ل ھ و ا ح د: ان کو جوڑ دیا جائے تو بن جائے گا: قل ھواحد: تو جواب مکمل ہوا اور مفہوم واضح ہو گیا کہ اللہ کی ذات بھی احد ہے اور ہر صفت بھی احد ہے اور اس کا بیان اسی آیت میں موجود ہے۔اور اس آیت میں لفظ اللہ لانے کا مقصد یہ بتانا تھا کہ کوئی احد کو صرف صفات پر محمول نہ کر دے بلکہ ذات بھی یکتا ہے اور ہر صفت بھی یکتا ہے کہ کوئی اللہ تعالیٰ کی ایک صفت جیسی صفت بھی نہیں رکھتا۔

تو ثابت ہوا کہ لفظ قل کے بغیر ھواللہ احد کا مفہوم مکمل نہیں ہوتا۔تو لفظ احد سے لفظ قل کا ربط قائم ہو گیا۔

۴۔ قل ھو وہ دو الفاظ ہیں جو الفاظ اللہ احد سے جڑے ہوئے ہیں اور اس کے بارے صرف ایک ہی وضاحت کی جاتی ہے باقی بیان کی جا چکی ہیں:

بعثت نبی مکرم ﷺ سے پہلے اللہ احد بارے کسی کو معلوم نہ تھا یعنی اللہ بھی لوگوں سے غائب تھا اور اس کی صفات بھی۔لفظ قل کا ایک معنی یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ ارادہ فرماتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے ذریعے اپنی مخلوق تک اپنا حکم پہنچائے۔جیسا کہ تفسیر روح البیان میں ہے۔تو لفظ قل کے آنے سے اتنا معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کچھ بتانے والا ہے۔اور جب ھو آیا تو ایک ابہام پیدا ہوا کہ وہ بات جو اللہ تعالیٰ بتانا چاہتا ہے وہ مبہم ہے یعنی کوئی بھی اس کے متعلق ویسے نہیں جانتا جیسا کہ اللہ تعالیٰ بیان فرمانے والا ہے اس کے بعد اللہ احد فرما کر اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا کہ وہ غیب جو تم سب کیلیے تھا اس ذات کا نام اللہ ہونے اور اس کی ہر صفت احد ہونے کے بارے نبی کریم ﷺ کو حکم ہے کہ اللہ کی مخلوق کو بتا دیا جائے۔اب یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ان چار الفاظ کا آپس میں کتنا ربط ہے اور یہ کس طرح ایک دوسرے کے ساتھ معنی اور مفہوم کی بنا پر جڑے ہوئے ہیں اور ہر لفظ کا

مفہوم تب واضح ہوتا ہے جب اسے دوسرے لفظ کے ساتھ جوڑا جائے۔

۵۔ اگرچہ یہ بعض الفاظ میں بیان کیا جا چکا ہے لیکن یہاں اس کی تھوڑی وضاحت کرنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اس آیت میں اللہ احد لانا اس حکمت پر بھی دال ہے کہ اے لوگو دیکھو وہ ذات خداوندی اور اس کی صفات کہ جن سے کوئی واقف نہ تھا جس ذات کی بدولت واقفیت ملی تو وہ ذات خدا کی عطا کردہ معرفت کی بدولت اپنی ان صفات میں بے مثال ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور ان صفات کے بارے آگاہ کیا جو کوئی نہیں جانتا تھا۔ یعنی مخلوق میں سے اس ذات جیسا بھی کوئی اور نہیں اور اس کی صفت عارف باللہ میں بھی اس جیسا کوئی نہیں۔ خدا کی ذات ذاتی طور پر احد ہے اور نبی کریم ﷺ خدا کی عطا سے بے مثل ہیں۔

تو خدا کا اللہ احد لانے میں حکمت خدا کی اجمالی طور پر وضاحت ہوگئی۔ اللہ ورسولہ اعلم

تینتالیسویں فصل

قُلۡ هُوَ اللّٰهُ اَحَد :

قل ابتداء وحی ہے ھو وقف وحی، اللہ تبلیغ توحید کی طرف اشارہ ہے اور احد اسلام کا غلبہ ہے۔

بیان کردہ تمام تفصیل کو سمجھنے کیلیے اسی موضوع سے متعلق اس حدیث پر غور کریں کہ:

نبی کریم ﷺ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے سینہ پر ہاتھ مارا تو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں پسینہ پسینہ ہو گیا اور مجھے ایسے لگا جیسے میں خدا کو اپنے سامنے دیکھ رہا ہوں۔

(المشکوٰۃ المصابیح۔ جلد ۱۔ صفحہ ۴۷۹)

اسی کی وضاحت میں یہ دو آیات پیش کی جاتی ہیں:

اِنَّ رَبِّیۡ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ ﴿۵۶﴾ (ھود)

"بے شک میرا رب سیدھے راستے پر ہے"۔

اِنَّکَ لَمِنَ الۡمُرۡسَلِیۡنَ ﴿۳﴾ --عَلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ ﴿۴﴾ (یٰسین)--

"بے شک آپ ﷺ رسولوں میں سے ہیں۔ سیدھے راستے پر"

جبکہ اس کتاب میں سورۃ الاخلاص کی پہلی آیت کی وضاحت سے یہ بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ خدا کو جاننے کیلیے نبی کریم ﷺ کی ذات بابرکات کا دامن پکڑ لو لیکن حضرت ابی بن کعب تو اس سے بھی ایک قدم آگے فرما گئے کہ نبی کریم ﷺ کے میرے سینے پر ہاتھ مارنے سے مجھے ایسے لگا جیسے میں خدا کو اپنے سامنے دیکھ رہا ہوں۔ یعنی اس کتاب میں خدا کے متعلق علم الیقین پر بحث ہوئی ہے لیکن حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ خدا کے متعلق عین الیقین نبی کریم ﷺ کے توسط سے حاصل

ہونے کو بیان فرما گئے ۔ یہ نہیں فرمایا کہ میں نے خدا کو پہچان لیا بلکہ فرمایا کہ میں خدا کو دیکھ رہا ہوں ۔یعنی حضرت ابی بن کعب کے دل میں اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کسی قسم کی کوئی غلط فہمی باقی نہ رہی ۔تو اگر یہ کہنا حق ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میں نے خدا کو دیکھا تو کہنا پڑے گا کہ جو ذات عین الیقین کا ذریعہ بن سکتی ہے وہ علم الیقین کا واسطہ اور وسیلہ کیوں نہیں بن سکتی ؟ جبکہ بندہ علم الیقین حاصل کرنے کے بعد عین الیقین کے درجہ پر فائز ہوتا ہے۔

تکملہ

اللہ تعالیٰ کے بلا واسطہ مظہر کامل واکمل ، خدا کی ذات وصفات کی معرفت کے مخزن ، سردار انبیاء ومرسلین اور سید الاولین و الآخرین کے اوصاف عالیہ اور کمالات ظاہریہ وباطنیہ کے ذخائر بیکراں سے لوح محفوظ میں لکھے الفاظ لطیف کے ایک نقطہ کے شبیہ کی جھلک کے برابر آشکار بروئے عارفین باللہ بواسطہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کرنے کیلیے جو سعی کی گئی ہے ،کو سمجھنے کیلیے بلا واسطہ اور بالواسطہ کی وضاحت ہی سمجھ لیں کہ اس میں بالواسطہ کی حد حضور تاجدار انبیا صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات ظاہریہ کے اجمال تک ہے اور بلا واسطہ کا تصور بروئے مخلوق کمالات کی وہ فصیل ہے جہاں تصور ذات ، ذریعہ اخراج ارواح من الاجسام اور طریق باطل ہے ان کے لیے جو اهد نا الصراط المستقیم تو کہتے ہیں لیکن انک علی صراط مستقیم کے راز کو سمجھنے سے قاصر ہیں اور اهد نا الصراط المستقیم اور بالواسطہ کے محجوب میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْ لَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَا اٰيَةٌ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ (البقرۃ)

’’اور جاہل بولے اللہ تعالیٰ ہم سے (براہ راست) کلام کیوں نہیں کرتا ، یا ہمیں کوئی نشانی ملے ان سے اگلوں نے بھی ایسی ہی کہی ان کی سی بات اِن کے اُن کے دل ایک سے ہیں بے شک ہم نے نشانیاں کھول کر رکھ دیں یقین والوں کیلیے‘‘ ۔اور انک علی صراط مستقیم اور بلا واسطہ کا علم وَ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ ہے۔غیر نبی کیلیے نبی کی خاصیت کی خواہش کرنا ہی جرم ہے چاہے وہ اولین سے ہوں یا آخرین سے ۔کلام ہی وجود پر دلیل ہے اور غیر انبیاء کیلیے اس کے حصول کی خواہش جہالت ۔محدود تو تب ہو جب مکاشفہ حد ہو ، تو کہا جائے گا کہ علم وعقل انسانی کمالات محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے ضمائر سے آشنا ہے نہ کہ حد سے ،تو عقل انسانی میں وجود مظہر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور محدود ہے نہ کہ شان مظہر خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور بروئے مخلوق ، عین ذات کی طرف سے شان مظہر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی غیر متعین حد ہے ۔اب کمالات از دائرہ عقل انسانی کا تصور تو تب ہو جب شبیہ شان مظہر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے آشنائی ہو۔ وجود واحد حقیقی بمثال شمس علی السماء ستاروں کے عدم وجود پر دلالت نہیں کرتا جبکہ بوقت عدم ظہور شمس ، وہی ستارے شمس کیلیے دلیل ہیں اس کا شاہد اس پر دلیل ناطق ہے جبکہ وہ شمس کو آنکھ اٹھا کر دیکھنے کا متقاضی نہیں ہے ، وَلَوْ اَنَّ

مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَۃٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ یَمُدُّہٗ مِنْۢ بَعْدِہٖ سَبْعَۃُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ کَلِمٰتُ اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ ﴿۲۷﴾ (لقمٰن)

''اور اگر زمین میں جتنے درخت ہیں سب قلمیں ہو جائیں اور سمندر اسکی سیاہی ہو اس کے پیچھے سات سمندر اور، تو اللہ کی باتیں ختم نہ ہونگی، بے شک اللہ عزت وحکمت والا ہے''۔

کا مشاہدہ خفی ہے جبکہ درخت، قلمیں اور سمندر بھی کلمات خدا میں شامل ہیں اور واسطہ اظہار کلمۃ اللہ بھی۔

عین ذات کا وجود حامل صفات ہے اور اس کے مظاہر میں خاموش دلیل جبکہ مظاہر کا ظہور دلیل ناطق پر ہے۔عین ذات کا شاہد ہی صفات سے واقف ہے اور ذات وصفات کی حقیقت از استعداد دلیل ناطق از استعداد خاموش دلیل پر واضح کرتی ہے۔تو لازم ہے کہ دلیل ناطق اتنی کامل ہو کہ جس سے ظہور ذات بھی ہو اور صفات بھی، اور اسے ہی مظہر کامل واکمل کہا جائے۔حتی تأتیھم البینۃ مہر خدا ہے کہ مومن کیلیے دلیل ناطق پر اس طور سے ایمان لانا کہ ہدایت اسی سے وابستہ ہے یہ علم الیقین ہو، عین الیقین کیلیے دلیل ناطق کو وجہ اظہار ذات وصفات الٰہیہ تسلیم کرنا ہوگا۔ایمان کی تکمیل کے یہ دو مراحل ہیں کہ جن کا ذکر قرآن میں اسلام اور ایمان سے ہوا ہے یعنی ابھی تم میں ایمان داخل نہیں ہوا بلکہ یوں کہو کہ ہم مسلمان ہوئے۔بحر حیرت کی بیکراں گہرائی میں سرگرداں عقلِ انسان اپنی بنیاد سے خالی ہے جب کہ خدا کو جاننے کی تڑپ اس کے وجود کو قائم رکھے ہوئے ہے اور وہ ہدایت اور گمراہی کے مابین معلق ہے اب خلاف عقل حقائق سامنے آنے پر تنزلی کا سامنا کرنا پڑتا ہے جبکہ عجائبات خداوندی عقل کو معزول کردیں اور اس کی روح جانفزا ہو جائے تب جا کے واحد حقیقی کو واحد کہنے کا حق نصیب ہوتا ہے۔اور لازم ہے واحد حقیقی کی معرفت کے حصول کیلیے ہر انسان کو وہ منازل طے کرنی پڑتی ہیں جہاں ہر منزل پر اس کا سامنا توحید کے نئے ابواب سے ہوتا ہے اور ایک مقام وہ آتا ہے جب اس کی زبان پر احد احد کی سدائیں ہوتی ہیں لیکن انہیں مراحل میں وہ عالم انجان سے ایک آواز سنتا ہے اس کا مخاطب وہ نہیں ہوتا نہ ہی اس کا تصور اس کے دل میں گزرتا ہے بلکہ اسے الہام کیا جاتا ہے کہ خطیب اور مخاطب کو جانا جائے۔الفاظ کے حفظ کے ساتھ ان کے رموز جاننے کی کوشش کرتا ہے تو اسے محسوس ہوتا ہے کہ زمان ومکان کے تصور سے بالاتر حقائق پر مبنی وہ کلام کہ جس سے کسی کو مخاطب کیا گیا وہ وہی الفاظ ہیں جسے ترقی کی کئی منازل طے کرنے کے بعد اس نے حاصل کیا اور احد احد کہنے کا اذن ملا جبکہ وہی الفاظ مخاطب کہہ نہیں رہا بلکہ اس سے کہلوائے جا رہے ہیں تب اسے احساس ہوتا ہے کہ اس کا مقام کیا ہے۔یہی وہ مقام ہے جہاں ہر متلاشی ذات واجب کو لفظ قل سے شناسائی عطا کی جاتی ہے اور ھُوَ کے ادا کے قابل ہونے کیلیے اسے قل کے مخاطب کو جاننے کی ضرورت پیش آتی ہے۔لفظ قل کے حقائق واضح ہونے پر اسے معلوم ہوتا ہے کہ ذات واجب اور اس کے درمیان ایک واسطہ ہے کہ احد احد پکار کے جسے یہاں تک رسائی ملتی ہے اس پر عیاں ہوتا ہے کہ ایک ہستی وہ بھی ہے جسے احد

ذات حکم دیتی ہے ان اللہ یحکم ما یرید کہ میرے احد ہونے کا ذکر کرو تب وہ سوچتا ہے کہ احد احد کہنے کیلیے میں نے جو منازل طے کیں اس کے حصول پر مجھ پر واضح ہوا کہ تمھاری معرفت کی حد یہ ہے کہ تم یہ جان لو کہ اللہ ایک ہستی سے کہتا ہے کہ تم احد احد کہو تب قل ھو اللہ احد کا عکس اس کی عقل کی دیواروں سے ٹکراتا ہے اور اس کے بعد وَ اِذَا ذَکَرتَ رَبَّکَ فِی الْقُرْاٰنِ وَحْدَہ کا مقام ہے جہاں پھر اس ذات سے اللہ احد کہلوانے کے بعد اس کے اللہ احد کہنے کا تذکرہ بھی کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد ہر ذی روح و بے روح خدا کی عظمت کے تصور میں اپنے مقام کو پہچان لیتا ہے اور پھر انا حامل لواء الحمد یوم القیامۃ کی مصداق ایک ہستی نمودار ہوتی ہے تو خلق خدا سر اٹھا کر دیکھتی ہے اور ایک بار پھر ہر ذی روح و بے روح اپنے مقام کا تعین کرتا ہے پہلے خدا کو پانے کی بابت ، اب محمد مصطفی ﷺ تک رسائی کیلیے۔ مبشرا برسول یاتی من بعد اسمہ احمد کی گونج کے ساتھ فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون کی صدائیں بلند ہوتی ہیں اب خلق پر عیاں ہوتا ہے کہ اگر احد کو پانا ہے تو احمد ﷺ کی جناب میں اپنے آپ کو پیش کر دو۔ رحمٰن کی معرفت حاصل کرنی ہے تو مخبر ذات واجب کی بارگاہ میں آجاؤ الرحمٰن فسئل بہ خبیرا۔ یہ وہ مقام ہے جہاں انسانی عقل حیرت کے کروڑوں سمندروں کی لہروں کی نظر ہو جاتی لیکن نور کی ایک لڑی ان کے ساتھ ہوتی ہے اور ہر زباں پر جاری ہوتا ہے ھو محمد رسول اللہ ﷺ۔ ایک ذات واجب اور دوسری ذات حامل لواء الحمد فی الدنیا و یوم الآخرۃ اور تیسری خلق خدا۔ ہر عقل متصور ہوتی ہے فاتبعونی یحببکم اللہ۔ ہر مومن اس پکار پر لبیک یا رسول اللہ ﷺ کہتا ہے اور واحد حقیقی سے وہ پیغام دیا جاتا ہے کہ جس کیلیے انسان کا ہونا متصور ہے یعنی قل ھو اللہ احد جس کی تفسیر وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون ہے۔ اور سید الاولین والآخرین کی طرف سے یہ پیغام مخلوق تک پہنچتا ہے بلغ ما انزل الیک۔ کچھ تو ان میں وہ ہوتے ہیں جو اس پیغام کو اپنے عقل و حواس سے ماپتے ہیں اور گمراہ ہو جاتے ہیں قالو انما نحن مصلحون اور سمجھتے ہیں کہ یہ ھو اللہ احد ہے نہ کہ قل ھو اللہ احد۔ ھو اللہ احد اظہار ذات خدا ہے انکار رسول ﷺ نہیں۔ لیکن ھو اللہ احد سے اعتقاد نفی قل کا حامل لن ترانی کا مخاطب ضرور ٹھہرے گا۔ ھو اللہ احد کے ورد پر لن ترانی اور الم تر الیٰ ربک (الفرقان) کے ساتھ قل ھو اللہ احد، انی اریٰ مالا ترون اسکی تفسیر ہے۔

الحمد للہ رب العالمین

کتاب کا پہلا حصہ مکمل ہوا